

مُسلماُن کی زندگی کے تمام اُمور سے متعلق
ہزاروں مُستند احادیث کا جدید مجموعہ

مَعَارِفِ السُّنَنِ

حسب فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مجموعۂ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین



ادارۂ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَعَارِفُ السُّنَنِ



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَضَرَ اللَّهُ إِمْرَأَةً سَمِعَ مَقَالَتِي
فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!
اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ اور خوشحال رکھیں جس نے میری حدیث کو سنا
پھر اسے یاد کیا اور اسے آگے پہنچایا جیسے اُس نے سنا (مشکوٰۃ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث کا جدید مجموعہ

مَعَارِفِ السُّنَنِ

جلد سوم

دور حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کر نیوالی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباع سنت کیلئے متحرک کرتا ہے... نیز جدید و اہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

حسب فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مُرتَبِّین

مولانا عبد الاحد بلال مولانا حبیب الرحمن
(از فضلاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد المملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

مَعَارِفُ السُّنَنِ

تاریخ اشاعت ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

قصیر احمد خان

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گزارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ..... چوک فوارہ..... ملتان اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید روڈ..... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات..... انارکلی..... لاہور دارالاشاعت..... اردو بازار..... کراچی
مکتبہ سید احمد شہید..... اردو بازار..... لاہور مکتبہ القرآن..... نیوٹاؤن..... کراچی
مکتبہ رحمانیہ..... اردو بازار..... لاہور مکتبہ دارالخلاص..... قصہ خوانی بازار..... پشاور
مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTER) BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ملتان
کراچی

کلمات مرتب

بسم الله الرحمن الرحيم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

اما بعد! اسلام کے تمام علوم و احکام کی اساس چار چیزیں ہیں۔

قرآن کریم۔ احادیث نبویہ۔ اجماع امت اور قیاس۔

عہد نبوت سے تا قیامت امت مسلمہ نے انہی چاروں اصول کی روشنی میں صراط مستقیم کا سفر طے کرنا ہے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات کو مذکورہ اصول کی رہنمائی ہی میں طے کرنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مقاصد نبوت کا ذکر کرتے ہوئے چار امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔

تلاوت۔ تعلیم کتاب۔ تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس۔

خیر القرون میں جو محیر العقول اسلامی انقلاب رونما ہوا اور اس نے روئے زمین پر ایک نئے معاشرہ اور نئی امت تشکیل دی اس کے عناصر تین چیزیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی۔ قرآن مجید۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

زیر نظر جدید مجموعہ بنام ”معارف السنۃ“ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستند احادیث کے ترجمہ اور تشریح پر مشتمل مفید عام مجموعہ ہے جسے برصغیر پاک و ہند کے مشائخ حدیث اور اکابر علماء کی تالیفات اور تشریحات سے مرتب کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں خدمت حدیث اور اس کی نشر و اشاعت کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوٰۃ کا فارسی ترجمہ و تشریح بنام ”امعة الممعات“ کیا۔ فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد مولانا خرم

علی بلہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صغانی کی مشہور کتاب ”مشارق الانوار“ کا ترجمہ و تشریح کا کام کیا جو ”تحفۃ الاخیار“ کے نام سے ہے۔ اس کے بعد خاندان ولی الہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح پر مبنی

”مظاہر حق“ کے نام سے کیا جو ظاہری و معنوی محاسن پر مشتمل ہونے کی بنا پر عوام و خواص میں تاہنوز مقبول ہے۔

ماضی قریب میں دارالعلوم دیوبند سہارنپور وغیرہ کے اجل فضلاء کرام نے مختلف اعتبار سے حدیث کی خدمات کو سرانجام

دیا، جن میں ہمارے بزرگ استاد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ کرام میں سے فخر المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ خدمت حدیث میں آپ کی شاہکار تصنیف ”ترجمان السنۃ“ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو تمام اعتقادی و نظریات احکام و مسائل پر احادیث اور ترجمہ و تشریح کی ایک مستند و مبسوط کتاب ہے۔ حضرت علامہ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (احمد پور شرقیہ) فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پر اس صدی کی بہترین کتاب ”ترجمان السنۃ“ ہے۔ استاد محترم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ”ترجمان السنۃ“ کو ذوق حاضر کے مطابق ڈھالا جائے اور ہر مسلمان بآسانی اس سے مستفید ہو سکے۔

آج تقریباً 25 برس کے بعد ادارہ کو خدمت حدیث کا یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ اس نے احادیث مبارکہ کی مشاہیر و متداول کتب سے ایک مستند مجموعہ مرتب کرایا ہے جو عوام و خواص کیلئے دور جدید کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ معارف السنۃ کیا ہے؟ یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ مولانا مفتی عاشق الہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب احادیث و تشریحات اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے جدید مسائل اور دیگر اکابرین کی تصنیفات و تالیفات سے مزین ایک مستند مجموعہ ہے جو زندگی کے تمام امور کے بارہ میں براہ راست فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عام فہم تشریحات کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے۔ اس جدید مجموعہ کو ایک عام مسلمان کی ضرورت کے مطابق فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایمان، توحید رسالت، ختم نبوت اور معجزات جیسے اعتقادی و نظریاتی ابواب کے مباحث بھی مفصل ذکر کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تکمیل ایمان کی شرط ہے جس کا اہم و اولین تقاضا اطاعت ہے یہ مجموعہ جن مخلص اہل علم اکابر کی تالیفات سے منتخب کر کے مرتب کیا گیا ہے ان کے اخلاص کا عکس پڑھنے والے کی زندگی میں یوں رونما ہوتا ہے کہ قاری صرف اپنے علم میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ عملی زندگی میں اتباع سنت کی مبارک دولت سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے شب و روز اسوہ حسنہ میں ڈھل جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے مرتبین ناشر اور جملہ قارئین کیلئے ذریعہ نجات بنائیں آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین

واللہ اعلم

عبدالاحد بلال حبیب الرحمن

(فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ بمطابق نومبر 2010ء

فہرست عنوانات

۴۱	کامل ایمان کی تعریف
۴۱	ایمان بالغیب ایمان کی سب سے بڑی صفت ہے
۴۱	دلائل کی حقیقت اور اس کا وزن
۴۲	انبیاء علیہم السلام اور ان کے علوم کا مرتبہ
۴۲	بندہ کا کمال تفویض و تسلیم ہے
۴۳	آدم علیہ السلام کو سجدہ کا امر فرمانے کا فلسفہ
۴۳	شیطان کے معارضہ کی حقیقت
۴۳	طبعی انحراف و علوم کا خاصہ
۴۳	فضیلت کیلئے صرف مادہ کا شرف کافی نہیں ہے
۴۴	لما خلقت بیدی کی لطیف تفسیر اور شیطان کے معارضہ کا جواب
۴۴	مناظرۃ ابلیس میں نسل انسانی کیلئے ایک عظیم موعظہ
۴۴	انصار کی محبت علامت ایمان کیوں ہے؟
۴۴	کمال محبت، محبوب کی رضا میں فنا ہو جانا ہے
۴۵	ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے
۴۵	ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر
۴۵	اشیاء کے وجود کی تین صورتیں

کِتَابُ الْعِلْمِ	
۲۳	اہل علم سے دین سیکھنا ضروری ہے
۲۷	حصول علم میں اخلاص کی ضرورت
۲۹	سنت کی اتباع اور بدعت سے احتراز کی تاکید
۳۰	بدعت کیا ہے؟
۳۴	امت کے لئے عمل کا آسان راستہ
۳۸	اصلاح امت کی جدوجہد
۳۰	دنیوی معاملات میں حضور کی ذاتی رائے کی حیثیت
۳۲	دین کا سیکھنا اور سکھانا
۳۳	حصول علم کا دستور العمل
۳۵	قرآن مجید کا پڑھنا اور پڑھانا
۳۶	تلاوت قرآن کا اجر و ثواب
۳۸	حسن نیت
۳۹	علم حاصل کرنے کا مقصد
۳۹	عمر جوانی، مال اور علم کا سوال
کِتَابُ الْإِيمَانِ	
۴۱	ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر

۷۸	ایمان کے بغیر اعمال خوشنما قالب ہیں جن میں روح نہیں	۴۶	وجود لفظی ایک نام تمام وجود ہے
۷۹	اسکی مثال جو ایمان نہیں رکھتا اور قرآن پڑھتا ہے	۴۶	وجود دہنی لفظی وجود سے قوی ہے
۸۰	جو اسلام لے آئے اس کیلئے ایک نیکی پر دس نیکیوں کی بشارت	۴۶	کسی چیز کا وجود یعنی ہی اس کا مکمل وجود ہوتا ہے
۸۲	اسلام میں خوبی پیدا کرنے پر سات سو گنا نیکیوں کی بشارت	۴۸	اقرار باللسان
۸۳	اچھے اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیاں بھی نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں	۴۹	ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیت
۸۴	اسلام کو بد نما بنانے پر شدید مواخذہ کی وعید	۵۱	عالم غیب اور دلائل
۸۵	اسلام کی ایک اہم خوبی	۵۲	ایمان کا وجود یعنی
۸۷	دل کے خطرات اور بشری بھول چوک پر درگزر کی بشارت	۵۵	عمل و ایمان کا توازن
۹۰	دین محمدی کے سر تا سر پہل اور آسان ہونے کی بشارت	۵۶	ایمان اور معرفت
۱۰۰	اہل کتاب میں جو شخص ایمان لائیگا اسکو دو اجر ملیں گے	۵۹	اعمال کی حیثیت ایمان میں
۱۰۰	ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوتا ہے فضاہیت کا موجب ہے	۶۰	تصدیق قلبی پر معصیت کا اثر
۱۰۸	یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے	۶۱	اسلام و ایمان میں کیا فرق ہے
۱۰۹	عین یقین کا مرتبہ علم یقین کے مرتبہ سے اونچا ہے	۶۲	ایمان میں زیادت و نقصان کی بحث
۱۱۳	وقتی اضطراب یقین کے منافی نہیں	۶۷	ایمان اور اعمال صالح کا تو سل
۱۱۶	ایمان کے نور کی برکات	۶۷	تشریح آمیز ترجمہ
۱۱۹	جسکی موت یقین پر آ جائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے	۶۸	خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان ایمان ہے سرمایہ دولت نہیں
۱۲۰	آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں	۶۹	جنت میں صرف مؤمن جائیں گے
۱۲۳	تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں	۷۰	کمال دین کی بشارت اس امت کے سوا کسی کو نہیں دی گئی
۱۳۷	ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے	۷۱	مؤمن عاصی کے حق میں مغفرت کی بشارت
		۷۴	اسلام زمانہ کفر کے سب گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے

۱۳۸	جس نے شعارِ اسلام ادا کر لئے اس کیساتھ اللہ ورسول کا عہد ہو گیا	۱۸۵	گناہ کبیرہ پر نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے
۱۴۰	اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے	۱۸۸	عذر کی ایک صورت
۱۴۲	ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں	۱۸۹	کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے
۱۴۳	دین اسلام تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے	۱۹۱	خودکشی کرنے والا کافر نہیں
۱۴۸	ایمان کیا ہے؟	۱۹۲	اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے
۱۵۰	صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان رضا کی چند مثالیں	۱۹۷	کب اجمالاً ایمان لانا کافی ہے؟
۱۵۵	شہادتین کے معنی	۱۹۸	اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے
۱۵۶	خوشی اور غم شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں	۲۰۰	شرط فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے
۱۶۶	ایمان حقیقت میں قلبی اعتقاد کا نام ہے	۲۰۵	جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے
۱۶۹	جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے	۲۰۹	طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں
۱۷۰	نور ایمان کے اخروی ثمرات	۲۰۹	قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہانہ کیا جائیگا
۱۷۵	ایمان کے ساتھ فرائض کی بجا آوری پر کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا	۲۱۰	خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے
۱۷۶	جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں	۲۱۲	کافر کا اسلام قبول کرنا کب معتبر ہے؟
۱۷۸	جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے	۲۱۳	آنحضرتؐ نے کسی شخص کو اسلام لانے کیلئے مجبور نہیں کیا
۱۸۰	جنت کیلئے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے	۲۲۳	ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہئے
۱۸۲	پل صراط پر لوگوں کی رفتار انکے اعمال کے مطابق ہوگی	۲۲۶	اسلام کے چیدہ چیدہ اعمال
۱۸۳	گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے	۲۲۷	کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ دینا
		۲۳۳	ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا
		۲۳۹	شرم و حیاء کرنا
		۲۴۵	غیرت

۲۸۷	ایمان و اسلام کی چند علامات	۲۴۷	سب کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا
۲۸۸	مسلمان کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا	۲۴۹	خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اٹھا دینا
۲۸۹	دین کے شعبے	۲۵۳	محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا
۲۹۰	اسلام پر بیعت کی اہمیت	۲۵۳	گاہ بگاہ ترکِ زینت
۲۹۰	اسلام پر بیعت کرنا خدا کی اسٹیٹ میں حلف و فاداری کے ہم معنی ہے	۲۵۴	اچھا طور و طریق، متانت اور میانہ روی
۲۹۱	امام کو لوگوں سے کن باتوں پر بیعت لینا چاہیے؟	۲۵۶	اخلاص کی اہمیت
۲۹۲	دنیا کے لیے کسی سے بیعت کرنا نہیں چاہیے	۲۵۶	ایک اہم وضاحت
۲۹۳	عورتوں کی بیعت	۲۵۷	ریا کاری کی نحوست
۲۹۳	بچے کی بیعت	۲۵۸	اخلاص دین کا تہائی حصہ
۲۹۳	غلام کی بیعت	۲۵۸	حدیث جبرائیل علیہ السلام
۲۹۴	بادیہ نشینوں کی بیعت	۲۶۰	اسلام کیا ہے؟
۲۹۷	علامات ایمان	۲۶۰	ایمان کیا ہے؟
۲۹۷	تکمیل ایمان کی شرائط	۲۶۲	احسان کی وضاحت
۳۰۴	ایمان کے منافی اخلاق و اعمال	۲۶۳	قیامت اور اس کی علامات
۳۰۶	منافق کے اعمال و احوال	۲۶۵	اسلام کے پانچ ارکان
۳۰۸	وسوسے پر مواخذہ نہیں	۲۶۶	ارکانِ اسلام کی فضیلت
۳۱۰	ایمان و اسلام کیا ہے؟	۲۷۰	ارکانِ اسلام کی دعوت کا دستور العمل
۳۱۲	ارکانِ اسلام	۲۷۱	نجات کیلئے دین اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے
۳۱۵	ارکانِ اسلام کا باہمی ربط	۲۷۲	ایمان پر نجات
۳۱۸	اسلام میں سب سے مضبوط عمل	۲۸۴	اسلام کی برکات سے سابقہ گناہ معاف
۳۲۰	ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں	۲۸۵	ایمان کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ

۳۲۸	اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ	۳۲۱	اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے
۳۵۸	خدائے تعالیٰ عز و جل کی تریز یہی صفات	۳۲۳	تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا
۳۶۰	اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت	۳۲۳	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا
۳۷۵	بندوں پر خدائے تعالیٰ کا کیا حق ہے	۳۲۶	جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا
۳۸۰	اللہ تعالیٰ کی تجلیات	۳۲۹	نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا
۳۸۰	تجلی کی حقیقت	۳۳۱	جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا
۳۸۰	اس کو ایک مثال سے سمجھو	۳۳۲	حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا
کِتَابُ الشِّرْکِ		۳۳۲	نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا
۳۸۳	شرک انسان کی فطرت نہیں	۳۳۵	احکام اسلامیہ کیلئے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا
۳۸۶	شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے	۳۳۶	نمازوں کیلئے مسجد کی پابندی
۳۸۹	شرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں	۳۳۷	طہارت کی نگہداشت
۳۹۰	مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں	۳۳۷	دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا
۳۹۵	اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو سکتی ہیں	کِتَابُ التَّوْحِيدِ	
۳۹۹	اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں	۳۳۹	اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے
۴۰۰	غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے	۳۴۰	اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کھود کرید کرنیکی ممانعت
۴۰۰	اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں	۳۴۴	اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم
۴۰۴	بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے		
۴۰۶	توحید کا سب سے بلند مقام		
۴۰۸	مخلوق کے متعلق حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے		
۴۱۱	غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے		

۴۱۴	غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے	۴۵۶	لپٹے و لٹکے بپ ہونے سے انکار کرنا کفر کے ہم پل ہے
۴۱۵	مسلمان کی شان	۴۵۶	ایمان کے منافی قول
۴۱۶	تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقالی ہے	۴۵۷	فسق و کفر کی تہمت کا لوٹنا
۴۱۷	قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے	۴۵۸	تاویل یا تاویلی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں
۴۱۸	ریا کاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے	۴۵۸	شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے
۴۲۲	بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت	۴۵۹	مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی
۴۲۳	گارسے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت	۴۵۹	مشرکین کی جماعت سے احتراز
۴۲۹	نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت	۴۶۱	بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے
۴۲۹	نا تمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت	۴۶۳	کافروں کی چھو منتر بھی شیطانی کام ہیں
۴۳۰	کسی عذر کے بغیر نماز قضاء کر دینا کفر ہے	۴۶۵	نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی
۴۳۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک احتیاط	۴۶۷	کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہئے
۴۳۷	اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں	۴۷۷	خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے
۴۴۱	خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے	۴۷۸	استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام
۴۴۱	آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت	۴۷۹	قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ
۴۴۲	شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت		
۴۴۲	ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت		
۴۴۳	مومن کو چاہئے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دور رہے		



کِتَابُ الْعِلْمِ

اہل علم سے دین سیکھنا ضروری ہے

عَنْ أَبِی الزَّعَرِّیِّ وَالِدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَثْنَى عَلَى طَوَائِفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يُفْقَهُونَ جِیرَانَهُمْ وَلَا يَعْلَمُونَهُمْ وَلَا يَعْظُونَهُمْ وَلَا يَأْمُرُونَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَعْلَمُونَ مِنْ جِیرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُونَ وَلَا يَتَعَطَّوْنَ، وَاللَّهِ لَيَعْلَمَنَّ قَوْمٌ جِیرَانَهُمْ وَيَفْقَهُوهُمْ وَيَعْظُونَهُمْ وَيَأْمُرُونَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعْلَمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِیرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُونَ وَيَتَعَطَّوْنَ أَوْلَا عَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوبَةِ فِي دَارِ الدُّنْيَا..... ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ بَيْتَهُ فَقَالَ قَوْمٌ مَنْ تَرَوْنَهُمْ عَنِي بِهِؤُلَاءِ؟ فَقَالُوا نَرَاهُ عَنِي بِهِ الْأَشْعَرِيِّينَ، هُمْ قَوْمٌ فَقَهَاءُ وَلَهُمْ جِیرَانٌ جُفَاءٌ مِنْ أَهْلِ الْمِيَاهِ وَالْأَعْرَابِ..... فَبَلَغَ ذَلِكَ الْأَشْعَرِيِّينَ، فَاتُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَكَرْتَ قَوْمًا بِخَيْرٍ وَذَكَرْتَنَا بِشَرٍّ فَمَا بَالُنَا؟ فَقَالَ لَيَعْلَمَنَّ قَوْمٌ جِیرَانَهُمْ وَلَيَفْقَهُنَّهُمْ وَلَيَعْظُنَّهُمْ وَلَيَأْمُرَنَّهُمْ وَلَيَنْهَيْنَهُمْ وَلَيَتَعْلَمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِیرَانِهِمْ وَيَتَعَطَّوْنَ وَيَتَفَقَّهُونَ أَوْلَا عَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوبَةِ فِي دَارِ الدُّنْيَا فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَبْطِرْ غَيْرِنَا؟ فَأَعَادَ قَوْلَهُ عَلَيْهِمْ وَأَعَادُوا قَوْلَهُمْ أَبْطِرْ غَيْرِنَا؟ فَقَالَ ذَلِكَ أَيْضًا، فَقَالُوا أَمَهَلْنَا سَنَةً فَأَمَهَلَهُمْ سَنَةً لِيَفْقَهُوهُمْ وَيَعْلَمُوهُمْ وَيَعْظُوهُمْ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ. كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ. (رواه ابن راهويه والبخاری)

مشہور صحابی عبدالرحمن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہما کے والد (ابزی الخزاعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد میں منبر پر) خطاب فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی (کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کے بعض دوسرے گروہوں کو تنبیہ اور سرزنش کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس) جو اپنے پڑوس والے (ان مسلمانوں کو جو دین سے واقف نہیں ہیں) دین نہیں سمجھاتے اور دین کی تعلیم نہیں دیتے اور وعظ و نصیحت نہیں کرتے اور ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام نہیں دیتے (اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اور کیا حال ہے،

ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس جو دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود) وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے (ان مسلمانوں سے جو دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں) دین سیکھنے اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ (جو دین کا علم رکھتے ہیں، علم نہ رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں..... اور (جو لوگ دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں، ان کو) میری تاکید ہے کہ وہ (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں، ورنہ یعنی اگر ان دونوں فریقوں نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا۔

اس کے بعد (یعنی یہ تنبیہی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپس میں کہا کہ کیا خیال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کون لوگ ہیں؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب میں کن لوگوں کو تنبیہ اور سرزنش فرمائی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اشعریین (یعنی ابو موسیٰ اشعری کے قبیلہ کے لوگ) ہیں، انہی کا یہ خیال ہے کہ وہ فقہاء ہیں (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھتے ہیں) اور ان کے جوار میں پانی کے چشموں کے پاس رہنے بسنے والے اور ایسے بدوی لوگ ہیں جو بالکل اجڈ (اور دین سے بالکل ناواقف) ہیں۔

یہ ساری بات اشعریین کے علم میں آئی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (معلوم ہوا ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گروہوں کا ذکر تعریف کے ساتھ فرمایا اور ہم لوگوں کی مذمت فرمائی، ہمارا کیا معاملہ (اور کیا قصور) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (میرا کہنا بس یہی ہے کہ دین کا علم و فہم رکھنے والے) لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (دین نہ جاننے والے) اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کریں..... اور جو دین کو نہیں جانتے ان کا فرض ہے کہ وہ (جاننے والے) اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوا کریں اور دین کی سمجھ بوجھ ان سے حاصل کریں، یا پھر ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا..... اشعریین نے عرض کیا کہ کیا دوسرے لوگوں کے جرم اور کوتاہی کی بھی سزا ہم کو بھگتنا ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں اپنی وہی بات دہرائی جو فرمائی تھی، اشعریوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا کہ کیا دوسروں کی غفلت و کوتاہی کی سزا بھی ہم پائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، وہ بھی (یعنی دین کے جاننے والے اگر نہ جاننے والے اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس کی بھی سزا پائیں گے) اشعریوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سال کی مہلت اس کام کے لئے دے دی کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، اس کے بعد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ مائدہ کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا

يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ. (مسند ابن راہویہ، کتاب الوجدان للبخاری)

لعنت ہوئی ہے بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کو ان برائیوں اور گناہوں سے نہیں روکتے تھے، جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے، برا تھا ان کا یہ فعل۔

تشریح:- حدیث کی کچھ تشریح ترجمہ کے ضمن میں گزر چکی ہے بقیہ تشریح ملاحظہ ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ کسی آبادی یا علاقے کے جو لوگ دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں ان کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے ان لوگوں کو جو دین سے ناواقف ہوں اللہ فی اللہ دین سکھائیں، اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی دینی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے رہیں اور اس تعلیمی خدمت کو اپنی زندگی کے پروگرام کا خاص جز بنائیں۔

اور دین کی واقفیت نہ رکھنے والے مسلمان اس کو اپنا فرض اور زندگی کی ضرورت سمجھیں کہ دین کے جاننے والوں سے رابطہ قائم کر کے دین سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا تھا۔

دینی تعلیم و تربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ کے اور بغیر کتاب اور کاغذ قلم کے اور بغیر کچھ لکھے پڑھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کر سکتا تھا۔ بلکہ اپنی محنت و صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کر سکتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے بھی علم دین اسی طرح حاصل کیا تھا، ان کا علم یقیناً ہمارے کتابی علم سے زیادہ گہرا اور قابل اعتماد تھا، ان کے بعد امت میں جو کچھ علم دین رہا ہے اور آج ہے وہ سب انہی کا ترکہ ہے۔ افسوس ہے کہ بعد میں امت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو امت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی فرد بھی دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا۔ اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے، ہم اس مدت میں ان شاء اللہ یہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمائی، یہ گویا اس علاقہ کی پوری آبادی کے لئے ”ایک سالہ تعلیمی منصوبہ“ تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر آج بھی ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمان خواص و عوام اس طریق کار کو اپنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں تو امت کے تمام طبقوں میں ایمانی زندگی اور ضروری درجہ کی دینی واقفیت عام ہو سکتی ہے۔

سلسلہ کلام کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ مائدہ کی جو دو آیتیں تلاوت فرمائیں، ان میں بیان

فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت ہوئی اور ان کی ملعونیت کا اعلان ہوا، ان کا ایک خاص جرم جو لعنت کا موجب ہوا یہ تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کی اور ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی کوئی فکر اور کوشش نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اللہ کی اور اس کے پیغمبروں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں جو تنبیہ اور سرزنش فرمائی تھی یہ آیتیں اس کی قرآنی سند ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرما کر گویا بتلایا کہ جو کچھ میں نے خطبہ میں کہا ہے اور جس پر مجھے اصرار ہے، یہ وہی ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی ان آیتوں میں فرمائی ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْآخَرُ يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هَذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَاكُمْ. (رواه الدارمی)

حضرت حسن بصری نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا..... اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں کون افضل اور اعلیٰ ہے؟..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور نیکی کی باتیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس کو اس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح:- مندرجہ بالا حدیث میں ”علم“، ”طالبین علم“، ”علماء“ اور ”معلمین“ کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئیں، ان کی لم اور ان کا راز یہی ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نور ہدایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہے اور دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھائے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا الہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے اور جو اس کے حامل اور امین علماء و معلمین ہیں وہ زندہ انسانوں کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں، لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کار نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو اور آلہ کار ہیں۔ اسی خصوصیت نے ان کو اس مقام و مرتبہ پر پہنچا دیا ہے اور ان غیر معمولی انعامات الہیہ کا مستحق بنا دیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیث کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے..... لیکن جیسا کہ آگے درج ہونے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا، اس کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی یہ طلب و تحصیل اور تعلیم و تدریس خالصاً لوجه اللہ اور اجر آخرت کے لئے ہو، اگر خدا نخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لئے ہو

تو بدترین معصیت ہے اور ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

مدارس و مساجد کی شکل میں علم دین کی تحصیل و تعلیم کا جو نظام قائم ہے، اس کی وجہ سے جب ہمارے دینی حلقوں میں ”طالب علم“ کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے ”طالب علموں“ ہی کی طرف جاتا ہے، اسی طرح عالم دین یا معلم دین کا لفظ سن کر ذہنی اصطلاحی و عرفی علماء اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں علم دین کی طلب و تعلیم، یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں، ان سب کا مقصد ان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلہ اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، عہد نبوی میں اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا، نہ مدارس اور دارالعلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا، بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا، بس صحبت و سماع ہی تعلیم و تعلم کا ذریعہ تھا، صحابہ کرامؓ نے (ان کے درجہ اول کے علماء و فقہاء مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی) جو کچھ حاصل کیا صرف صحبت و سماع کے ذریعے حاصل کیا تھا اور بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے۔ آج بھی جو بندگان خدا کسی غیر رسمی طریقے سے مثلاً صحبت و سماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق اور بلاشبہ ان کے لئے بھی یہ سب بشارتیں ہیں..... بلکہ ان کو اصطلاحی و عرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت و فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس اور دارالعلوموں میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہو سکتے ہیں (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بے چارے اصلاح و ارشاد کی مجالس میں یا کسی دینی حلقہ میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں، یا دین سیکھنے سکھانے والے کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت گزارتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کر سکتے، اس لئے ان کی غیر رسمی ”طالب علمی“ یا ”معلّی“ بالکل بے غل و غش صرف اللہ ہی کے لئے اور آخرت ہی کے واسطے ہوتی ہے۔ اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے، جو خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں۔ ان میں متعدد ایسے بھی پائے جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقت دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت یہاں اس لئے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں ”عالم“، ”معلم“ اور ”طالب علم“ کے مصداق کے بارے میں مذکورہ بالا غلط فہمی بہت عام ہے، اگرچہ غیر شعوری طور پر ہے۔

حصول علم میں اخلاص کی ضرورت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللَّهِ

وَأَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللَّهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ . (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے علم دین اللہ کی رضا کیلئے نہیں بلکہ غیر اللہ کیلئے (یعنی اپنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لئے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لئے نازل فرمایا کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اس کے بندے اللہ کی رضا کے راستہ پر چلتے ہوئے اس کے دار رحمت جنت تک پہنچ جائیں..... اب جو بد نصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے اور اسی کے واسطے اس کی تحصیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے، اور یہ شدید ترین معصیت ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعُهُ عِلْمُهُ (ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا (یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا) (مسند ابو داؤد)

تشریح..... بعض گناہ ایسے ہیں جن کو بلا تفریق مومن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم اور سخت سزا کا مستوجب سمجھتے ہیں، جیسے ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، قیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی اور ان کی حق تلفی جیسے ظالمانہ گناہ، لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو عام انسانی نگاہ اس طرح شدید سنگین نہیں سمجھتی لیکن اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ ان کبار و فواحش ہی کی طرح یا ان سے بھی زیادہ شدید و سنگین ہیں، شرک و کفر بھی ایسے ہی گناہ ہیں اور علم دین (جو نبوت کی میراث ہے) اس کا بجائے دینی مقاصد کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا علیٰ ہذا اپنی عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا بلکہ اس کے خلاف زندگی گزارنا یہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ پہلی قسم کی معصیوں میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ہوتا ہے، اس لئے اس کو خدا نا آشنا کافر بھی محسوس کرتا اور ظلم و پاپ سمجھتا ہے لیکن دوسری قسم کے گناہوں میں اللہ و رسول اور ان کی ہدایت و شریعت اور اس کے مقدس علم کی حق تلفی اور ان پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے، اس کی سنگینی اور شدت کو وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں، جن کے قلوب اللہ و رسول اور دین و شریعت اور ان کے علم کی عظمت سے آشنا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم دین کو بجائے رضائے الہی اور اجرا خروی کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا، اسی طرح خود اس کے خلاف زندگی گزارنا، شرک و کفر اور نفاق کے قبیل کے گناہ ہیں، اس لئے ان کی سزا وہ ہے جو مندرجہ بالا

حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہے (یعنی جنت کی خوشبو تک سے محروم رہنا اور دوزخ کا عذاب)..... اللہ تعالیٰ حاملین علم دین کو توفیق عطا فرمائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات و تنبیہات ہمیشہ ان کے سامنے رہیں۔

سنت کی اتباع اور بدعت سے احتراز کی تاکید

اس دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی تعلیمات جن کا معروف عنوان ”سنت“ ہے اس دنیا میں ہدایت کا مرکز و سرچشمہ اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت کے قائم مقام ہیں، اور امت کی صلاح و فلاح، ان کی پیروی و پابندی سے وابستہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں امت کو مختلف عنوانات سے ہدایت و آگاہی دی ہے، اور محدثات و بدعات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے، اگلی امتیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ محدثات و بدعات کو اپنا دین بنالیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواه مسلم)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اثنائے خطبہ میں) ارشاد فرمایا کہ..... اما بعد سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہتر طریقہ (اللہ کے رسول) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کر لئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح مسلم میں خطبہ جمعہ کے باب میں متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے۔ روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، بہت مختصر الفاظ میں امت کو وہ ہدایت دے دی گئی ہے جو قیامت تک راہ راست پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے..... اعتقادات، اعمال، اخلاق اور جذبات وغیرہ کے بارے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی ہدایت (امر بالمعروف یا نہی عن المنکر) کی ضرورت ہے یقیناً کتاب اللہ اور سنت نبوی و طریق محمدی اس کے پورے کفیل ہیں، اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ اللہ و رسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا ان کو دین کا رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب و رضائے الہی اور فلاح اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنا لیا جائے۔ دین کے رہزن شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، اگلی امتوں کو اس نے زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا ہے..... مختلف امتوں کے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث اور حضرت مسیح کی ابدیت و ولدیت اور کفارہ کا عقیدہ اور احبار و رہبان کو ”ارباباً من دون اللہ“ بنانے کی گمراہی یہ سب اسی راستہ سے آئی تھیں..... اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں، وہ سب آپ کی امت میں بھی آئیں گی اور انہیں راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں،

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مواعظ و خطبات میں بار بار یہ آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے، صرف وہی حق و ہدایت ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے، اور محدثات و بدعات سے اپنی اور دین کی حفاظت کی جائے۔ بدعت خواہ ظاہری نظر میں کیسی ہی حسین و جمیل معلوم ہو، فی الحقیقت وہ صرف ضلالت و ہلاکت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو بقول حضرت جابر آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار فرماتے تھے، اس کا یہی پیغام ہے اور اس میں یہی آگاہی دی گئی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا آخری جملہ ہے ”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ (ہر بدعت گمراہی ہے) بعض اکابر علماء و شارحین حدیث نے ”بدعت“ کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن و حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے..... پھر انہوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے، مگر دینی لحاظ سے وہ اشد ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء و فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو ”بدعت“ اور ناجائز نہیں قرار دیا ہے، بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر و ثواب سمجھا ہے۔ مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، فصل و وصل اور وقف وغیرہ کی علامات کا لکھنا تا کہ عوام بھی قرآن پاک کی صحیح تلاوت کر سکیں، اسی طرح حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں اور قرآن و حدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ بات بداہتہ غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ان علماء و شارحین حدیث نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ ”بدعت سیئہ“ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے ”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ مطلب یہ ہے کہ ہر ”بدعت سیئہ“ گمراہی ہے اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ ”بدعت حسنہ“ ہے اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی مباح و جائز۔ پس قرآن مجید پر اعراب اور فصل و وصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث و فقہ کی تدوین اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں، اس طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی بدعت حسنہ ہی کے قبیل سے ہے، ناجائز نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ

أَحَدٌ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔ بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان محدثات اور نو ایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہو یا عقائد کے قبیل سے) قابل رد اور مردود قرار دیا گیا ہے، جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان کو امر دینی یعنی رضائے الہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو، نہ اللہ و رسول کی طرف سے صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو، نہ شرعی اجتہاد و استحسان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو..... حدیث کے لفظ ”فِي أَمْرِنَا هَذَا“ اور ”مَا لَيْسَ مِنْهُ“ کا مفاد اور مطلب یہی ہے، پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو امر دینی اور وسیلہ رضائے الہی و ثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا، اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ جیسے نئی قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے لئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا، اسی طرح شادی وغیرہ کی تقریبات کے سلسلہ کے وہ خرافاتی رسوم اور لہو و لعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امر دینی نہیں سمجھتا، ان سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں، ہاں جن رسوم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث کا مصداق، قابل رد اور بدعت ہیں، موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر پھول وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے، اس لئے یہ سب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث ”مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ کا مصداق اور مردود بدعات و محدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار فریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں، یہ عقیدہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت و بخشش سے قطعی محروم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“۔

عَنْ عُرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاهٍ فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً فَرَفَتَ مِنْهَا الْغُيُورُ وَوَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مَوْدِعٌ فَأَوْصِنَا فَقَالَ أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَلَوْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالنُّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ

وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِذَعَةٍ وَكُلُّ بِذَعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواه احمد و ابو داؤد و الترمذی)

حضرت عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہماری طرف رخ فرمایا اور ایسا موثر وعظ فرمایا کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اولوالامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے اور ماننے کی اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم اپنے اوپر لازم کر لینا میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی و پابندی اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور (دین میں) نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لئے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح..... ظاہر ہے کہ یہ حدیث کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں، اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور حیات کا ہے، آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابہ کرام نے اندازہ کیا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، اس بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لئے وصیت فرمائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی سب سے پہلے تقوے کی، یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہر حال اطاعت کی جائے اگرچہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو..... دین میں تقوے کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور مضبوط طور پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو انتشار و افتراق پیدا ہوگا اور انار کی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے) کہ اگر امیر و خلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ و رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق)

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بس اس کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی

حالت میں جب کہ کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اختلاف و افتراق کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا فرما دیا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے، یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب و رفقاء جو آپ کے بعد ۲۵-۳۰ سال بھی زندہ رہے انہوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا..... اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرہویں صدی شروع ہو چلی ہے، امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق و ہدایت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبَعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَاحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ وَإِنْ مَاحَرَّمِ رَسُولُ اللَّهِ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ. (رواه ابو داؤد والدارمی وابن ماجہ)

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو، اس میں جس چیز کو حلال بنایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے، اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال و حرام بس وہی ہے، جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں) (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اور واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی تھی، اس کی دو صورتیں تھیں، ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں اس کو ”وحی متلو“ کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے۔ دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القا اور الہام ہوتا تھا، آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے، اس کو ”وحی غیر متلو“ کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام دینی ہدایات و ارشادات کی حیثیت یہی ہے، الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الہی پر ہے، اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ چیز منکشف فرمادی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں گے جو یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں جو قرآن میں ہیں اور جو قرآن میں نہیں ہے، وہ دینی حکم ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زیر تشریح حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیئے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجت دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی تعلیم اور احکام ہیں، ان کے بارے میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر ان احکام پر عمل ہی نہیں ہو سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہے، مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے، لیکن یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے نکالی جائے، یہی حال اکثر و بیشتر قرآنی احکام کا ہے۔ الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں امت کو خاص طور پر آگاہی دی ہے۔ یہ حدیث اس حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

امت کے لئے عمل کا آسان راستہ

اِنْ اَنْسِ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطٍ اِلَى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَقَالُوهَا فَقَالُوا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا صَوْمُ النَّهَارِ اَبَدًا وَلَا اُفِطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمْ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذَا؟ اَمَّا وَاللّٰهِ اِنِّي لَا اُخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي اَصُومُ وَاُفِطِرُ وَاُصَلِّي وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرامؓ میں سے) تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا ہے؟) جب انکو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دیدی گئی ہے، لہذا آپ کو زیادہ عبادت ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گناہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلا ناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا، نکاح شادی کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح..... جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ہوگا لیکن جب ان کو ازواج مطہرات سے عبادت (نماز، روزے وغیرہ) کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، لیکن ازراہ عقیدت و ادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنے لئے وہ فیصلے کئے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے، اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، دنوں میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں، میری بیویاں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں۔ زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی اور رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں، اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا، فرشتوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے کہ ان کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے، انکے لئے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمد و رفت..... لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لے کر پیدا کئے گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، اور اسی میں کمال ہے، اسی لئے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرت عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطہ نظر غلط اور طریقہ محمدی کے خلاف ہے، جس بنیاد پر ان تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے

تھے۔ غالباً انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرز عمل سے امت کی تعلیم کے لئے تھا، اور یہ کار نبوت کا جز تھا اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا۔ اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟

تو آپ فرماتے ”أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا“ اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے، جس کو ”صوم وصال“ کہا جاتا ہے۔ الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذِهِ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَةِ، فَسَكَّتْ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ ثَكَلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَا تَرَى مَا بَوَّجَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرَ عُمَرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَّالَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَادْرَكَ نُبُوتِي لَا تَبْعَنِي. (رواه الدارمی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا (زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا) شروع کر دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ (حضرت عمرؓ پڑھتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابو بکرؓ نے (جو مجلس میں حاضر تھے، حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور) فرمایا ”ثَكَلَتْكَ الثَّوَاكِلُ“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے۔ اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم (دل و جان سے) راضی ہیں، اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد کو نبی و رسول مان کر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس خداوند عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کر لو تو راہ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے (اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلتے) (مسند داری)

تشریح..... ”نُسْخَةُ مِنَ التَّوْرَةِ“ کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اوراق۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری اور چہرہ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو جملہ فرمایا ”تَكَلُّتُكَ التَّوَاكُلُ“ اس کا لفظی ترجمہ ہے ”رونے والیاں تجھ کو روئیں“۔ جب اظہار ناراضی کے موقع پر جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنی مراد نہیں ہوتے، ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، ہماری اردو زبان میں مائیں اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے ”مو“ کہتی ہیں، (جس کے لفظی معنی ہیں مرا ہوا) مقصد صرف ناراضی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی و ناگواری کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ”خاتم الکتاب“ قرآن مجید ”اور“ خاتم الانبیاء“ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیمی صحیفہ سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے، حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفت الہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیا ہے، اگلی کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین و احکام تھے، جن کی بنی آدم کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں ”مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ“ جو قرآن پاک کی صفت ہے، اس کا مطلب یہی ہے۔ نیز تورات اور دوسرے اگلے صحیفوں کا دور ختم ہو چکا ہے، نزول قرآن اور بعثت محمدی کے بعد نجات اور رضائے الہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف ہے، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آپ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحب تورات موسیٰ علیہ السلام زندہ ہو کر اس دنیا میں تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کو چھوڑ کے ان کی پیروی اختیار کر لو، تو تم راہ یاب نہیں ہو گے بلکہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہو جاؤ گے۔ اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت و رسالت کا یہ دور پاتے تو وہ خود بھی اسی ہدایت الہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس طرح میری اقتداء اور میری پیروی کرتے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لِيَاثِينَ عَلَى أُمَّتِي كَمَا آتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذَوِ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ آتَى أُمَّةً عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفَتَّرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (رواه الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بد بخت ہوا ہوگا جس نے اعلانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو ایسا کرے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے (وہی جنتی ہوگا) صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس راستے پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (جامع ترمذی)

(قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔) تشریح..... اس حدیث میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کے لئے بہت بڑی آگاہی ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر امتی اس کی فکر اور اس کا دھیان رکھے کہ وہ انہی عقائد و نظریات اور اسی مسلک پر قائم رہے جس پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام تھے، نجات اور جنت کی ضمانت انہی کیلئے ہے۔ اس طبقہ نے اپنے لئے ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کا عنوان اختیار کیا ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی رکھنے والے) دوسرے بہتر (۷۲) فرقے جن کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ”کُلُّهُمْ فِي النَّارِ“ ان سب کی تعیین کے ساتھ نشانہ ہی نہیں کی جاسکتی، بہر حال یہ وہ ہیں، جن کا دینی طرز فکر اور اعتقادی مسلک ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ سے اصولی طور پر مختلف ہے، مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے جیسے زید یہ، معتزلہ، جہمیہ اور ہمارے زمانے کے منکرین حدیث اور وہ مبتدعین جن کے عقیدے کا فساد کفر تک نہیں پہنچا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں نے ایسے عقائد اختیار کر لئے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو گئے۔ جیسے قدیم زمانے میں میلہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کو نبی ماننے والے، یا ہمارے زمانے کے قادیانی، سوائسے لوگ ”امت“ کے دائرہ ہی سے نکل گئے اس لئے یہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں شامل نہیں ہیں، یہ بہتر (۷۲) فرقے وہ ہیں جو امت کے دائرہ میں ہیں، مگر انہوں نے ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ کے راستہ سے ہٹ کر اعتقادی مسلک اور دینی طرز فکر اختیار کر لیا لیکن ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار اور کوئی ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام اور امت کے دائرہ ہی سے خارج ہو گئے ہوں۔ ان کے بارے میں جو فرمایا گیا ”کُلُّهُمْ فِي النَّارِ“ ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ (یہ سب جہنم میں جائیں گے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ کے فساد اور گمراہی کی وجہ سے یہ عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ کے مسلک سے وابستگی رکھنے والے تہتویں فرقے کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعتقادی استقامت کی وجہ سے نجات اور جنت کا مستحق ہوگا۔ بہر حال حدیث میں جس ”تفرق“ (فرقوں میں تقسیم ہونے کا) ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا اعمال کی نیکی بدی اور اچھائی برائی سے تعلق ہے، فرقہ بندی کا تعلق عقائد و انکار سے ہوتا ہے۔ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی وجہ سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہونا بھی برحق ہے، لیکن اس حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اصلاح امت کی جدوجہد

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْيَى سُنَّةَ مِنْ سُنَنِي

قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقِصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا. (رواه الترمذی)

حضرت بلال بن الحارث مزنئی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کر دی گئی تھی، (متروک ہو گئی تھی) تو اس شخص کو اجر و ثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر و ثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندہ خدا کی محنت اور جدوجہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوٰۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو اس کا شرعی حق دیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر و ثواب ملے گا۔ اس سب کے مجموعہ کے برابر اس بندے کو عطا ہوگا جس نے ان دینی احکام و اعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جدوجہد کی تھی اور یہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہوگا، ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کر کے دیا جائے۔ اس کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کرے اور دین پر چلے اور اپنے خیالات اور استطاعت کے مطابق دوسروں میں بھی اس کے لئے محنت اور کوشش کرے۔ لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمان کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہو گیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ہے۔ پھر ہمارے ہی زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر و محنت کے اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے رائج کرنے اور رواج میں لانے کے لئے جدوجہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کر دی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو کر پندرہویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کی فکر سے بالکل خالی تھے۔ اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لئے محنت و کوشش کر رہے ہیں، اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ بلاشبہ احیاء سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ ”وَمَا ذَا لِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ“

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ

كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمْ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي. (رواه الترمذی)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین (اسلام) جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کیلئے اجنبی اور کمپرسی کی حالت میں) تھا، پس شادمانی ہو غریب کے لئے اور (غریب سے مراد) وہ لوگ ہیں جو اس فساد اور بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد میری سنت (اور میرے طریقہ) میں لوگ پیدا کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... ہماری اردو زبان میں تو ”غریب“ نادار اور مفلس آدمی کو کہا جانے لگا، لیکن اس لفظ کے اصل معنی ایسے پردیسی کے ہیں جس کا کوئی شناسا اور پرسان حال نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے اسلام پیش کیا تھا تو اس کی تعلیم، اس کے عقائد، اس کے اعمال اور اس کے نظام زندگی لوگوں کے لئے بالکل نامانوس اور اجنبی تھے اور وہ اس وقت ایسے غریب الوطن پر دیسی کی طرح تھا جس کا کوئی جاننے پہچاننے والا اور کوئی اس کی بات پوچھنے والا نہ ہو۔ پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال بدلتی رہی لوگ اس سے مانوس ہوتے رہے اور اس کو اپناتے رہے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ پہلے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اجتماعی طور پر اس کو سینہ سے لگایا، اس کے بعد جلدی ہی قریباً پورے جزیرۃ العرب نے اس کو اپنالیا، پھر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں بگاڑ آیا آپ کی امت میں بھی آئے گا اور اس کی غالب اکثریت گمراہانہ رسوم اور غلط طریقوں کو اپنالے گی اور اصل اسلام جس کی دعوت و تعلیم آپ نے دی تھی، بہت ہی کم لوگوں میں رہ جائے گی اور اپنے ابتدائی دور کی طرح وہ پھر غریب الوطن پر دیسی کی طرح ہو جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امت کو اس انقلاب حال کی اطلاع اور آگاہی دی ہے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے کہ امت کے اس عمومی فساد کے وقت اصل اسلام پر قائم رہنے والے جو وفادار امتی اس فساد و بگاڑ کی اصلاح کی کوشش اور بگڑی ہوئی امت کو اصل اسلام کی طرف لانے کی جدوجہد کریں گے ان کو شاباش اور مبارکباد اس حدیث شریف میں دین کے ایسے وفادار خادموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”غرباء“ کا خطاب دیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی امت کا جو حال ہے، اس پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہے، امت کی غالب اکثریت دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر قبر پرستی جیسے صریح شرک میں مبتلا اور نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کی بھی تارک ہے، دن رات کے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ میں حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جھوٹے مقدمات اور جھوٹی گواہی جیسے موجب لعنت گناہوں سے صرف اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے پرہیز کرنے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں، علماء و درویشوں کی بڑی تعداد میں نفس پرستی اور حب جاہ و مال کی پیدا کی ہوئی وہ ساری خرابیاں دیکھی جاسکتی ہیں جو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان میں پیدا ہو گئی تھیں، اور جن کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی، ایسے فساد عام کے وقت میں جو باتو توفیق بندے اصل اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و سنت سے وابستہ رہیں اور امت کی اصلاح کی فکر و کوشش میں حصہ لیں وہ لشکر محمدی کے وفادار سپاہی ہیں، انہیں کو اس حدیث میں ”غرباء“ کہا گیا ہے (اور زبان نبوت سے ان کو شاباشی اور مبارکباد دی گئی ہے، ”اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْشَرْنَا فِي زُمْرَتِهِمْ“۔

دنیوی معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے کی حیثیت

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الطاعت ہے، خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے، یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے لیکن کبھی کبھی اللہ کے پیغمبر کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں خود رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا ہے کہ وہ امت کے لئے واجب اطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو، اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث کا مدعی یہی ہے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَلِيجٍ قَالَ قَلِمَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَابِرُونَ النَّحْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُونَ؟ قَالُوا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا لَكَانَ خَيْرًا فَمَكَرُوا فَتَرَكَوهُ فَتَنَقَّصْتُ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُلُّوهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ. (رواه مسلم)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہیں؟ (اور کس واسطے کرتے ہیں؟) انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہم پہلے سے کرتے آئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو، تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا، تو پیداوار کم ہوئی، تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں (اپنی فطرت کے لحاظ سے) بس ایک بشر ہوں، جب میں تم کو دین کی لائن کی کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لازم پکڑ لو (اور اس پر عمل کرو) اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کے لئے تم سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں۔ (مسلم)

تشریح..... مدینہ طیبہ کھجور کی پیداوار کا خاص علاقہ تھا (اور اب بھی ایسا ہی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوند کاری کرتے ہیں، جس کو ”تابیر“ کہا جاتا تھا، چونکہ مکہ معظمہ اور اس کے اطراف میں کھجور پیدا نہیں ہوتی اس لئے یہ تابیر کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نئی بات تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس لئے کرتے ہیں؟ وہ اس کی کوئی خاص حکمت اور نافعیت نہیں بتلا سکے، صرف یہ کہا کہ پہلے سے ہی یہ ہوتا رہا ہے، یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دور جاہلیت کی دوسری بہت سی لغو باتوں کی طرح کا ایک فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ شاید اس کو نہ کرو تو بہتر ہو۔ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر اس عمل تابیر کو ترک کر دیا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس فصل میں کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ الْخ“ یعنی میں اپنی ذات سے ایک بشر ہوں، میری ہر بات دینی ہدایت اور وحی کی بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے بھی بات کرتا ہوں تو جب میں نبی و رسول کی حیثیت سے دین کی لائن کی کسی بات کا حکم دوں تو وہ واجب التعمیل ہے اور جب میں کسی دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں تو اس کی حیثیت ایک بشر کی رائے کی ہے، اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور عمل تابیر کے بارے میں جو بات میں نے کہی تھی وہ میرا ذاتی خیال اور میری ذاتی رائے تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب خاصیتیں رکھ دی ہیں، جن کا پورا علم بھی بس اسی کو ہے،

تاہم عمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں بتلایا گیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، آپ باغبانی کے رموز بتلانے کیلئے نہیں آئے تھے، بلکہ عالم انسانی کی ہدایت اور اس کو رضائے الہی اور جنت کا راستہ دکھلانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور اس کیلئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ آپ کو بھرپور عطا فرمایا گیا تھا۔

دین کا سیکھنا اور سکھانا

عن انس قال قال رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ طلب العلم فريضة على كل مسلم.
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم (دین کا) طلب کرنا (یعنی اسکے حاصل کرنیکی کوشش کرنا) ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجہ)
 تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، امیر ہو یا غریب ہو، دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور علم کا یہ مطلب نہیں کہ عربی ہی پڑھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی باتیں سیکھے خواہ عربی کتابیں پڑھ کر خواہ اردو کی کتابیں پڑھ کر، خواہ معتبر عالموں سے زبانی پوچھ کر، خواہ معتبر واعظوں سے وعظ کھلوا کر، اور جو عورتیں خود نہ پڑھ سکیں اور نہ کسی عالم تک پہنچ سکیں، وہ اپنے مردوں کے ذریعہ سے دین کی باتیں عالموں سے پوچھتی رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر (یہ ایک صحابی کا نام ہے) اگر تم کہیں جا کر ایک آیت قرآن کی سیکھ لو یہ تمہارے لیے سو رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم کہیں جا کر ایک مضمون علم (دین) کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا عمل نہ ہو یہ تمہارے لیے ہزار رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے علم دین حاصل کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعضے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ جب عمل نہ ہو سکا تو پوچھنے اور سیکھنے سے کیا فائدہ، یہ غلطی ہے۔

دیکھو اس میں صاف فرمایا ہے کہ خواہ عمل ہو یا نہ ہو دونوں حالت میں یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ اس کی تین وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو گمراہی سے توبہ کی گئی یہ بھی بڑی دولت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی تو عمل کی بھی توفیق ہو جاوے گی۔

تیسری وجہ یہ کہ کسی اور کو بھی بتلا دے گا۔ یہ بھی ضرورت اور ثواب کی بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی کوئی علم (دین کی بات) سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلا دے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دین کی جو بات معلوم ہو کر دوسرے بھائی مسلمانوں کو بھی بتلا دیا کرے، اس کا ثواب تمام خیرات سے زیادہ ہے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ ذرا سی زبان ہلانے میں ہزار روپیہ خیرات کرنے سے بھی زیادہ ثواب مل جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ (التحریم آیت ۶) اس کی تفسیر

میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو بھلائی (یعنی دین) کی باتیں سکھلاؤ۔ (حاکم) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے بیوی بچوں کو دین کی باتیں سکھانا فرض ہے۔ نہیں تو انجام دوزخ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والے کے عمل اور نیکیوں میں سے جو چیز اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو پہنچتی رہتی ہے ان میں یہ چیزیں بھی ہیں ایک علم (دین) جو سکھایا ہو (یعنی کسی کو پڑھایا ہو یا مسئلہ بتلایا ہو) اور اس (علم) کو پھیلایا ہو (مثلاً دین کی کتابیں تصنیف کی ہوں یا ایسی کتابیں خرید کر وقف کی ہوں یا طالب علموں کو دی ہوں یا طالب علموں کو کھانے، کپڑے کی مدد دی ہو جن سے علم دین پھیلے گا اور یہ بھی مدد دے کہ اُس پھیلانے میں ساجھی ہو گیا) دوسرے نیک اولاد جس کو چھوڑ مرا ہو (اور بھی کئی چیزیں فرمائیں)۔ (ابن ماجہ و بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمایا نے کسی اولاد والے نے اپنی اولاد کو کوئی دینے کی چیز ایسی نہیں دی جو اچھے ادب (یعنی علم سے بڑھ کر ہو)۔ (ترمذی و بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص تین بیٹیوں کی یا اسی طرح تین بہنوں کی عیال داری (یعنی ان کی پرورش کی ذمہ داری کرے پھر ان کو ادب (یعنی علم) سکھلا دے اور ان پر مہربانی کرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے فکر کر دے (یعنی اُن کی شادی ہو جاوے جس سے وہ پرورش سے بے فکر ہو جاویں) اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت کو واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے دو کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا دو میں بھی یہی فضیلت ہے۔ ایک شخص نے ایک کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا ایک میں بھی یہی فضیلت ہے۔ (شرح السنہ)

حصول علم کا دستور العمل

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال افضل الصدقة ان

یتعلم المرء المسلم علماً ثم یعلمہ اخاہ المسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی کوئی علم (دین کی بات)

سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلا دے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ان حدیثوں میں اور اسی طرح اور بہت سی حدیثوں میں علم دین اور تعلیم دین یعنی دین کے سیکھنے اور سکھانے کا ثواب اور اس کا فرض ہونا مذکور ہے اصل سیکھنا اور سکھانا تو وہی ہے جس سے آدمی عالم یعنی مولوی بن جاوے مگر ہر شخص کو نہ اتنی ہمت، نہ اتنی فرصت۔ اس لیے میں دین سیکھنے اور سکھانے کے ایسے آسان طریقے بتلاتا ہوں جس سے عام لوگ بھی اس فرض کو ادا کر کے ثواب حاصل کر سکیں، تفصیل ان طریقوں کی یہ ہے۔

۱۔ جو لوگ اُردو حروف پہچان سکتے اور پڑھ سکتے ہیں یا آسانی سے اُردو پڑھنا سیکھ سکتے ہیں وہ تو ایسا کریں کہ اُردو زبان میں جو معتبر کتابیں دین کی ہیں جیسے بہشتی زیور اور بہشتی گوہر اور تعلیم الدین اور قصد السبیل اور تبلیغ دین اور تسہیل المواعظ کے

سلسلہ کے وعظ جتنے مل جاویں ان کتابوں کو کسی اچھے جاننے والے سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور جب تک کوئی ایسا پڑھانے والا نہ ملے ان کتابوں کو خود دیکھتا رہے اور جہاں سمجھ میں نہ آوے یا کچھ شبہ رہے وہاں پنسل وغیرہ سے کچھ نشان کر دے، پھر جب کوئی اچھا جاننے والا مل جاوے اس سے پوچھ لے اور سمجھ لے اور اس طرح جو حاصل ہو وہ مسجد میں یا بیٹھک میں دوسروں کو بھی پڑھ کر سنا دیا کرے اور گھر میں آ کر اپنی عورتوں اور بچوں کو سنا دیا کرے اسی طرح جنہوں نے مسجد یا بیٹھک میں سنا ہے وہ بھی اس کو اپنے دھیان میں چڑھا کر جتنا یاد رہے اپنے گھر والوں میں آ کر گھر والوں کو سنا دیا کریں۔

۲۔ اور جو لوگ اردو نہیں پڑھ سکتے وہ کسی اچھے لکھے پڑھے سمجھ دار آدمی کو اپنے یہاں بلا کر اس سے اسی طرح وہی کتابیں سن لیا کریں اور دین کی باتیں پوچھ لیا کریں، اگر ایسا آدمی ہمیشہ رہنے کے لیے تجویز ہو جاوے تو بہت ہی اچھا ہے اگر اس کو کچھ تنخواہ بھی دینا پڑے تو سب آدمی تھوڑا تھوڑا چندہ کے طور پر جمع کر کے ایسے شخص کو تنخواہ بھی دے دیا کریں۔ دنیا کے بے ضرورت کاموں میں سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں اگر دین کی ضروری بات میں تھوڑا سا خرچ کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر ایسا آدمی جو تم کو دین کی باتیں بتلاوے اور ایسی کتابیں اپنی عقل سے تجویز مت کرنا بلکہ کسی اچھے اللہ والے عالم سے صلاح لے کر تجویز کرنا۔

۳۔ ایک کام یہ پابندی سے کریں کہ جب کوئی کام دنیا کا یا دین کا کرنا ہو جس کا اچھا یا بُرا ہونا شروع سے نہ معلوم ہو اس کو دھیان کر کے کسی اللہ والے عالم سے ضرور پوچھ لیا کریں اور وہ جو بتلاوے اس کو خوب یاد رکھیں اور دوسرے مردوں اور عورتوں کو بھی بتلا دیا کریں اور اگر ایسے عالم کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو تو اس کے پاس خط بھیج کر پوچھ لیا کریں اور جواب کے واسطے ایک لفافہ پر اپنا پتہ لکھ کر یا لکھوا کر اپنے خط کے اندر رکھ دیا کریں کہ اس طرح سے جواب دینا اس عالم کو آسان ہوگا اور جلدی آوے گا۔

۴۔ ایک اس بات کی پابندی رکھیں کہ کبھی کبھی اللہ والے عالموں سے ملتے رہیں، اگر ارادہ کر کے جاویں تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر اتنی فرصت نہ ہو اور ایسا عالم پاس بھی نہ ہو جیسے گاؤں والے ایک طرف پڑے رہتے ہیں تو جب کبھی شہروں میں کسی کام کو جانا ہو اور وہاں ایسا عالم موجود ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس جا کر بیٹھ جایا کریں اور کوئی بات یاد آ جائے تو پوچھ لیا کریں۔

۵۔ ایک کام ضروری سمجھ کر یہ کیا کریں کہ کبھی کبھی مہینہ دو مہینہ میں کسی عالم کی صلاح سے کسی وعظ کہنے والے کو گاؤں یا اپنے محلہ میں بلا کر اس کا وعظ سنا کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دل میں پیدا ہو کہ اس سے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ مختصر بیان ہے دین سیکھنے کے طریقوں کا اور طریقے بھی کیسے! بہت آسان، اگر پابندی سے ان طریقوں کو جاری رکھیں گے تو دین کی ضروری باتیں بے محنت حاصل ہو جاویں گی اور اس کے ساتھ ہی دو باتوں کا اور خیال رکھیں کہ وہ بطور پرہیز کے ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے اور گمراہوں کے جلسوں میں ہرگز نہ جاویں۔ اول تو کفر کی اور گمراہی کی باتیں کان میں پڑنے سے دل میں اندھیرا پیدا ہوتا ہے دوسرے بعض دفعہ ایمان کے جوش میں ایسی باتوں پر غصہ آ جاتا ہے۔ پھر اگر غصہ ظاہر کیا تو بعض دفعہ فساد ہو جاتا ہے، بعض دفعہ اس فساد سے دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے، بعض دفعہ مقدمہ کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، سب میں وقت بھی خرچ ہوتا ہے اور روپیہ بھی، یہ سب باتیں پریشانی کی ہیں اور اگر غصہ ظاہر نہ کر سکے تو دل ہی دل میں گھٹن اور رنج پیدا ہوتا ہے خواہ مخواہ بیٹھے بٹھلائے غم خریدنا کیا فائدہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی سے بحث مباحثہ نہ کریں کہ اس میں

بھی اکثر ویسی ہی خرابیاں ہو جاتی ہیں جن کا ابھی بیان ہوا اور ایک بڑی خرابی ان دونوں باتوں میں اور ہے جو سب خرابیوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ یہ کہ ایسے جلسوں میں جانے سے یا بحث کرنے سے کوئی بات کفر کی اور گمراہی کی ایسی کان میں پڑ جاتی ہے جس سے خود بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے پاس اتنا علم نہیں جو اس شبہ کو دل سے دُور کر سکے تو ایسا کام کیوں کرے جس سے اتنا بڑا نقصان ہونے کا ڈر ہو اور اگر کوئی خواہ مخواہ بحث چھیڑنے لگے تو سختی سے کہہ دو کہ ہم سے ایسی باتیں مت کرو، اگر تم کو پوچھنا ہی ضروری ہو تو عالموں کے پاس جاؤ اگر ان سب باتوں کا خیال رکھو گے تو دوا اور پرہیز کو جمع کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ دین کے تندرست رہو گے کبھی دین کی بیماری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

قرآن مجید کا پڑھنا اور پڑھانا

عن عثمان قال قال رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَحَلَمَهُ.
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سب میں اچھا وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلاوے۔ (بخاری)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جا کر کلام اللہ شریف کی دو آیتیں کیوں نہ سیکھ لے یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں (کے ملنے) سے زیادہ بہتر ہے اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے زیادہ بہتر ہیں اور ان کی گنتی کے جتنے اونٹ ہوں ان سب سے وہ آیتیں بہتر ہیں۔ (مسلم)
فائدہ: جس کی وجہ ظاہر ہے کہ اونٹ تو دنیا ہی میں کام آتے ہیں اور آیتیں دونوں جہان میں کام آتی ہیں اور اونٹ کا نام مثال کے طور پر لیا گیا کیونکہ عرب اونٹوں کو بہت چاہتے تھے ورنہ ایک آیت کے مقابلہ میں بھی ساری دنیا کی کوئی حقیقت نہیں (مرقاۃ) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پورا قرآن بھی نہ پڑھا ہو توڑا ہی پڑھا ہو اس کو بھی بڑی نعمت حاصل ہوگی۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا قرآن خوب صاف ہو وہ (درجہ میں) فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو بندوں کے اعمال نامے لکھنے والے اور عزت والے اور پاکی والے ہیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وہ اس کو مشکل لگتا اس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: دو ثواب اس طرح سے کہ ایک ثواب پڑھنے کا اور ایک ثواب اس محنت کا کہ اچھی طرح چلتا نہیں مگر تکلیف اٹھا کر پڑھتا ہے۔ اس حدیث میں کتنی بڑی تسلی ہے اس شخص کے لیے جس کو قرآن اچھی طرح یاد نہیں ہوتا وہ تنگ ہو کر اور نا اُمید ہو کر یہ سمجھ کر چھوڑ نہ دے کہ جب یاد ہی نہیں ہوتا تو پڑھنے ہی سے کیا فائدہ؟ آپ نے خوشخبری دے دی کہ ایسے شخص کو دو ثواب ملیں گے۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے سینہ میں کچھ بھی قرآن نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے اُجاڑ گھر۔ (ترمذی و دارقطنی)
فائدہ: اس میں تاکید ہے کہ کوئی مسلمان قرآن سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کلام اللہ میں سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہوتی ہے (تو اس حساب سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں) اور میں یوں نہیں کہتا الم ایک

حرف ہے بلکہ اس میں الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی و دارمی)

فائدہ: یہ ایک مثال ہے اسی طرح جب پڑھنے والے نے الحمد کہا تو اس میں پانچ حرف ہیں تو اس پر پچاس نیکیاں ملیں گی۔ اللہ اکبر کتنی بڑی فضیلت ہے۔ پس ایسے شخص کی حالت پر افسوس ہے کہ ذرا سی کم ہمتی کر کے اتنی بڑی دولت حاصل نہ کرے۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس کے حکموں پر عمل کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی اس روشنی سے بھی زیادہ خوب صورت ہوگی جو دنیا کے گھروں میں اس حالت میں ہو کہ آفتاب تم لوگوں میں آ جاوے (یعنی اگر آفتاب تمہارے پاس آ جاوے تو اس وقت گھروں میں کتنی روشنی ہو جاوے۔ اس روشنی سے بھی زیادہ روشنی اس تاج کی ہوگی) سو اس شخص کی نسبت تمہارا کیا خیال ہوگا جس نے خود یہ کام کیا ہے (یعنی قرآن پڑھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے اس کا کیا کچھ مرتبہ ہوگا!)۔ (احمد و ابوداؤد)

فائدہ: اس حدیث میں اولاد کے قرآن پڑھنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے سو سب مسلمانوں کو چاہیے کہ اولاد کو ضرور قرآن پڑھائیں اور لڑکوں کو بھی اگر کاروبار میں پورا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا پڑھا سکو جیسا حدیث نمبر ۲ میں معلوم ہوا اور اگر حفظ نہ کر سکو تو ناظرہ ہی پڑھاؤ اور اگر حفظ کرانے کی توفیق ہو تو سبحان اللہ اس کی اور بھی فضیلت ہے جیسا ابھی اس کی حدیث لکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن پڑھے اور اس کو حفظ کرے اور اس کے حلال کو حلال جانے اور اس کے حرام کو حرام جانے (یعنی عقیدہ اس کے خلاف نہ رکھے جیسے اوپر والی حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس پر عقیدہ رکھنے کو فرمایا) تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کی سفارش (بخشش کے لیے) اس کے گھر والوں میں ایسے دس شخصوں کے حق میں قبول فرماوے گا کہ ان سب کے لیے دوزخ لازم ہو چکی تھی۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی)

فائدہ: اس حدیث میں حفظ کرنے کی فضیلت پہلے سے بھی زیادہ ہے، اور ظاہر ہے کہ گھر والوں میں سب سے زیادہ قریب کے علاقہ والے ماں باپ ہیں تو یہ سفارش بخشش کی ماں باپ کیلئے یقینی ہے، تو اس سے اپنی اولاد کو حافظ بنانے کی فضیلت کس درجہ کی ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دلوں کو بھی (کبھی) زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی پہنچ جاتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون چیز ہے جس سے دلوں کی صفائی ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا موت کا دھیان رکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا۔ (بیہقی شعب الایمان)

تلاوت قرآن کا اجر و ثواب

عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ونحن نقرأ

القرآن وفيما الاعرابي والعجمي فقال اقرءوا فكل حسن

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ بھی تھے اور ایسے بھی تھے جو عرب نہ تھے (مطلب یہ کہ ایسے لوگ بھی تھے جو

بہت اچھا قرآن نہ پڑھ سکتے تھے، کیونکہ دیہاتیوں کی تعلیم کم ہوتی ہے، اور جو عرب نہیں ان کی زبان عربی پڑھنے میں زیادہ صاف نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا پڑھتے رہو سب اچھے ہیں (یعنی اگر بہت اچھا نہ پڑھ سکو تو دل تھوڑا نہ کرو اور اچھا پڑھنے والے ان کو حقیر نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے) (ابوداؤد و ترمذی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خیال نہ کرے کہ ہماری زبان صاف نہیں یا ہماری عمر زیادہ ہو گئی اب اچھا نہ پڑھا جاوے گا تو ہم کو ثواب کیا ملے گا یا شاید گناہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کی کیسی تسلی فرمادی اور سب کو پڑھنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن کی ایک آیت سننے کے لیے بھی کان لگاوے اس کے لیے ایسی نیکی لکھی جاتی ہے جو بڑھتی چلی جاتی ہے (اس بڑھنے کی کوئی حد نہیں بتلائی، اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ بڑھنے کی کوئی حد نہ ہوگی، بے انتہائی بڑھتی چلی جاوے گی) اور جو شخص اس آیت کو پڑھے وہ آیت اس شخص کے لیے قیامت کے دن ایک نور ہوگا (جو اس نیکی کے بڑھنے سے بھی زیادہ ہے) (احمد)

فائدہ: اللہ اکبر قرآن مجید کیسی بڑی چیز ہے کہ جب تک قرآن پڑھنا نہ آوے کسی پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سن ہی لیا کرے وہ بھی ثواب سے مالا مال ہو جاوے گا، اللہ کے بندویہ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آوے گا اور ان کو بخشواوے گا۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آوے گا۔ قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار! اس کو جوڑا پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جاوے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اور زیادہ پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جاوے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اس سے خوش ہو جائیے، پس اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے گا۔ پھر اس سے کہا جاوے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور درجوں پر چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جاوے گی۔ (ترمذی و ابن ماجہ و ترمذی و ابن ماجہ)

فائدہ: اس پڑھنے اور چڑھنے کی تفصیل ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ جس طرح سنبھال سنبھال کر دنیا میں پڑھتا تھا اس

طرح پڑھتا ہوا اور چڑھتا ہوا چلا جا جو آیت پڑھنے میں اخیر ہوگی وہاں ہی تیرے رہنے کا گھر ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و ابن حبان)

فائدہ: مسلمانو! ان حدیثوں میں غور کرو اور قرآن مجید حاصل کرنے میں اور اولاد کو پڑھانے میں کوشش کرو۔ اگر پورا قرآن پڑھنے یا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا ہو سکے اسی کی ہمت کرو۔ اگر اچھی طرح یاد نہ ہوتا ہو یا صاف اور صحیح نہ ہوتا ہو گھبراؤ مت، اس میں لگے رہو۔ اس طرح سے پڑھنے میں بھی ثواب ملتا ہے، اگر حفظ نہ کر سکو ناظرہ ہی پڑھو پڑھاؤ اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اگر پورا قرآن حاصل کرنے کی فرصت نہیں یا ہمت نہیں کسی پورا قرآن پڑھنے والے کے پاس بیٹھ کر سن ہی لیا کرو۔ ان سب باتوں کا ثواب اوپر حدیثوں میں پڑھ چکے ہو اور موٹی بات ہے کہ جو کام ضروری ہوتا ہے اور ثواب کا ہوتا ہے اُس کا سامان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس میں بھی ثواب ملتا ہے پس اس قاعدہ سے قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا سامان کرنا بھی ضروری ہوگا اور اس میں بے بسی ملے گا اور سامان اس کا یہی ہے کہ ہر جگہ کے مسلمان مل کر قرآن کے مکتب قائم کریں اور

بچوں کو قرآن پڑھوائیں اور بڑی عمر کے آدمی بھی اپنے کاموں میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا قرآن سیکھا کریں اور جو پڑھانے والا مفت نہ ملے سب مل کر اس کو گزارہ کے موافق کچھ تنخواہ دیا کریں۔ اسی طرح جو بچے اپنے گھر سے غریب ہوں اور اس لیے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکیں ان کے کھانے پٹرے کا بندوبست کر دیا کریں کہ وہ اطمینان سے قرآن مجید ختم کر سکیں اور جو لڑکے جتنا قرآن پڑھتے جائیں اپنے گھر جا کر عورتوں اور لڑکیوں کو بھی پڑھا دیا کریں۔ اس طرح سے گھر کے سب مرد اور عورت قرآن پڑھ لیں گے۔ اگر کوئی سیپارہ میں نہ پڑھ سکے وہ زبانی ہی کچھ سورتیں یاد کر لے اور قرآن کے کچھ اور حقوق بھی ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص جتنا پڑھ لے خواہ پورا خواہ تھوڑا وہ اس کو ہمیشہ پڑھتا رہا کرے تاکہ یاد رہے۔ اگر یاد نہ رکھا تو پڑھا بے پڑھا سب یکساں ہو گیا۔ دوسرا یہ کہ اگر کسی کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا بھی شوق ہو تو بطور خود ترجمہ نہ دیکھے کہ اس میں غلط سمجھ جانے کا قوی اندیشہ ہے، کسی عالم سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور تیسرا یہ کہ قرآن مجید کا بہت ادب کرنا چاہیے۔ اس کی طرف پاؤں نہ کرو۔ ادھر پیٹھ نہ کرو۔ اس سے اونچی جگہ پر مت بیٹھو۔ اس کو زمین یا فرش پر مت رکھو بلکہ رطل یا تکیہ پر رکھو۔ چوتھا یہ کہ اگر وہ پھٹ جائے کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑے۔ دفن کر دو۔ پانچواں یہ کہ جب قرآن پڑھا کرو یہ دھیان رکھا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں پھر دیکھنا دل پر کیسی روشنی ہوتی ہے؟ (حیات السالین)

حسن نیت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا قَطَعْنَا وَادِيًا وَلَا وَطِنًا مَوْطِنًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا أَنْفَقْنَا نَفَقَةً وَلَا أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ إِلَّا شَرَكُوا نَا فِي ذَلِكَ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ فَقِيلَ لَهُ كَيْفَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ حَسَبَهُمُ الْعُذْرُ فَشَرَكُوا بِحَسَنِ النِّيَّةِ .

مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں (کہ اس غزوہ تبوک کے موقع پر) ہم نے جو وادی بھی سفر میں طے کی یا جس ایسے مقام سے گزرے جہاں سے ہمارا گزر جانا جو کافروں کو مشتعل کر دیتا ہو اور ہم نے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا یا جب کبھی ہم فاقہ اور بھوک میں مبتلا ہوئے، ان میں سے ہر بات میں وہ لوگ مدینہ میں رہتے ہوئے ہمارے شریک رہے ہیں۔ اس بات کو سن کر آپ سے کہا گیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھلا یہ کیسے ہوا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ انہیں عذر نے ہمارے ساتھ سفر نہ کرنے دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے انکی حسن نیت پر انہیں ہمارے ساتھ اجر و ثواب میں شریک کر دیا۔ (بخاری و ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتاں اور پہیلی کے انداز میں ان بے سرو سامان اور معذور مگر مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے اپنے مختلف اعذار کی وجہ سے دلی خواہش رکھنے کے باوجود غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور مدینہ ہی میں رہ گئے تھے اور دوسرے حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موسم کی گرمی و شدت، راستے کی تکلیف و صعوبت، بھوک اور فاقہ برداشت کرتے ہوئے غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ میں رہ جانے والے یہ معذور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے حسن نیت اور دلی خواہش کی بدولت ہمارے ساتھ اجر و ثواب میں

شریک مانے گئے ہیں۔ انہیں بھی ہمارے ساتھ اجر و ثواب ملے گا۔ کیونکہ یہ معذور تھے۔ کسی کے پاس سواری نہ تھی، کسی کے پاس زاد راہ نہ تھا، کوئی مریض تھا۔ مگر دل میں سب کے خواہش جہاد موجود تھی اجر و ثواب کے حقدار ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کا یہ ارشاد سن کر تعجب ہوا تو آپ نے پوری بات سمجھا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی ارادے اور حسن نیت سے واقف ہیں، ان کی نیت کو دیکھتے ہوئے اجر و ثواب میں شریک کر دیا۔

علم حاصل کرنے کا مقصد

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ .

جس شخص نے ایسا کوئی علم حاصل کیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے مگر اس شخص کی غرض تعلیم یہ ہے کہ اس کے ذریعہ صرف دنیا ہی کمائے گا تو یہ شخص روز قیامت جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و خوشنودی والا علم صرف قرآن و سنت کا علم ہے کیونکہ کتاب و سنت ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اسی علم سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مطلوب باتوں اور کاموں کا علم ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کے نزدیک ناپسند، مکروہ و حرام باتوں سے واقفیت و باخبری ہوتی ہے۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان باتوں سے واقفیت کیلئے جس طرح کتاب و سنت کا علم ضروری ہے اسی طرح ان علوم کی طلب و تحصیل بھی ضروری ہوگی جو کتاب و سنت کا علم حاصل کرنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان اور اس کی لغات کا علم اور اس سے متعلق دوسرے علوم و فنون (صرف و نحو، معانی و بیان اور بدیع وغیرہ) اور دین و شریعت میں آئی ہوئی تمام تفصیلات اور مختلف متعارض احکام میں طریقہ تطبیق سے واقفیت بھی ضروری قرار پائے گی۔

حدیث زید درس کی رو سے یہ جملہ علوم و فنون اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے حاصل کئے جانے چاہئیں۔

اب اگر کوئی شخص ان خالص دینی علوم کو تحصیل دنیا اور کسب مال و زر کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ اسی وجہ سے دینی علوم کے طالب کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ ان علوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے حاصل کرے یہ دینی علوم تحصیل دنیا کے لئے ہرگز حاصل نہ کرے۔ ہاں اگر کوئی شخص دنیاوی علوم (مثلاً علوم ہندسہ (جامیٹری) علم طب (ڈاکٹری) علم کیمیا (کیمسٹری) اور کسی قسم کی صنعت و حرفت کو بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے اور مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی نیت سے حاصل کرتا ہے (جو اس وقت جبکہ مادیت کا غلبہ ہے بہت ہی نادر ہے) تو یہ شخص بھی ان دنیاوی علوم کی طلب میں مستحق اجر و ثواب ٹھہرے گا۔

عمر جوانی، مال اور علم کا سوال

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ تَزُولَ قَلْعًا عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُسْئَلَ عَنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ

عَنْ عُمَرِہ فِيمَا أَقْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِہ فِيمَ اَبْلَاہُ وَ عَنْ مَالِہ مِنْ اَیْنِ اِکْتَسَبَہُ وَ فِیْمَ اَنْفَقَہُ وَ عَنْ عِلْمِہ مَاذَا عَمِلَ فِیہِ .

قیامت کے دن کسی بھی بندے کے قدم اپنی جگہ سے نہ اٹھیں گے جب تک کہ اس سے ان چار باتوں کا سوال نہ ہو جائے۔ اس کی عمر سے متعلق سوال ہوگا کہ عمر کن کاموں میں صرف کی؟ اس کی جوانی سے متعلق سوال ہوگا کہ جوانی کن باتوں میں گزاری؟ اس کے مال سے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اس کے علم کے بارے میں سوال ہوگا کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ (بزرگوارانی)

تشریح: حدیث شریف کے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب تک ان سوالوں کے جوابات نہ دے گا وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر جنت یا دوزخ میں نہ جائے گا۔ بندے سے یہ سوالات اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ انسان کی عمر سے متعلق سوال ہو جانے کے بعد اس کی جوانی سے متعلق سوال کیوں ہوگا؟ جبکہ جوانی بھی عمر ہی کا ایک حصہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور ذکر الخالص بعد العام لایا گیا ہے۔ جوانی چونکہ قوت و طاقت اور جدوجہد کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص زمانہ شباب میں سدھرا اور سنبھلا رہا تو غالب گمان یہی کیا جائے گا کہ وہ اسی صلاح پر مستقیم بھی رہا ہوگا۔ اور اگر کوئی جوانی ہی میں بگڑ گیا تو عام طور پر اس کا سدھار مشکل ہو جاتا ہے۔

مال سے متعلق صرف اس کی آمد و خرچ کا سوال نہ ہوگا بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کس ذریعہ سے آیا تھا؟ وہ ذریعہ جائز اور مشروع تھا یا ناجائز ذریعہ تھا؟ پھر خرچ کا سوال ہوگا کہ وہ مال کن مصارف میں خرچ کیا۔ اگر آمدنی بھی جائز تھی اور خرچ بھی شریعت کی حدود میں کیا تو نجات پا گیا ورنہ ہلاک ہو گیا۔

آخری سوال علم پر عمل سے متعلق ہوگا کہ جو علم حاصل کیا تھا اس پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں؟ اگر علم پر عمل کیا تھا تو کامیاب ہو جائے گا ورنہ ناکام ہوگا۔ علم پر عمل کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم دوسروں تک پہنچائے بھی اور کوشش کرے کہ وہ بھی عمل کریں۔



کتابُ الْإِيمَان

ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر

کامل ایمان کی تعریف

شریعت میں ایمان و اسلام صفت انقیاد و اطاعت کی اس آخری منزل کا نام ہے جس کے بعد اوامر الہیہ اور منہیات شریعیہ کے قبول کرنے سے قلب میں کوئی انحراف باقی نہ رہے۔ مخبر صادق پر وہ اعتماد حاصل ہو جائے کہ پھر دل کی تمام خوش حالی اور روح کا کامل سرور اس کی تصدیق میں منحصر نظر آنے لگے۔ گویا جذبہ وفاداری طلب دلائل کی مہلت نہ لینے دے۔ راہ حق میں ہر نئی قربانی ایک نئی لذت ہو اور ایک ادنیٰ نافرمانی وہ تلخ گھونٹ ہو جائے جو گلے سے اتارے نہ اترے۔

ایمان بالغیب ایمان کی سب سے بڑی صفت ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِي يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ. (بقرہ: ۳۰۲)

(یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے (اللہ) سے ڈرنے والوں کو جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا۔ اس آیت میں ان ہی سرفروشوں کی سرمستی کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ جماعت ہے جو محض جذبہ انقیاد میں دیکھی اور ان دیکھی باتوں کی یکساں تصدیق کر چکی ہے۔ آنکھ اگر دیکھتی اور تصدیق کرتی ہے، کان اگر سنتے اور مان لیتے ہیں تو یہ ان کا فطری اقتضاء ہونا چاہیے لیکن آنکھیں اگر نہیں دیکھتیں، کان اگر نہیں سنتے پھر ان آنکھوں اور کانوں کے اعتماد پر جن کی صداقت پر سارا جہان قربان اعتماد کر لیتے ہیں تو پھر بلاشبہ یہ ان کے ایثار و انقیاد کی آخری دلیل ہوگی، یہی وثوق اور اعتماد ایمان کی روح ہے۔

دلائل کی حقیقت اور اس کا وزن

دلائل کی روشنی بھی کوئی روشنی ہے جو ایک قدم پر اگر چمکتی ہے تو دوسرے ہی قدم پر گل ہو جاتی ہے۔ اگر نبی صاحب وحی ہے اور جو کہتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے تو اس کے اعتماد پر اس کے تمام دین کو تسلیم کر لینا ایک اقتضاء طبعی ہونا چاہیے۔ کسی حقیقت کے مسلم ہو جانے کے بعد بھی دلائل کی تلاش، روشن خیالی نہیں بلکہ ایک مختصر راہ کو اور طویل کر دینا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لانے کے بعد دعوت مناظرہ کے بجائے شروع سے عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر مدار صرف دلائل پر ہو تو دلائل کبھی کبھی ہر دو طرف پیدا ہو جاتے ہیں ماسوا اس کے مطالب کی نزاکت کبھی دلائل کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے۔ پھر

مذاق کا تفاوت سمجھ اور فہم کا اختلاف، اس پر وہم انسانی کی مزاحمت، یہ سب وہ موانع ہیں جو اگر نفس تصدیق کے لیے نہ سہی مگر کم از کم عمل کے لیے تو یقیناً سدا رہ بن جاتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے صرف اطاعت و انقیاد ہی کی ایک راہ بتلائی ہے۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (الحشر: ۷)

جو کچھ رسول تمہارے پاس لے کر آئے اس کو اختیار کر لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

دلائل کا وسیع دائرہ بھی کچھ دور جا کر آخر اسی صفت انقیاد پر ختم ہو جاتا ہے ورنہ ایک مقصد کے حصول کے لیے مقدمات کی اتنی بے شمار کڑیاں درکار ہوں گی کہ اگر سب کا طے کرنا ضروری ٹھہرے تو پھر تمام عمر میں ایک مقصد کا حصول بھی خواب و خیال سمجھ لینا چاہئے۔ بہ نظر انصاف ایک تجربہ کار محقق کا قول خود ایسی محکم دلیل ہوتی ہے جو تنہا ہزار دلائل کا وزن اپنے اندر رکھتی ہے۔ آج بھی ہم اپنے دلائل و براہین کا سلسلہ آخر میں یورپ کے فلاسفروں کی تھیوریوں پر جا کر ختم کر دیتے ہیں اور صرف ان کے اسماء کا حوالہ دے دینا دلائل کی وہ معراج تصور کرتے ہیں جس کے بعد تمام دلائل سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ یہ تھیوریاں بے دلیل مسلم ہونے کے قابل ہیں بلکہ اس کی تہ میں یہ علم یقین پہلے حاصل ہوتا ہے کہ یہ تھیوریاں ان فلاسفروں کے نزدیک چونکہ اپنے دلائل سے ثابت شدہ ہیں لہذا ان دلائل کا تلاش کرنا اور پھر ان کا دوہرا محض ایک مسافت کا طویل کرنا ہو جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے علوم کا مرتبہ

ٹھیک اسی پر علوم انبیاء کو قیاس کر لینا چاہیے۔ اگرچہ ”چہ نسبت خاک را با عالم پاک“ ان کے علوم بھی اپنی جگہ ایسے دلائل سے ثابت شدہ ہوتے ہیں جہاں باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی بلکہ وہ علم یقین کے اس مقام پر جا پہنچتے ہیں جس کے بعد ان کا لقب برہان مجسم ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا. (النساء: ۷۳)

اے لوگو! پہنچ چکی ہے تمہارے پاس ایک سند تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری۔

بندہ کا کمال تفویض و تسلیم ہے

اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علوم ان کے اعتماد پر تسلیم کر لینا صرف تقلید ہی نہیں بلکہ مجسم ایک برہان اور حجت بینہ کی تقلید ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کی تمام قیمت بندہ کی صرف یہ اداء ہے کہ وہ رسول وقت کے سامنے اپنی ساری لن ترانیاں ختم کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ اس کی ایک زبردست قربانی ہے جسے وہ اپنے ضعیف و ناتواں ہاتھوں سے اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ انسان کی بے صبر فطرت اپنی جیسی مخلوق کو ایسے مقام پر کبھی دیکھنا پسند نہیں کرتی، جہاں بے دلیل سرنگوں ہو جانا تمام انسانوں کے لیے وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہو جائے (یعنی رسول) وہ خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کی اطاعت اپنا فرض تصور کر سکتا ہے۔ اسی لیے مشرکین عرب میں بھی تمام جہالتوں کے باوجود ایک جماعت خدا پرست تھی اور بزم خود تو حید کا انکار نہ کرتی تھی۔

إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ. (الصفت: ۳۵)

(اور) جب کہا جائے ان سے کہ سوائے اللہ کے کوئی (اور) معبود نہیں تو غرور کرنے لگتے ہیں۔

یہاں لفظ یححدون اسی لیے ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ اس دعوت سے انہیں انکار نہ تھا البتہ مسلمانوں کی آواز پر ان کا ہم آہنگ ہو جانا ان کے نزدیک اپنی بڑائی کے خلاف تھا۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ کا امر فرمانے کا فلسفہ

عالم کا سب سے پہلا شقی یعنی ابلیس خالق السموات والارضین کی عبادت سے کبھی منکر نہیں ہوا لیکن مشیت ایزدی نے اس کے دعوائے انقیاد کا جب امتحان لیا تو اپنی عبادت کا امر فرما کر نہیں لیا بلکہ ایک مشیت خاک کے سامنے سر جھکانے کا امر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ سر جھکا دینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ہاں دشواری تھی تو یہ تھی کہ ایک ضعیف ہستی کے سامنے سر جھکانا جو مخلوق ہونے میں اس کی برابر کی شریک ہو، اس کی آواز فطرت کے برخلاف اور بظاہر ایک بے دلیل بات تھی۔ اس سے رہانہ گیا اور:

أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ. (الاعراف: ۱۲)

میں بہتر ہوں اس سے (کیونکہ) مجھ کو بنایا ہے تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔

شیطان کے معارضہ کی حقیقت

کانعرہ لگا بیٹھا دلائل کی پیروی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ہوا، اس کا پوشیدہ کبر اور طبعی انحراف پھوٹا اور آخر وہ تسلیم و رضا کی اس منزل میں چل کر نا کام رہ گیا۔ جہاں خیر و شر کا سوال ہی باقی نہیں رہتا اور چون و چرا کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

طبعی انحراف و علوم کا خاصہ

طبیعت کے انحراف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تلاش حق کی تمام توفیق سلب کر دیتا ہے اور وہ نشہ پیدا کر دیتا ہے جس کے بعد اپنی ہوا، نفس کے سامنے دلائل و براہین کی کچھ پار نہیں بستی۔ اطراف و جوانب سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور اس بے شعوری کے عالم میں جو فیصلہ اپنے خیال میں آ جاتا ہے وہ آخری فیصلہ نظر آنے لگتا ہے۔

فضیلت کے لیے صرف مادہ کا شرف کافی نہیں ہے

ابلیس نے صرف عنصر آتش کے شرف پر نظر کی یہ اس کا قصور نظر تھا۔ عنصر خاک کو ضعیف ترین عنصر سمجھا مگر کیا ہو نہیں سکتا تھا کہ اس میں بھی کوئی جہت ایسی پیدا ہو جائے جو اسے قوی و برتر عنصر سے بھی افضل بنا دے، اگر ابلیس انسان کی صورت کی طرف بھی نظر کر لیتا تو اپنے مادہ کا شرف اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ عنصر آتش ہزار اشرف سہی مگر یہاں صورت ایک حرف کن ((۱)) نے عطا کی تھی۔ عنصر خاک پر جو نقش و نگار نظر آئے وہ نقاش ازل کے خود اپنے دست قدرت کا بلا واسطہ کمال تھا۔

(عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما خلق اللہ ادم و ذریئہ قالت الملائکۃ یا رب خلقہم

یا کُلُون ویشربون وینکحون ویرکبون فاجعل لهم الدنیا ولنا الاخرة قال الله تعالى لا اجعل من خلقته بیدی ونفخت فيه من روحي کمن قلت له کن فکان. (شعب الایمان مشکوٰۃ شریف) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدَم اور ان کی ذریت کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار تو نے ان کو ایسا بنایا ہے کہ یہ کھاتے پیتے، نکاح کرتے اور سوار ہوتے ہیں (ہم ان باتوں سے محروم ہیں) اس لیے دنیا ان کے حصہ میں لگا دے اور آخرت ہمارے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح ڈالی ہے اس کو ان کے برابر نہیں کروں گا جن کو میں نے حرف کن سے بنایا ہے)

لما خلقت بیدی کی لطیف تفسیر اور شیطان کے معارضہ کا جواب

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي اسْتَغْبَرْتُ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ. (ص: ۷۵)

فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ سجدہ کرتا اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا تو نے غرور کیا تو درجہ میں بڑا تھا۔

مناظرۃ ابلیس میں نسل انسانی کے لئے ایک عظیم موعظہ

نصب خلافت سے پہلے ہی یہ سب تمام نسل انسانی کو دے دیا گیا تھا کہ اسے بھی اپنی اطاعت و انقیاد کا امتحان دینا ہوگا اور کامیابی صرف اس صورت میں متصور ہوگی جب کہ خدائے رب العزت کی رضا جوئی میں اس کے رسولوں کے لیے بھی بے دلیل وہی جذبہ اطاعت پیدا ہو جائے جو خود اس کے لیے موجزن ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ رسولوں کی باتوں پر بے دلیل یقین کر لینا کیوں رکن ایمان قرار دیا گیا ہے۔

انصار کی محبت علامت ایمان کیوں ہے؟

حدیث شریف میں انصار کی محبت کو علامات ایمان میں اسی لیے شمار کیا ہے کہ رسول اور اس کے کنبہ و قبیلہ یا ہم وطن کی محبت ہر مسلمان میں طبعی طور پر بھی ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے مگر انصار کی محبت جو نہ اس کا ہم قبیلہ تھے، نہ ہم وطن، اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس لیے کہ انہوں نے رسول کی ایسے آڑے وقت اعانت کی تھی جب کہ اس کے قبیلہ تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بلاشبہ یہ محبت کمال ایمان ہی کا ثمرہ ہو سکتی ہے۔ محبوب تو نظر عاشق میں سرتا سر محبوب ہوتا ہے مگر اس میں کمال کیا ہے کہ اس کی ہر ہر ادا عشاق کی دلربائی کا مستقل ایک ایک افسوس ہوتا ہے۔

کمال محبت، محبوب کی رضا میں فنا ہو جانا ہے

کمال محبت تو یہ ہے کہ اس کی رضا میں وہ فنا میسر ہو جائے کہ پھر یگانہ، ویرگانہ مکروہ و محبوب کا امتیاز جاتا رہے بلکہ تمام محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک تعاون و سازگاری کا وہی ایک محور و مرکز بن جائے۔ مال و اولاد کا تو ذکر کیا ہے اپنے نفس سے اگر محبت رہ جائے تو وہ بھی اسی کی خاطر ہو۔ اِنَّ صَلَوَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اس کی راہ میں تمام قربانیاں شیریں بن جائیں اور اس کے خلاف میں ساری خوش حالیاں کانٹے نظر آئیں، اس کے نام پر گردنیں اتر دینا حیوۃ ابدی معلوم ہو اور اپنی قربان گاہ سے ایک قدم پیچھے ہٹنا موت ابدی نظر آئے اور یہ سب کچھ اس تصور میں ہو کہ یہ ساری جاں نثاریاں گو اس قابل نہ سہی کہ محبوب کے لیے قابل نظر ہوں مگر ایک عاشق کی یہ حسرت ہونا چاہیے کہ راہ عشق میں جو قربانی وہ کر سکتا ہے کر گذرے، حضرت بلالؓ و عمارؓ کے سرفروشانہ جذبات پر سیرت نگاروں کو حیرت ہے، مگر خود ان کی قربانی اگر دریافت کیا جاتا تو ساقی کوثر کے ہاتھ سے ان جام پینے والوں سے شاید انہیں شکایت ہوتی جنہیں اس کے ہاتھ سے جام پی کر تکلیف و راحت کا احساس باقی تھا۔

ایمان میں اسی منزل کا نام مقام یقین ہے۔ حجۃ اللہ صفحہ ۹۱ پر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عقل انسانی جب نشہ یقین سے مخمور ہو جاتی ہے تو قلب و نفس بھی اس سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ پھر عالم غیب پر ان کو محسوسات کی طرح یقین نصیب ہو جاتا ہے، فقر و غنا، حیوۃ و موت کے خزانہ سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے اسباب کی قید و بند سے رستگاری میسر آ جاتی ہے۔

ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے

یہ ہے وہ ایمان جس پر مذہب کی تمام بنیاد قائم ہے کوئی عقیدہ اپنے دامن میں خواہ کتنی ہی نزاہت اور رفعتیں کیوں نہ رکھتا ہو مگر اس نور ایمانی کے بغیر نظر شریعت میں وہ صرف ایک ظلمت کدہ اور سرتا سرتا ریکی ہے۔ کوئی عمل مجاہدات و ریاضات کے خواہ کتنے ہی مراحل کیوں نہ طے کر چکا ہو مگر بدون اس روح ایمانی کے ایک تن مردہ اور میزان آخرت میں قطعاً بے وزن ہے۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (الکھف: ۱۰۵) (پس ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے) عقائد و اعمال کا تو ذکر کیا ہے کوئی معمولی سی معمولی نیت بھی خواہ کتنی ہی صاف و ستھری کیوں نہ ہو اس سرمایہ ایمان کے بغیر بارگاہ بے نیاز میں کوئی اعتبار نہیں رکھتی، یہ ایمان، عقائد و اعمال اور نیتوں کی وہ واحد روح ہے جس کے بعد کفر کی توہر تو تاریکیاں چشم زدن میں کافور ہو سکتی ہیں۔ آتش کدہ جہنم اس کے روبرو سرد ہو سکتا ہے اور گلزار عدن اس کا ایک طے شدہ معاوضہ بن جاتا ہے۔ ایک معمولی سجدہ طاعات صد سالہ کے لیے مایہ رشک اور مٹھی بھر جو کا صدقہ بے شمار تضاعیف (زیادتیاں) کا مستحق نظر آنے لگتا ہے۔ غرض سعادت ابدیہ اسی مبداء کی خبر ہے اور شقاوت ازیلہ اس سے محرومی کا نشان ہے۔ یہ سب کچھ اس سچی کتاب میں موعود ہے جو غلط گوئی سے بالکل منزہ اور مبالغہ آمیزی سے یکسر مبرا ہے۔

ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

اشیاء کے وجود کی تین صورتیں

کسی چیز کے وجود کی عالم میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

وجودِ لفظی ایک نا تمام وجود ہے

ان ہر سہ اصناف میں لفظی وجود سب سے ضعیف اور کمزور وجود ہے، جو مقاصد و اغراض کسی شے کے وجود میں ملحوظ ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وجود پر مرتب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اس وجود کو عدم کے برابر کہہ دیا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ کی پیاس نہیں بجھاتا اور نہ روٹی کا صرف زبانی تذکرہ کسی بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔

وجودِ ذہنی لفظی وجود سے قوی ہے

(۲) وجودِ ذہنی گو لفظی وجود سے قوی تر ہے مگر شے کے تمام آثار و احکام مرتب ہونے کے لیے یہ بھی نا کافی ہے۔

کسی چیز کا وجود یعنی ہی اس کا مکمل وجود ہوتا ہے

(۳) وجودِ عینی وہ وجود ہے جو خارج میں کسی کے اعتبار کیے بغیر موجود ہوتا ہے اسی وجود کو درحقیقت وجود کہا جاسکتا ہے بقیہ اصناف اس کے توابع اور فروع ہیں۔ یہی مبدء آثار ہے اور اسی پر شے کے سب احکام مرتب ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی تروتازگی، قلب و جگر کی سیرابی، اشجار و شمار کی سرسبزی یہ سب پانی کے وجود یعنی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں، اسی لیے جب کوئی پیاسا پانی مانگتا ہے تو اس کا مقصد پانی کا یہی عینی وجود سمجھا جاتا ہے اور اس کا لفظی یا ذہنی وجود کسی کے خواب و خیال میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایمان کے وجود کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

سابق تمہید کی بناء پر ایمان کا لفظی وجود بیکار محض ہونا چاہیے۔ جب کسی تشنہ کے لیے پانی کا صرف لفظی وجود کارآمد نہیں ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ایمان کا صرف لفظی وجود کیا مفید ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں ایک سخت مشکل یہ درپیش ہے کہ عالم بشریت کی سرنامہ محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ و حروف کا جامہ پہنائے بغیر ادا کر سکے۔ اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک نا تمام آلہ ہے اگر وہ بھی نا قابل اعتبار ٹھہرے تو عالم انسانی کا تمام کاروبار معطل اور بیکار محض ہو جائے۔ اس لیے چارونا چار ایمان کا لفظی وجود بھی شریعت میں ایک حد تک قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔ میں اس بات پر مامور ہوں کہ جب تک کفار لا الہ الا اللہ نہ کہیں ان سے جنگ جاری رکھوں۔

اب اسے ایمان کی رفعت اور بلندی کہئے یا اس کی فیاضی سے تعبیر کیجئے کہ محض زبانی کلمہ توحید پر اس نے جان بخشی کا اعلان کر دیا ہے اور کسی کے سرائر اور مکنونات صدر (دل کے راز) سے کوئی بحث نہیں کی۔

(حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ثبوت کا دار و مدار کسی ایسی ہی چیز پر ہونا چاہیے جس کا علم یکساں طور پر سب کو ہو سکے اگر خدا کے رسول کے علم پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً منافقین کا گروہ، کفار میں شمار ہوتا۔ اب اگر ان کو قتل کیا جاتا تو انہیں ناحق یہ بدنام کرنے کا موقعہ ہاتھ آ جاتا کہ آپ اپنے اصحاب و رفقاء کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اس لیے کلمہ توحید کا زبانی اقرار ہی اسلام قبول کرنے کا معیار قرار دے دیا گیا اور اسی ایک کلمہ پر جنگ کے آغاز و خاتمہ کا دار و مدار رکھ دیا گیا۔ (کتاب الایمان ص ۱۷۲)

اس جگہ یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ اسلام میں تصدیق قلبی کے بغیر صرف زبانی اقرار کر لینا بھی کوئی وزن رکھتا ہے کیونکہ قلبی تصدیق ایمان کا وہ اہم رکن ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی حالت میں قطع نظر کے قابل نہیں سمجھا گیا حتیٰ کہ بحالت اکراہ جب کہ اپنی جان پر بن رہی ہو زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی صرف اسی شرط سے اجازت دے دی گئی ہے کہ قلب کی گہرائیاں اذعان و ایقان سے لبریز اور معمور ہیں۔

إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ. (النحل: ۱۰۶) مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے۔

جو صورت حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اگر زبان اقرار کر لیتی ہے اور دوسری کوئی دلیل جو قلبی انحراف پر دلالت کر سکے ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتی تو اس وقت ہم اس بات کے مامور ہیں کہ اس اقرار ہی کو قلبی تصدیق کی دلیل سمجھیں۔

اسلام جو اخلاق عالیہ کا سب سے اول معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی زبان کو بلاوجہ جھوٹا قرار دے یا اس کے متعلق کسی اندرونی کمزوری کی بناء پر اپنے ضمیر کے خلاف بولنے کا تصور لائے۔ دنیا میں ایک بڑے سے بڑا انسان خواہ اخلاق کے کتنے ہی بلند مقام تک کیوں نہ پہنچ چکا ہو کبھی اپنے حریف پر وہ بھی بحالت جنگ اعتماد کا خیال نہیں کر سکتا، یہ اسلام ہے جو یہ دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے حریفوں کی زبان پر بھی اعتماد کر لو اور اس تشویش میں نہ پڑو کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، اگر ان میں کوئی سعید روح ہوگی تو ایک دن وہ خود بخود اپنے اس صدق نما کذب پر تادم ہوگی اور دل بھی زبان کی طرح اسلام کا کلمہ پڑھ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر کو بکریاں چراتے دیکھا۔ دوران جنگ میں ایک فریق دوسرے فریق کی گھات میں لگا ہی رہتا ہے۔ صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین لیں، اس نے اپنا پانسا کمزور دیکھا اور وہ وقت آ گیا کہ جو اسلام مدت سے اس کے سینہ میں گھوم رہا تھا اب دل میں اتر آئے وہ اسلام لے آیا، مگر اس حال میں دشمن کا اقرار و وفاداری، انسان کی کمزور فطرت کب قبول کرتی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس اسلام کو صرف مال کے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھا اور اس کی بکریاں غنیمت کا مال بنالی گئیں۔ لیکن اسلام جو اخلاق کے آخری منازل صرف زبانی سکھانے نہیں آیا تھا بلکہ طے کرانے آیا تھا اس کمزوری کو کب برداشت کرتا، اس واقعہ کی اہمیت محسوس کی گئی اور اتنی کی گئی کہ وحی الہی کو دخل دینا پڑا اور نہایت تنبیہ آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (نساء: ۹۴)

اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے ”سلام علیک“ کرے کہ تو مسلمان نہیں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔

کتب احادیث میں اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں، جہاں اسلام کے لفظی وجود یعنی صرف اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ اگر دوران جنگ میں دشمن میرا ایک بازو کاٹ دے اور جب میرا موقعہ لگے تو وہ جان بچا کر درخت کی آڑ میں آ جائے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو کیا میں اس کے اس مجرمانہ اقدام کے بعد بھی اس کا یہ مہتمم اسلام قبول کر لوں؟ ارشاد ہوا ضرور اور اگر اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھنا تم اب اسی طرح مباح الدم سمجھے جاؤ گے جیسا وہ اپنے اسلام لانے سے قبل مباح الدم تھا۔ (مسلم شریف)

دیکھو! یہاں بھی انسان کی کمزور فطرت کس طرح اپنے حریف کا اسلام مہتمم کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے انتقام میں یہ لفظی اسلام

حائل نہ ہونے پائے مگر یہ اسلام ہے جو اپنے ہمنواؤں کے سینکڑوں بازو حریفوں کی ایک زبان پر نثار کر رہا ہے۔ انتقام گو فطری حق سہی مگر اسلام اس نازک ماحول میں یہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ ایک کلمہ حق کے احیاء میں وہ اپنے فطری اور ذاتی حق سے بھی دست بردار ہو سکتا ہے۔

احادیث میں کچھ واقعات ایسے بھی نظر سے گذرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جان و مال کا تکفل، ان کی عزت و احترام کا تحفظ کچھ خاص اس کلمہ کے ادا کرنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف اقرار و فاداری کی ضرورت ہے خواہ کسی زبان سے ہو اور کسی عمل سے۔

حضرت خالد مسلمانوں کا ایک دستہ لیے ہوئے مصروف جہاد ہیں، دشمن چاہتا تھا کہ اسلام قبول کر لے مگر ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے اسلحہ (ہم نے اسلام قبول کیا) کا لفظ نہ کہہ سکا اور اس کے بجائے صبا نا صبا نا کی صدا بلند کرنے لگا (یہ لفظ عربی زبان میں بد دین ہونے کے لئے مستعمل ہے) اسی کمزوری فطرت کی وجہ سے یہاں بھی یہ نازک اسلام قبول نہ ہوا اور آخر اسی حالت میں سب کو موت کا جام پی لینا پڑا۔ رحمۃ اللعالمین کو جب اطلاع ملی تو انتہاء درجہ مضطرب ہوئے اور اسی اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ اس تصور میں آسمان کی طرف اٹھ گئے کہ مبادا خدائے تعالیٰ کا قہر ان معصوموں کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے اور میں بھی اس میں شامل سمجھا جاؤں اس لیے فرمایا اے پروردگار! جو غلطی خالد سے سرزد ہوئی میں اس سے بری ہوں۔ (بخاری شریف)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لفظی وجود کو ضعیف تر بلکہ مرادف عدم ہے پھر اسلام نے اس کا کیوں اعتبار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقرار سے مراد یہاں وہی اقرار ہے جسے ضمیر کی صحیح آواز کہا جاسکے ورنہ اسے اقرار ہی کہا جائے گا بلکہ وہ انکار کی صرف ایک اقرار نما صورت ہوگی۔ اسلام کے اس لفظی وجود کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار باللسان کہا جاتا ہے

اقرار باللسان

فقہاء کو اس میں اختلاف ہے کہ اسلام میں اقرار کی حیثیت کیا رکھنا چاہیے، ایک جماعت رکن کی حیثیت تجویز کرتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ پہلی جماعت کا خیال ہے کہ اقرار بھی ایک نوع کی تصدیق ہی کا نام ہے فرق ہے تو یہ کہ ایک تصدیق قلب سے ہوتی ہے اور اقرار زبان کی تصدیق ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دے دی جائے۔ یہ اور بات ہے کہ تصدیق قلبی رکن اصلی ہے یعنی کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت نہیں کیا جاسکتا اور اقرار رکن زائد یعنی بعض صورتوں میں یہاں اغماض یعنی چشم پوشی کر لینا بھی ممکن ہے جیسا کہ اکراہ یعنی زبردستی میں۔

شیخ ابو منصور ماتریدی شیخ ابوالحسن اشعری، اور امام نسفی کا میلان خاطر اقرار کی شرطیت کی طرف ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ثبوت اسلام سے قبل ہی احکام اسلام کا نافذ کر دینا تو غیر معقول ہے اور زبانی اقرار کیے بغیر ہمارے پاس اسلام پر کوئی شہادت نہیں اس لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ نفاذ احکام اسلامیہ کے لیے اقرار باللسان کو شرط کہا جائے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار کا صرف یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہیے بلکہ کم از کم مسلمانوں کے امیر کے سامنے ہونا چاہیے تاکہ اجراء احکام کا اصل مقصد حاصل ہو سکے۔ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مطالبہ کے بعد زبان سے اقرار کرنا بہر کیف ضروری ہے کیونکہ اب اقرار نہ کرنے کے معنی گویا انکار کرنا ہیں، یہ کفر جو دکھلاتا ہے۔

اور انکار کیا ان (آیات) کا حالانکہ اپنے دل میں اس کا یقین کر چکے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی دل اندر سے یقین کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے مگر زبان پھر بھی انکار سے باز نہیں آتی، اس کا نام اصطلاح میں کفر عناد ہے۔ حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لیے اقرار کا اضافہ کر دیا ہے کہ جو تصدیق قلبی زبانی انکار کے ساتھ ہو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہ رہے اور یہ سمجھا ہے کہ جب زبان کے لیے اقرار کرنا لازم ہو جائے گا تو اب انکار کی گنجائش ہی نہیں ہوگی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو دوسری طرح ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تک اقرار نہ ہو، ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے قلب میں حقیقۃً تصدیق موجود ہے، لہذا اگر ایک شخص مطالبہ کے بعد بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اسی پر محمول کریں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔ (کتاب الایمان ص ۸۸)

ہم کہتے ہیں کہ اگر اقرار کرنا اسی مقصد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے جو حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) مرحوم کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر رکنیت اور شرطیت کا اختلاف بہت بڑھا نا نہ چاہیے۔ بلکہ اب مناسب یہ ہے کہ اختلاف کی تنقیح یوں کر دی جائے کہ اقرار کرنا بالاتفاق ضروری ہے مگر ایک فریق نے اس کی اہمیت زیادہ محسوس کر کے رکنیت کا لفظ کہہ دیا ہے اور دوسری جماعت نے گواہیت کو تسلیم کیا ہے مگر رکنیت کا لفظ نہیں کہا، پھر اگر پہلے فریق نے رکن کہا ہے تو لفظ زائد کہہ کر اسے ذرا پھیکا بھی کر دیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ یہاں ایک اور مفید تحقیق فرما گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) زبان سے تصدیق کرنا (۲) التزام طاعت اور عہد عمل و فرمان برداری، آیت ذیل میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۱)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا

مَعَكُمْ لَأُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا. (آل عمران: ۸۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اس آیت میں اقرار کا لفظ عہد عمل اور التزام طاعت ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ یہاں انبیاء سے کسی امر کی صرف تصدیق مطلوب نہیں بلکہ اس کا عہد لیا جا رہا ہے کہ جو رسول تمہارے پاس آئے گا تمہیں اس کی اطاعت کرنا ہوگی اس پر ایمان لانا ہوگا، اس کی نصرت کرنی پڑے گی، التزام طاعت کا بھی یہی مفہوم ہے اب اگر اقرار سے یہ معنی مراد لے لیے جائیں تو ایمان کی تعریف میں صرف اقرار کی قید کافی ہوگی، ورنہ التزام طاعت کے تیسرے رکن کا اور اضافہ کرنا ضروری ہوگا۔

ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیت

چونکہ علماء نے ایمان کی تعریف میں عموماً تصدیق کا ہی لفظ ذکر کیا ہے اس لیے عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ایمان گویا تصدیق کے مرادف ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن و سنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل تھا اس کی تشریح کے لیے بس تصدیق

کالفظ کافی سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان ہر دو لفظوں میں بہت بڑا فرق ہے اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ان احادیث و آیات کی اصل مراد ہی ہاتھ نہیں آ سکتی۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا خدا بھلا کرے جنہوں نے اس ضروری فرق کو بیان فرما کر ان بے شمار آیات و احادیث کے معانی سے حجاب غفلت اٹھا دیا ہے اور ان کی صحیح مرادیں ہمارے سامنے واضح کر دی ہیں۔ ضروری ہے کہ پورے اعتناء کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کالفظ امن سے مشتق ہے اس لیے امانت و اعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں ہے اس لیے ہر خبر میں خواہ وہاں مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو تصدیق کالفظ یکساں مستعمل ہو سکتا ہے، ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جو اپنی چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں کیونکہ یہاں اگر تصدیق کی جائے گی تو وہ صرف مخبر کی امانت و دیانت، اس کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کی جائے گی۔ اسی لیے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں ”آمنت“ نہیں کہہ سکتے، یا دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لفظ ایک دوسرے کی تصدیق کے لیے ”صدق احدہما صاحبہ“ کہا جاتا ہے ”امن لہ“ نہیں کہا جاسکتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لیے دوسرے پر اعتماد و وثوق کی کیا ضرورت ہے، یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے۔ اس لیے یہاں ایمان کالفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واپس آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں جب اپنے بھائی کے قتل کا غلط افسانہ عرض کیا تو ”وما انت بمومن لنا“ کہا ”وما انت بمصدق لنا“ نہیں کہا۔ چونکہ یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی عدم موجودگی میں تیار کیا گیا تھا، اس لیے اگر وہ اس کی تصدیق کر سکتے تو صرف ان کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کر سکتے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لیے اس بے اطمینانی و بے اعتمادی کے موقع پر ”وما انت بمومن لنا“ سے زیادہ خوب صورت لفظ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو تو کیونکر خود آپ تشریف فرمانہ تھے اور ہم پر آپ کو اطمینان و اعتماد نہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہیں ہم سچے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق کو قرآن کریم نے اسی لفظ ایمان سے ادا کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”فامن لہ لوط“ یہاں بھی ”فصدق لہ لوط“ نہیں فرمایا۔

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورہ بقرہ میں ”یؤمنون بالغیب“ کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے یہاں غیب کالفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے۔ مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر یہ حقیقت پورے طور پر سمجھ لی جاتی تو اخبار غائبہ میں بحث و تحقیق کا ایک مرحلہ بڑی حد تک ختم ہو جاتا۔ ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق ہے تو کس چیز سے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات پہلے اس طرح معقول بنائے جائیں کہ پھر ان کی تصدیق کے لیے اعتماد رسول کا واسطہ ہی نہ رہے اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال و افعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ اسی تسلیم و رضا میں انسانی عقول کی

آزمائش ہے۔ پختہ کار جانتا ہے کہ ایک صادق القول پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دلیل اطمینان بخش نہیں ہو سکتی مگر ایک خام کار اپنی نارسائی اور بے شعوری کے باوجود دلائل کے بغیر شفاء حاصل نہیں کرتا۔

حالانکہ دلائل کا راستہ سرتاسر تردد و شبہ کا راستہ ہے، عقل انسانی اگر غائبات پر ایک طرف کوئی دلیل قائم کر بھی لے تو دوسری عقل اس کے خلاف پر دلائل قائم کرنے سے عاجز نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عقلاء میدان بحث میں کبھی کسی امر پر متفق نظر نہیں آتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف دلائل کا دروازہ کھٹکھٹاتے نظر آتے ہیں۔ آئے دن ان کی تحقیقات کی دنیا بدلتی رہتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسی ایک عالم جہالت سے دوسرے عالم جہالت کی طرف منتقل ہونے کا نام (ریسرچ) اور تحقیق رکھ لیا جاتا ہے کاش کہ صاحب وحی کی ریسرچ پر اعتماد و وثوق کر لیتے تو یہ عمر عزیز ساحل کی تلاش میں یوں مفت برباد نہ ہوتی حقیقت کا راستہ شریعت نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے۔ اب جو کام ہمارا رہ جاتا ہے وہ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ جانا ہے اور بس۔

ایمان بالغیب کا راستہ بس یہی ایک راستہ ہے جس میں روح کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے ماسواء جس قدر راہیں ہیں وہ تذبذب کی راہیں ہیں، تردد کی راہیں ہیں، نہ روح کے لیے ان میں کچھ تسلی ہے نہ نفس کو کچھ تشفی۔

إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ. (الانعام: ۱۵۳)

یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو، دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو، کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کر دیں گے۔ مذکورہ بالا بیان کا مقصد غور و فکر کی راہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ایک دائرہ بتلانا ہے اس کا نام عقل کا تعطل نہیں بلکہ طریق استعمال کی صحیح تعلیم ہے، آیات آفاقی و انفسی کا دائرہ کیا کم ہے کہ اسے چھوڑ کر عالم غائبات پر اٹکل کے تیر چلائے جائیں جو دارالعمل ہے اس میں خوب غور کرو اور جو دارالجزاء ہے اسے احکم الحاکمین کے حوالہ کر دو۔

عالم غیب اور دلائل

جب تک ایمان کا مقام انقیاد میسر نہیں آتا۔ آپ کو حجت بازی کا موقعہ دیتا ہے۔ لیکن جب رسالت کی تصدیق دلیل یا بے دلیل حاصل ہوگئی تو اب انقیاد باطن کا یہنا زک مقام زیادہ ترانیوں کا متحمل نہیں رہتا اور آپ کا صرف ایک یہی فرض رہ جاتا ہے کہ رسول کہے اور آپ خاموش بنیں، وہ حکم دے اور آپ مانیں اور کیوں نہ مانیں اگر قلب طوق غلامی پہن چکا ہے تو زبان کو مرتابی کا حق کیا ہے۔ بقول غالب ۔

کسی کو دے کے دل کوئی نواخ فغاں کیوں ہو نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
رسول کی تصدیق کا بھی دعویٰ ہے پھر بات بات پر شبہات اور حجت بازی کی خلش بھی جاری ہے کیا بیک وقت یہ دو متضاد باتیں نہیں؟ کیا وثوق اور اعتماد اسی کا نام ہے کہ رسول جو کہتا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا تا وقتیکہ دلائل و براہین سے وہ ہمارا منہ بند نہ کر دے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ. وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ. وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ. أَفَبِ قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ. إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ

بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (نور: ۴۷، ۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو اور رسول کو مانا اور ہم ان کے فرمان بردار بن گئے۔ اس کے بعد پھر ان میں سے ایک جماعت پھر جاتی ہے، اور وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف تاکہ ان میں فیصلہ کرے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑ لیتا ہے اگر ان کو کچھ ملتا تو اس کی طرف (فوراً) چلے آئیں قبول کر کے، کیا ان کے دلوں میں (کوئی) روگ ہے یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کرے گا۔ کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کے لیے بلائے جائیں تو کہیں ہم نے سنا اور حکم مان لیا اور کامیاب یہی لوگ ہیں۔

اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدی تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے۔ (اتحاد ج ۲ ص ۲۳۰)

اب آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ ایمان کا وجود ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی معمولی تصور نہیں ہے جس کی حیثیت صرف ایک خواب و خیال کی سی ہو بلکہ قلب انسانی پر یہ وہ نقش ہے جو ایک لمحہ میں آبائی عقائد کے سب نقوش محو کر دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مفاخر آنکھوں میں معائب نظر آنے لگتے ہیں حتیٰ کہ طعام و شراب، وضع و قطع، رفتار و گفتار سب میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے بلکہ سمع و بصر، ذوق و شہم یعنی حواس خمسہ کی دنیا کی دنیا منقلب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو نغمہ پہلے دلکش تھا جو صورت پہلے دل فریب تھی، جو کھانا لذیذ معلوم ہوتا تھا، جو خوشبو بھلی لگا کرتی تھی، اب اسی نغمہ میں وہ دلکشی، اسی صورت میں وہ دلبری، اسی کھانے میں وہ لذت، اسی خوشبو میں وہ کشش باقی نہیں رہتی مدتوں کی صحبت سے طبیعت اگر کبھی مچلتی بھی ہے تو دل اندر ہی اندر سمجھانے لگتا ہے اور آخر تصدیق قلبی کی مضبوط کڑیاں آئین اسلام سے ادھر ادھر جانے نہیں دیتیں۔ نفس چاہتا ہے کہ قدیم لذائذ کا پھر مزہ لوٹے مگر صفت انقیاد کا ذائقہ انہیں بے مزہ بنائے دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء نے کفر کے بعد اسلام کو ایک حیوۃ نو سمجھا ہے اور کفر و اسلام پر بہت سے ایسے احکام متفرع کر دیئے ہیں جو حقیقی موت و حیات پر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے کفر و اسلام کی معمولی تبدیلی انسان کے آخرت کی تبدیلی بن جاتی ہے اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالم قیمت کو عالم نعمت سے اور عالم عذات کو عالم ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہیے کہ آج عالم کفر کو عالم اسلام سے بدل لے۔ قدرت کے اس دست فیاض پر قربان جس نے عالم فانی کی اس ترمیم سے عالم جاودانی کی ترمیم کا وعدہ فرمالیا ہے بلکہ اس ابدی مقام کو اس عارضی ترمیم کا تابع بنا دیا ہے کیا اب بھی آپ سمجھ گئے کہ تصدیق قلبی کسے کہتے ہیں اور ایمان کا وجود ذہنی کیا ہے؟

ایمان کا وجود عینی

ایمان کا لفظی اور ذہنی وجود آپ سن چکے یہ وجود جب اور رسوخ و پختگی اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہی ایمان جو اس منزل تک صرف ایک معنی تھا اب رفتہ رفتہ شکل و صورت اختیار کرنے لگتا ہے۔

ارباب حقائق کے نزدیک تو معانی کا تجسد ثابت شدہ حقیقت ہے اور موجودہ تحقیقات کے مطابق بھی آج وزن جو درحقیقت مادہ کی صفت تھی حرارت کے لیے ثابت ہو چکی ہے بلکہ اس کے وزن کے لیے ایک مقیاس الحرارت بھی تیار کر لیا گیا

ہے اور اب بآسانی ہر شخص اپنی حرارت کا وزن کر سکتا ہے۔ اسی طرح آواز کو مدت تک محض ایک معنی تصور کیا گیا تھا جو ہوا میں آتی اور فناء ہو جاتی ہے مگر حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عالم کی پیدائش سے لے کر آج تک جتنی اصوات اس (فضاء) میں نکلیں ہیں وہ سب کی سب محفوظ موجود ہیں اور ان سے استفادہ کی سعی ہنوز جاری ہے۔ ریڈیو کی محیر العقول ایجاد کی بنیاد یہی جدید اکتشاف ہے۔ یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ تحقیقات عصریہ باوجود اس تمام جدوجہد کے اب تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں جہاں ہمارے ارباب حقائق کی نظریں آج سے سینکڑوں سال پیشتر پہنچ چکی تھیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں اصوات کے صرف وجود کی تصریح نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی صورتوں کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی کسی دلیل سے نہیں بلکہ اپنے چشم دید مشاہدہ سے دیکھتے کہ سائنس اپنی اس برق رفتاری کے باوجود کب اس مقام تک پہنچتی ہے۔

اسی طرح ایمان بھی ابتداءً گو تصدیق قلبی کا نام ہے مگر یہ تصدیق اعمال صالحہ کے آبیاری سے نشوونما پا کر ایک نور کی سی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہی نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے۔ حضرت لقمان کی وصیت میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہو سکتی اسی طرح ایمان بلا علم و عمل کے پختہ نہیں ہو سکتا۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۸)

امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی اور امام ابو عبیدہ اور امام اصہبانی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل پر قلب میں نمودار ہوتا ہے اور جتنا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو سارا قلب سفید ہو جاتا ہے یہی حال نفاق کا ہے کہ پہلے سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور بالآخر تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک مؤمن کا قلب نکال کر دیکھو تو بالکل سفید پاؤ گے اور ایک منافق کا قلب دیکھو تو بالکل سیاہ دیکھو گے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۵۹) لیکن معانی کے اس تجسد کے مشاہدہ کے لیے وہی تیز آنکھیں درکار ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ فبصرک الیوم حدید۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا ایک سنہری طشت ایمان و حکمت سے لبریز لایا گیا اور اسے آپؐ کے صدر مبارک میں لوٹ دیا گیا تھا۔ عجب نہیں کہ اس سے مراد ایمان کا یہی وجود عینی ہو۔ انبیاء کے کمالات اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ قدرت اسی طرح ان کے منازل کمالات خود طے کر دیتی ہے۔

یہ نور تصدیق جس قدر سوخ پیدا کرتا جاتا ہے اتنا ہی خواہشات نفسانیہ کے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر یہ نور اور منبسط ہوتا جاتا اور پھیلتا جاتا ہے شدہ شدہ یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ انسان کے تمام جوارح کا احاطہ کر لیتا ہے اور یہ مؤمن گویا خود ایمان مجسم بن جاتا ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ خدا یاد آنے لگتا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن غنم (فتح غین و سکون نون) اور اسماء بنت یزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہتر بندے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔ (مسند احمد شعبہ ایمان مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان ولدیۃ)

اس نور کی وسعت کی بقدر اوامر الہیہ کے امتثال اور محظورات شرعیہ سے اجتناب کا جذبہ عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ اخلاق رفیلہ زائل ہو جاتے ہیں اور اخلاق فاضلہ اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور قلب کو وہ وسعت میسر آ جاتی ہے کہ سارا عالم اس کے پہلو میں مثل ایک نقطہ

کے نظر آئے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مؤمن کا یہ وہ قلب ہے جو اس کے پروردگار کی تجلی گاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ. (النور: ۲۴)

بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ. (الانعام: ۱۲۵)

جس کسی کی ہدایت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

یہ شرح صدر بھی گواہی دیتی ہے جس کا مطلب صرف اسلام کا فراخ دلی سے بلا پس و پیش قبول کر لینا سمجھا جاسکتا ہے مگر اس معنی کا بھی ایک وجود یعنی ہے وہ صرف یہ معنوی فراخی نہیں بلکہ وہ وسعت ہے جو مؤمن کا دل اپنے قلب میں حسا بھی مشاہدہ کرتا ہے (علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اس شرح صدر کی تفصیل میں سفر السعادة میں مستقل ایک فصل لکھی ہے مراجعت کی جائے) اب حضرت رسالت کے حق میں شرح صدر کا جو مصداق ہو سکتا ہے اس کا خود اندازہ کر لو۔ قرآن امتنان کے لہجہ میں فرماتا ہے۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (الشرح: ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب نور یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کچھ علامت بیان فرمائیے۔ ارشاد ہوا اس کی تین علامتیں ہیں:

(۱) آخرت کی طرف میلان۔ (۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی۔ (۳) موت سے پیشتر اس کی تیاری۔ (شعب الایمان للبیہقی۔ مشکوٰۃ شریف)

یہ ہے ایمان کا وجود یعنی۔ یہی دعوت انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہے اور اسی پر نجات مطلقہ (یعنی بلا عذاب) اور فلاح ابدی کا مدار ہے۔ اس ایمان کے بعد مؤمن کے کان ”رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ کی پرکیف صدا سننے لگتے ہیں۔ اس مؤمن کو اگر جلا کر خاک بھی کر دیا جائے، اس کے جسم و جان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے تو بھی اس کے ذرہ ذرہ سے اسی ایمان کی صدا بلند ہوگی۔ یہ ایمان صرف ذہنی اور عقلی نہیں رہتا بلکہ دیگر محسوسات کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے اس کا نور آنکھیں دیکھتی ہیں۔

سَيَمَاهُمُ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ. (الفتح: ۱۱۹) سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی علامت (ظاہر) ہے۔

قلب اس کی حلاوت اور شیرینی اس طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسا کہ زبان مٹھائی کی۔ یہ ایمان فطرت انسانی کا ایک مقتضابن جاتا ہے اور جس طرح فطری خصائل زوال پذیر نہیں ہوتے اسی طرح یہ ایمان بھی زوال کے خطرہ سے بڑی حد تک مامون رہتا ہے۔

ہر قل جو بہت بڑا عالم کتاب تھا اسی وجود یعنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے اپنے دوران مکالمہ میں ایک سوال ابوسفیان سے یہ بھی کیا تھا کہ اس پر ایمان لا کر کیا کوئی شخص مرتد ہوتا ہے، اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا۔ یہ سن کر ہر قل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا خوب پتہ دیتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَتْ بِشَاشَةَ الْقُلُوبِ.

یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوٹ دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔

یہ ایمان کے وجود یعنی ہی کی طرف اشارہ ہے اسی کا نام ایمان کامل ہے اسی کو معرفت بھی کہا جاتا ہے علوم ابتداء میں صرف

علوم رہتے ہیں مگر کچھ رسوخ کے بعد قلب میں اپنا ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد قلب میں لطف اندوزی یا انقباض کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اس وقت ان کا نام حال ہو جاتا ہے پھر اگر ترقی کر کے یہ لون اور رسوخ اور پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اسی کا نام معرفت بن جاتا ہے اور اسی کو مرتبہ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ علوم کی انتہائی معراج ہے۔ پھر اس معرفت میں بے نہایت مراتب و مدارج ہیں اور ان ہی مراتب کے لحاظ سے مؤمنین کا تقاضل ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات: ۱۳) عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

عمل و ایمان کا توازن

ایک ظاہر میں صرف عمل پر نظر رکھتا ہے اور اسی پر فضیلت و مفضولیت کا فیصلہ کر ڈالتا ہے، مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ اصلی روح انقیاد باطن ہے اور عمل اس کا صرف ایک قالب اور ڈھانچا ہے اس لیے اس کی نظرقوت ایمانیہ پر ہوتی ہے اور یہی اس کا معیار فضیلت رہتا ہے صحیح احادیث میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب مذکور ہے کہ گویا کنویں پر ایک ڈول پڑا ہے۔ پہلے میں نے (جب تک خدا نے چاہا) اسے کھینچا میرے بعد پھر اسے ابو بکرؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈوال نکالے مگر کچھ ضعف کے ساتھ پھر ان سے عمر فاروقؓ نے لیا تو اس قوت سے ڈول کھینچے کہ اونٹ والوں نے اپنے اونٹوں کے پانی پی کر بیٹھنے کی جگہ وہاں تیار کر لی۔ بعض علماء نے یہاں ضعف سے ابو بکرؓ کی مدت خلافت مراد لی ہے اور بلاشبہ یہ مدت بہ نسبت خلافت عمرؓ کے نہایت قلیل تھی مگر کسی نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جو عملی شدت و شوکت عہد فاروقی میں نظر آئی، وہ عہد صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ شاید اسی خصوصیت کے پیش نظر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ معزز رہے اور کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اب اگر تسلیم کر لو کہ عملی قوت کے لحاظ سے عمر فاروقؓ حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ تھے تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوت ایمانی کے اعتبار سے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے کہیں فائق تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ انتقال پر عمر فاروقؓ کی بے صبری و اضطراب اور حضرت ابو بکرؓ کا صبر و استقلال تاریخی واقعہ ہے۔ جب قوائے عملیہ جواب دے دیتے ہیں تو ایسے ہی وقت قوت ایمانیہ کا امتحان ہوتا ہے اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی قوت ایمانیہ نے فاروقؓ اعظمؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس جاں گداز واقعہ نے ان کو کتنا اور مدہوش بنا دیا ہوتا۔ خدا ہی جانے کہ اس ہنگامہ بے صبری میں ابو بکرؓ کی زبانی وہ چند کلمات کیا تھے جن کے بعد جلتے ہوئے سینوں کی آگ بجھ گئی۔ مدہوش عقول کو ہوش آ گیا اور (جو موت کا لفظ سننے پر قادر نہ تھے تجھیز و تکفین میں مشغول ہو گئے، اگر ابو بکرؓ کی قوت ایمانیہ اس طرح قلوب کی کایا نہ پلٹ دیتی تو نہیں معلوم واقعات کہاں تک نزاکت اختیار کر لیتے، ایسے نازک دور میں صحابہؓ کی جماعت کی جماعت میں بجلی کی طرح یہ انقلاب پیدا کر دینا صدیق اکبرؓ کی فضیلت کی وہ بروقت دلیل تھی جس کے بعد بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا ہر مسلمان کا ایک اضطراری فرض ہو گیا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب عمل و ایمان کا توازن عالم میں آشکارا ہو رہا تھا۔

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ساری دنیا گویا ایک دن ہے جس میں امت محمدیہ کا وقت صرف عصر سے غروب تک ہے اور دوسری امتوں کا فجر سے ظہر تک، مگر قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مزدوری امت محمدیہ کو دوسری امتوں سے دوگنی ملتی ہے۔

بات وہی ہے کہ مدارقوت عمل پر نہیں بلکہ قوت ایمان پر ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ. (آل عمران: ۱۱۰)

تم سب امتوں میں اس لیے افضل ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا شیوہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت مذکورہ نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ کچھ افراد کا نہیں بلکہ جماعات و امم میں بھی فضیلت کا قانون وہی ایک ہے اس کے بعد اگر انبیاء کی سوانح پر غور کرو تو جو مدت عمل خاتم النبیین کو مرحمت ہوئی وہ صرف چند سال ہیں اور جو زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا وہ بیس قرآن ہزار سال تھے پھر کون نہیں جانتا کہ فضیلت کا تاج کس کے سر پر ہے۔ الغرض افراد و امم اور انبیاء علیہم السلام میں افضلیت کا ایک ہی قانون ہے یعنی ایمانی روح اور الہی معرفت بلکہ جہاں یہ روح نہیں وہاں عمل کی کوئی قیمت نہیں۔

فَلَا نَقِیمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَزْنًا. (الکھف: ۱۰۵)

قیامت میں ہم کفار کے اعمال کیلئے کوئی ترازو قائم نہیں کریں گے۔ کیونکہ ترازو وزن کیلئے ہوتی ہے اور کافر کا عمل بے وزن ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں کہ مجھے ساری امت کے بالمقابل تولا گیا تو میرا پلا بھاری رہا پھر اس میں ابو بکر گورکھا گیا تو اسی طرح ساری امت سے وہ بھاری رہے۔ اس کے بعد پھر عمر گورکھا گیا تو وہ سب سے وزنی رہے۔ یہ وزن نبی کی اسی قوت ایمانی کا تھا جس کے مقابل ساری امت ہیچ نظر آئی۔ پھر اسی مناسبت سے ابو بکر و عمر کو قیاس کر لو۔ بہر حال احادیث کا بے شمار ذخیرہ اسی طرف رہبری کرتا ہے کہ اصل قیمت انقیاد باطن کی ہے اور پھر اسی کے بقدر عمل کا وزن اور انسان کا فضل ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۳۷ و ۱۳۸)

ایمان اور معرفت

جہم بن صفوان امام اعظم کا ہمعصر صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ایمان صرف معرفت قلبیہ کا نام ہے زبان سے اقرار کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے انکار بھی کر گزرے مگر اس کو معرفت قلبی حاصل ہو تو مؤمن کامل رہ سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ تصریح فرماتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۴) کہ اس مسئلہ میں امام اعظم نے اس کی تردید فرمائی ہے اور یہی ایک مسئلہ نہیں بلکہ اور مسائل میں بھی اس کے ساتھ آپ کے مناظرے تصانیف میں کھلے طور پر موجود ہیں۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۲) مگر اس پر بھی بعض نامنفق قلم حنفیہ کے سرجمیہ کی تہمت تھوپنے سے باز نہ آئے۔

تاریخ میں حنفیہ پر یہ پہلا ظلم نہیں بلکہ وہ اس قسم کے مظالم کے ہمیشہ تختہ مشق بنے رہے ہیں۔ اگر ان بے محل انتسابات کے وجوہ و اسباب پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف بن سکتی ہے ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ ہے کہ اگر تاریخ حنفیہ پر یہ جو رستم روا رکھتی ہے تو رکھے مگر ہمارا ابھی فرض ہے کہ ہم اس کی یہ نا انصافی برابر دہراتے رہیں کان اگر دلچسپی سے نہیں سن سکتے تو نہ سنیں۔ کتب کلام کی ورق گردانی کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ جمیہ کے ساتھ حنفیہ کو مرجحہ بھی کہا گیا ہے لیکن اگر ذرا تحقیق سے کام لو گے تو روشن ہو جائے گا کہ حنفیہ کا دامن اس تہمت سے بھی قطعاً پاک و صاف تھا۔ فروعی اور اجتہادی مسائل میں اگر اختلاف ہو تو ہونا

چاہیے مگر غم اس کا ہے کہ دین کے وہ اصولی مسائل جن میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے اور نہ درحقیقت کوئی اختلاف تھا پھر عجلت پسند طبائع نے کیوں ان کا ایک غلط افسانہ تیار کر دیا۔ خدا بھلا کرے حافظ ابن تیمیہؒ کا کہ اپنی کتاب الایمان میں وہ ایک سطر یہ لکھ گئے ہیں۔

ومما ينبغي ان يعرف ان اكثر التنازع بين اهل السنة في هذه المسئلة هو نزاع لفظي. (ص ۱۱۹ و ۸۸)

یعنی یہ بات ضروری طور پر پیش نظر رہنی چاہیے کہ اہل سنت والجماعت میں ایمان کے مسئلہ کے متعلق جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں درحقیقت وہ صرف نزاع لفظی ہیں۔

ایک غریب عالم کی محنت اور جانفشانی کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اپنی پرسکون راتوں کو دن بنا بنا کر ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہے اور جب کسی نتیجہ کے لیے اس کا قلب مضطرب ہونے لگتا ہے تو کسی مصنف کی ایک سطر اس کے سارے منصوبے پر یہ کہہ کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ خواب تھا جو کچھ کر دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ حافظ ابن تیمیہؒ ۱۱۹ صفحات میں تحقیقات کے دریا بہا دیتے ہیں اختلافات اور جانہین کے پرزور رد و قدح سے عقل متحیر رہ جاتی ہے وہ چاہتی ہے کہ کوئی راستہ تلاش کرے مگر اختلافات کے اس برق و رعد میں اسے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، اور جب آخر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اکثر حصہ صرف نزاع لفظی تھا تو تھک کر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی اس دردسری کی فریاد کا موقعہ بھی نہیں دیکھتی۔ خوب کہا ہے کہ علم کیا ہے؟ کوہ کندن و کاہ برا آوردن۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگ کچھ نہ تھی تو پھر بیکار یہ قلعے کیوں بنائے گئے۔ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ محدثین کو سارا غصہ اس پر ہے کہ جو لفظ سلف سے منقول ہوتے چلے آ رہے تھے فقہاء نے ان کو کیوں ترک کیا، بالخصوص جب کہ ان کے ترک سے فرق باطل کو کچھ اعانت بھی مل گئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں (کتاب الایمان ص ۱۶۰) کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجعہ میں شامل کیا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں کیا بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کیا ہے جن سے مرجعہ کی موافقت کی بو آتی ہے۔ مرجعہ ایک فرقہ ہے جس کا یہ خیال تھا کہ ایمان کے لیے صرف زبانی اقرار کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہمیہ نے ان سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہہ دیا کہ اقرار کی بھی کوئی ضرورت نہیں، صرف معرفت قلبیہ کافی ہے۔ ان فرق باطلہ کے مقابلہ میں محدثین کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی عنوان ایسا اختیار کر لیا جائے کہ وہ عنوان ہی خود ان کی تردید کا ایک اعلان بن جائے اس لیے ایمان کی تفسیر میں ہی اقرار و عمل دونوں شامل کر لیے گئے اور الایمان قول و عمل مشہور ہو گیا یعنی ایمان اقرار و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ حتیٰ کہ شدہ شدہ جو عبارت اس مصلحت سے اختیار کی گئی تھی کچھ زمانہ کے بعد اہل سنت کے شعائر میں شمار ہونے لگی۔ اب جو شخص ایمان کی تعریف میں قول و عمل کہتا اہل سنت تھا اور جو شخص اس تعبیر کو ترک کرتا وہ صرف اس جرم میں ارجاء و جہمیہ کے القاب سے متہم ہوتا۔ (کتاب الایمان ص ۱۲۳ و ۷۷)

آج بھی اگر جماعتوں کے اختلافات پر نظر کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بناء یہی چند الفاظ تھے جن کو نا اہلوں نے اصولی اختلاف بنا ڈالا ہے۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ہماری بعض کتب میں امام اعظمؒ سے بھی ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ منقول ہے۔ بس اتنی بات حنفیہ کی

جاتا ہے) اب اگر ایمان میں عمل داخل نہ کرنے سے مرجہ اور جہمیہ کو تقویت ہوتی ہے تو عمل کو جزء بنانے سے معتزلہ و خوارج کو شہ ہوتی ہے پھر محدثین کے غیظ و غضب کا نزلہ حنفیہ ہی پر کیوں گرتا ہے۔ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔

اعمال کی حیثیت ایمان میں

یہ بحث نہایت دلچسپ ہے کہ عمل کی، ایمان میں کیا حیثیت رہنی چاہیے۔ محدثین و فقہاء کا یہاں بھی خوب نزاع ہے فریقین کے دلائل ذکر کرنے کا یہ محل نہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں حقیقت حال امام غزالی کی ایک تحقیق ہے اور بس وہی فیصلہ کن ہے اس کے بعد الفاظ خواہ وہ رہیں جو محدثین استعمال کرتے ہیں یا وہ جو فقہاء نے استعمال کیے ہیں (یعنی اعمال کو جزء کہو جو کہ محدثین کا مذہب ہے یا ایمان سے خارج قرار دو جیسا کہ فقہاء کا مسلک ہے) ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

کہ باطن و ظاہر بالکل دو جدا گانہ عالم نہیں کہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں بلکہ ہر دو کا باہمی ایسا گہرا تعلق ہے کہ ہمیشہ ایک کا دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے اگر اعتقاد باطن، اعمال ظاہرہ کا مقتضی ہوتا ہے تو اعمال ظاہرہ اعتقاد باطن کے مدد و معاون رہتے ہیں۔ دیکھو اگر ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یتیم پر رحم کرنا انسانیت کا اولین فرض ہے تو اس کے اس عقیدہ کا یہ اقتضاء ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجسم رحمت و دل سوزی بن جائے۔ پھر جب اس کے اعضاء و جوارح اس دل سوزی کے لیے حرکت کرنے لگتے ہیں تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اعتقاد میں ایک نئی روح داخل ہو رہی ہے اور جتنا جتنا اس کا یہ عمل تلطیف و ترحم ترقی کرتا ہے اسی قدر اس کے باطن میں شفقت و رحمت کا جوش اور پیدا ہوتا ہے یا اگر ایک شخص تو اضع کو نیک خصلت سمجھتا ہے تو اس کا مخلوق سے تو اضع کا معاملہ یقیناً اس کے اس اعتقاد میں اور پختگی کا باعث بنتا ہے۔ غرض صفات قلبیہ جس قدر بھی ہیں سب کا حال یہی ہے پہلے وہ اعضاء انسانیہ کو جنبش عمل کے لیے مضطر کرتی ہیں اور جب جوارح مصروف عمل ہو جاتے ہیں تو ان کے آثار لوٹ کر پھر ان صفات کو اور روشن کرتے رہتے ہیں۔ ایمان و اعمال کا حال بھی اسی پر قیاس کر لو۔ ایمان ایک عقیدہ ہے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جوارح تو حید خالص اور تصدیق رسالت کی اپنے عمل سے گواہی دیں اور جب اعضاء اس اقتضاء کو پورا کرنا شروع کرتے ہیں تو یہ عقیدہ اور راسخ اور تروتازہ و سرسبز ہونے لگتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ عسین بصری سے نقل کرتے ہیں۔

لیس الايمان بالتعالي ولا بالتمني ولكنه ما وقر بالقلب وصدقته الاعمال. (کتاب الایمان ص ۱۱۷)

یعنی ایمان صرف ظاہر داری کا نام نہیں بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں جو دل میں سرایت کر جائے اور اعمال اس کی تصدیق بھی کریں۔ اس کلام سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعمال انسان کی کیفیات قلبیہ کا آئینہ ہیں۔ اب اگر وہ نیک عمل کرتا ہے تو یہ اس کے قلبی تصدیق کی دلیل ہوگی ورنہ اس کی بد عملی خود اس کے بے ایمانی کی شاہد بن جائے گی۔

محمد بن نصر مروزی نقل فرماتے ہیں کہ عبد الملک نے سعید بن جبیرؒ سے چند سوالات کئے منجملہ ان کے ایمان اور تصدیق کے متعلق بھی ایک سوال تھا انہوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور رسولوں اور قیامت کی تصدیق کا نام ہے مگر تصدیق کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کے حرف حرف پر عمل ہو اور جتنی کوتاہی رہ جائے اور گناہ نظر آئے اس پر استغفار کرے اور آئندہ اصرار نہ ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اقرار کا نام ہے اور ایمان عمل کا۔ یہ ہر دو آپس میں قرین ہیں۔ ہر شخص کا قول و عمل تولا جائے گا

اگر اس کا عمل وزنی ہے تو مقبول ہوگا اور آسمان کی طرف صعود کرے گا اور اگر قول وزنی ہے تو اس کا عمل نامقبول رہے گا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان بلا اقرار صحیح نہیں ہوتا اور ایمان و اقرار بلا عمل درست نہیں ہوتے اور ان تینوں کا اعتبار بلا نیت حسنہ کے نہیں ہوتا۔ ان سب ائمہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ اعمال جو ارح تصدیق قلبی کے لیے بڑی حد تک ضروری ہیں گویا اس کے لوازم ہیں۔ حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُؤْا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ..... الْمَخ (البقرة: ۱۷۷)

پوری نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کو منہ کر لو (یعنی نماز میں) بلکہ اصل مدار ایمان پر ہے۔

ایمان و عمل کے اس نازک ارتباط کو صرف ایک اہل سنت نے سمجھا ہے۔ مرجعہ و جہمیہ نے ان ہر دو کو ایسا علیحدہ کر دیا کہ تصدیق قلبی کے لیے عمل کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور معتزلہ و خوارج نے ان کو ایسا مدغم بنا دیا کہ عملی کوتاہی کو تصدیق قلبی کا ضعف قرار دے دیا۔ اسی اختلاف پر یہ بحث قائم ہو گئی کہ مرتکب کبیرہ کا کیا حکم ہونا چاہیے۔

تصدیق قلبی پر معصیت کا اثر

قدرت جو فطرت انسانی کی سب سے بڑی راز داں ہے خوب جانتی ہے کہ یہ مجموعہ عناصر اتنا پابند عہد نہیں رہ سکتا کہ عالم امکان کی نقاشی اس کی نظریں کبھی خیرہ نہ کر سکیں خواہشات نفسانی کی باد صرصر اس کی شمع تصدیق کو کبھی حرکت نہ دے سکے، وہ کمزور ہے اور بہت کمزور ہے اس لیے معمولی خلاف ورزی پر اس کا نام وفاداروں کی فہرست سے نہیں کاٹی اور اس حد تک اسے معذور سمجھے جاتی ہے کہ وہ خود ہی نقص عہد کا اعلان کر گزرے۔ ارباب ارجاء و اعتزال اگر تصدیق کے شرعی مفہوم اور ضعف انسانی کے دونوں پہلوؤں کی رعایت کر لیتے تو نہ ارباب ارجاء کو صرف تصدیق عمل کے بغیر کافی نظر آتی اور نہ رؤساء اعتزال صرف ایک عاصی کے لیے وہ سزا تجویز کرتے جو ایک باغی کے مناسب تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

ولیس من الحکمة ان یفعل بصاحب الکبیرة مثل ما یفعل بالکافر۔ (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۷۹)

یہ حکمت سے بعید ہے کہ مرتکب کبیرہ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو کافر سے ہونا چاہئے۔

یہ سعادت صرف اہل سنت و الجماعت کا حصہ تھا کہ ہر پہلو کی رعایت کی توفیق ان کو میسر آ گئی اور ایمان و عمل کے پورے ارتباط کو انہوں نے ملحوظ رکھا۔ نہ اتنی سخت گیری کی کہ عمل کی کوتاہی کفر کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا تساہل کیا کہ اتنا بڑا قصور تصدیق قلبی پر ذرا داغ بھی نہ لگائے اور یہ اعلان کر دیا کہ انسان کی بد عملی اس کے دامن پر فسق کا ایک بدنما دھبہ ہے۔

بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔ (الحجرات: ۱۱) (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

برا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد۔

حافظ ابن تیمیہؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ایمان کے

بعد پھر تمہارا فاسق ہو جانا بہت بری بات ہے۔ (کتاب الایمان ص ۹۸) قرآن کریم جگہ جگہ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتا ہے۔

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا. (الحجرات: ۶)

اگر ایک فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (النور: ۴)

یعنی جو لوگ ذنبا کی تہمت لگاتے ہیں آئندہ انکی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ اس جرم کے بعد وہ شریعت کی نظر میں فاسق ٹھہر چکے ہیں۔

یہ وہ بدترین لقب ہے جسے قرآن نے ایمان کے بعد بہت ہی ناپسند کیا ہے۔ اس علو و برتری کے بعد یہ خفیف الحركات نہایت نازیبا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔

سباب المسلم فسوق. یعنی کسی مسلمان کو برا کہنا فسق کی بات ہے۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ قبیح حرکت اس کو اس کا مستحق بنا دیتی ہے کہ اس کو فاسق کہہ دیا جائے۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا. (السجدة: ۱۸) یہ نہیں ہو سکتا کہ مؤمن اور ایک فاسق برابر ہو جائیں۔

ان آیات و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو نہ تو کافر بنا دیتا ہے اور نہ اس کے دعویٰ انقیاد کو بے داغ رہنے دیتا ہے۔ وہ مؤمن ہے مگر فسق سے اس کا دامن ملوث ہو چکا ہے۔ اس مجسم طہارت و پاکیزگی کے لیے لازم ہے کہ نجاست فسق سے اپنا دامن ہمیشہ بچائے رکھے اور جو لقب اس کے مولیٰ نے اس کیلئے پسند نہیں فرمایا خود بھی اس سے متنفر رہے۔ بنس الاسم الفسوق بعد الایمان. (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

اسلام و ایمان میں کیا فرق ہے

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر بہت طویل بحث کی ہے مگر اس قدر منتشر ہے کہ اس کا خلاصہ نکالنا مشکل ہے۔ جہاں تک ہم نے ان کے کلام کا ملخص سمجھا ہے یہ ہے کہ لغت میں اسلام کے معنی اپنے نفس کو کسی کے سامنے جھکا دینا اور ذلیل بنا دینا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اس طرح جھک جائے کہ پھر اس کے سوا کسی کی عبادت کا رخ نہ کر سکے۔ یہ جھکنا اور ذلیل ہونا ایک عمل ہے۔ اس لیے اسلام دراصل ایک عمل ہی کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق قلب کا اسی طرح ایک کلام ہے جیسا کہ اقرار زبان کا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دل اپنی گہرائیوں سے کسی کے لیے بول اٹھے گا تو اس کے سامنے جھکنا اور ذلیل بن جانا بھی اس کا اقتضاء طبعی ہوگا مگر فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۹) اور ایمان ایک علم ہے۔ عمل یہاں تابع ہے۔ اس کے بعد اب اگر احادیث پر ایک اجمالی نظر ڈالو تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر عمل اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ (مسند احمد)

حدیث مذکورہ میں اسلام کو علانیہ اسی بناء پر فرمایا ہے کہ اعمال ظاہرہ کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ لیکن معرفت الہیہ اس کی

محبت، اس کا خوف، یہ سب اوصاف قلبیہ ہیں یہ باطنی چیزیں ہیں اس لیے ایمان کو علانیہ نہیں فرمایا بلکہ قلب میں کہا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کی طرف سے خطرہ میں نہ رہیں۔

یہاں بھی اسلام کی علامت ایک ظاہری چیز قرار دی گئی ہے یعنی لوگوں کو ایذا نہ دینا اور ایمان کی علامت ایک باطنی چیز یعنی دلوں میں اس کی طرف سے خطرہ باقی نہ رہنا یہ دوسری صفت پہلی صفت سے اعلیٰ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا مجسم پیغام امن بن جائے کہ قلوب میں اس کی طرف سے کوئی برا خطرہ تک باقی نہ رہے وہ کب کسی کو ایذا دے سکتا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی لالچ سے ایذا دہی ترک کر دے اس لیے حدیث مذکور میں جو صفت ایمان کی بیان ہوئی ہے وہ اسلام کی صفت سے بالاتر ہے۔

(۳) عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا، اس نے کہا کہ اچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا سخاوت اور صبر۔ ((سماحت و صبر فطرت انسانی کی ضد ہیں قرآن کریم کہتا ہے ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا. إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا. وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ (المعارج: ۱۹، ۲۱) یعنی ہلوع وہ ہے جسے نعمت میں سماحت نصیب نہ ہو اور مصیبت میں صبر کی توفیق میسر نہ آئے ان ہی دو خامیوں کی اصلاح کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد: ۱۷)

پہلی دو باتیں ظاہری عمل ہیں اور آخری دونوں باتیں نفس انسانی کی ایک صفت ہیں اس لیے ان کو اسلام سے اور ان کو ایمان سے زیادہ تعلق ہے۔ اسی طرح اکثر احادیث میں اسلام کی تفسیر میں اعمال ظاہرہ کا تذکرہ برابر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایمان کا بیشتر تعلق باطن سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث جبریل جو اس باب کی نہایت اہم حدیث ہے اسی فرق پر مبنی ہے اس کی تفصیل عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے اسلام ایمان کا باہمی ربط بھی حل ہو گیا یعنی کیا اسلام بلا ایمان کے یا ایمان بلا اسلام کے پایا جاسکتا ہے۔ اختلافات کی کثرت نے یہاں بھی حیرت میں مبتلا کر دیا ہے مگر ہمارے نزدیک امام سبکی کی رائے بہت وزنی ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۵) وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کو انقیاد ظاہری کا نام ہے مگر ایمان باطن اس کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح ایمان کو انقیاد باطن کو کہتے ہیں مگر انقیاد ظاہری بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام بلا ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔ علامہ زبیدی (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۸) نے اس تلازم پر اشاعرہ اور حنفیہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ حدیث کے عام نظریہ میں ایمان و اسلام یا تو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں صرف خصوصیات کا کچھ فرق ہے ورنہ کم از کم متلازم ضرور ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں (کتاب الایمان ص ۱۰۴) قرآن کریم سے ایک لطیف استنباط فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (بقرہ: ۱۱۲) (لا خوف علیہم میں جملہ اسمیہ اور ولاہم یحزنون میں جملہ فعلیہ استعمال

کرنے کا نکتہ حافظ ابن تیمیہؒ نے نہایت لطیف لکھا ہے (کتاب الایمان ص ۱۰۴)

کیوں نہیں؟ جس نے تابع کر دیا اپنی ذات کو اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لیے ہے اس کا ثواب اس کے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الدِّينَ أَمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (بقرہ ۶۲)

بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین۔ جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک کام کیے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں اسلام اور عمل صالح پر جو وعدہ فرمایا گیا ہے دوسری آیت میں وہی وعدہ ایمان اور عمل صالح پر مذکور ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام دونوں متلازم چیزیں ہیں۔

ابو طالب مکی نے اس مضمون پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس کی خوب ایضاح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایمان و اسلام کی مثال ایسی ہے جیسی شہادتین کی کہنے کو تو شہادۃ وحدانیت اور شہادۃ رسالت دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر پھر ان میں ایسا ارتباط ہے کہ بلحاظ حکم گویا ایک ہی ہیں۔ رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کارآمد نہیں ہوتی اور شہادت وحدانیت بلا شہادت رسالت کے بیکار رہتی ہے۔ ایک انسان کے لیے جس طرح قلب کی ضرورت ہے اسی طرح جسم کی ضرورت بھی ہے نہ کوئی قالب بلا قلب کے زندہ رہ سکتا ہے نہ قلب بلا قالب کے بسر کر سکتا ہے۔ خیمے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک اوپر کا کپڑا دوسرا اندرونی چوب، نہ یہ کپڑا بلا چوب کے تنہا رہ سکتا ہے اور نہ صرف چوب بلا کپڑے کے خیمہ کہلائی جاسکتی ہے کلام کی حقیقت دو ہونٹ اور ایک زبان سے قائم ہے دونوں ہونٹ حروف جمع کر دیتے ہیں اور زبان ان کو بشکل کلام ادا کر دیتی ہے اگر ایک ہونٹ نہ رہے تو کلام کی حقیقت باطل ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح اعمال ظاہرہ اور اعتقاد باطن یعنی اسلام و ایمان کا ارتباط ہے۔ صرف اعمال ظاہرہ بلا اعتقاد باطن کھلا ہوا نفاق ہیں اور محض اعتقاد باطن بدون اعمال ظاہرہ کے کفر کی ایک صورت ہے۔ اسلام یا ایمان کو اسی وقت معتبر کہا جاسکتا ہے جب کہ اعمال ظاہرہ کے ساتھ تصدیق باطن ہو اور تصدیق باطن کے ساتھ اعمال ظاہرہ بھی ہوں۔ قرآن کریم نے کفر کو ایمان و اسلام ہر دو کا مقابل قرار دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ. (آل عمران: ۸۶)

خدائے تعالیٰ بھلا اس قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر کفر اختیار کیا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَيُّأَمْرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. (آل عمران: ۸۰)

یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مسلمان ہو پھر رسول تم کو کفر کا حکم کرے۔

پہلی آیت میں کفر کو ایمان کے بالمقابل اور دوسری آیت میں اسلام کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان ایک دوسرے سے جدا چیزیں نہیں ہیں، اسلام کا ترک کرنا، ایمان کا ترک کرنا ہے اور ایمان کا ترک کرنا اسلام کا ترک کر دینا ہے اور نتیجہ ہر دو کا وہی ایک کفر ہے۔ (توت القلوب ج ۳ ص ۱۲۹)

غرض اعمال ظاہرہ بلا اعتقاد باطن صحیح نہیں ہو سکتے اور نہ اعتقاد باطن بلا اعمال ظاہرہ کی شہادت کے ثابت ہو سکتا ہے۔ اس

لیے ہر مسلم کے لیے ایمان اور ہر مومن کے لیے اسلام ضروری اور ناگزیر ہے۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) قدس سرہ فرماتے تھے کہ تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے اختلاف موطن سے اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک استاد مرحوم کا یہ بیان اسلام کامل اور ایمان کامل سے متعلق ہے اور غالباً اس کا منشاء امام غزالی کی وہ تحقیق ہے جس کا بیان آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارے فقہاء کے اختلافات بھی اپنی جگہ صحیح وجوہ و اسباب پر مبنی ہیں مگر ہمیں تو یہاں وہ لکھنا تھا جو امت کے حق میں زیادہ نافع ہو تفصیل کے لیے علم کلام ہے۔

ایمان میں زیادت و نقصان کی بحث

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایمان قلب میں مختلف راستوں سے داخل ہو جاتا ہے کبھی اپنی جان و مال کا تحفظ التزام طاعت کا داعی ہوتا ہے جیسا کہ طلقاء مکہ کا اسلام کبھی چند درہم مغشوشہ کی طمع التزام طاعت پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ مؤلفہ قلوب کا اسلام کبھی محض قومی تقلید اور جمہور کا اتباع اس کا محرک بن جاتا ہے جیسا کہ اکثر اعراب کا اسلام ان سب صورتوں میں اگر سیدہ رسول کی عداوتوں سے خالی ہو چکا ہے اور نفس نے دین الہی میں داخل ہو جانے کی تیاری کر لی ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہے مگر یہ ایسا اسلام ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہات اس کے یقین کو متزلزل کر سکتے ہیں، ذرا ذرا سی تکلیفیں اس کو اپنے مذہب سے پھیر سکتی ہیں۔ مذہب کے لیے قربانی کا اس میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ جہاد کی دعوت اس کے لیے پیام موت ہوتی ہے۔ آیات ربانیہ کا پیہم نزول اس کے ایمان میں کچھ افزونی نہیں بخشتا اور اسی امن و عافیت کی زندگی میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک اسلام ہے اور آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ. (الحجرات: ۱۳)

یعنی اعراب کہتے ہیں کہ ایمان ہمارے دلوں میں سرایت کر گیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ ایسا دعویٰ ابھی مت کرو ابھی اسلام صرف تمہارے ظاہر تک ہے۔ ہاں امید ہے کہ آئندہ دلوں تک اتر جائے۔

یہ اسلام کے وجود لفظی کے ابتدائی حالات ہیں لیکن جب یہ ایمان اور ترقی کرتا ہے تو اس کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ اہل ایمان کی صحبت اسے اپنا ہم رنگ بنا لیتی ہے کبھی آیات قرآنی پر غور و فکر ایمان کی تروتازگی کا باعث بن جاتا ہے کبھی محض موہبت الہیہ کشاں کشاں ایمان حقیقی تک لے آتی ہے۔ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ پہلے جو قلب ظلمت کدہ تھا اب نور ایمانی سے وادی ایمان بن گیا ہے حقائق ایمانیہ آفاقاً منکشف ہوتی چلی جاتی ہے۔ راہ اسلام میں ہر ضرب ایک نئی تازگی بخشتی ہے۔ طبل جنگ کی آواز صدائے سرود سے زیادہ سہانی اور مستانی معلوم ہوتی ہے۔ آیات قرآنیہ کی تلاوت وہ کام کرتی ہے جو بر رحمت کے قطرے کھیتوں میں۔ قدرت اس کو طرح طرح آزماتی ہے مگر ہر امتحان اس کے لیے ایک نیا یقین بخشتا ہے۔ عبادت میں دلچسپی کا سوال درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ فتح و ظفر اور شکست و انہزام سب برابر نظر آتے ہیں اور اس طرح انقیاد باطن کی ایک ایک منزل تمام طے ہو جاتی ہے۔ آپس کے تعلقات نظر سے گر جاتے ہیں اور صرف ایک تعلق رہ جاتا ہے اور وہ خدا کا تعلق ہے اب جس سے محبت ہے اسی کی خاطر ہے اور جس سے جنگ ہے اسی کے نام پر ہے ایک وہ مومن تھا اور اب یہ ایک مومن ہے اسی کا نام ایمان کی زیادتی ہے۔ اب آیات ذیل کو بغور پڑھ لو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا
الْخ..... الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا. (الأنفال: ۲: ۳)

مومن صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آئے تو خوف زدہ ہو جائیں اور جب اس کی آیات ان پر تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان اور روشن ہوں۔ نمازیں نہایت خوبی کے ساتھ پڑھیں اور ہمارے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ مصارف خیر میں بھی صرف کرتے رہیں۔ پس ٹھیک مومن تو یہ ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زیادتی سے مراد صرف تصدیق ہے ہرگز نہیں بلکہ جب کبھی ایک مومن گوشِ انقیاد و اطاعت سے کلام پاک کو سنتا ہے تو ہر بار معانی پر غور و فکر اس کے قلب میں جنت کی نئی رغبت اور آخرت کا نیا خوف خدائے تعالیٰ کی ایک نئی محبت اس کی طاعت کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور اسی کا نام قرآن کریم نے ایمان کی زیادتی رکھا ہے۔

عمر بن حبیبؒ صحابی فرماتے ہیں کہ جب ہم خدا کی تسبیح و حمد میں مشغول ہوں تو یہی ایمان کی زیادتی ہے اور جب غفلت و نسیان میں مبتلا ہو جائیں تو اسی کا نام ایمان کا نقصان ہے۔ حضرت ابوالدرداءؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے سمجھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہے کہ کچھ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا چونکہ دن رات کا یہی ایک مشغلہ تھا کہ وہ اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرتے جب کوئی آیت اترتی تو اپنی روح میں ایک نئی ایمانی تازگی محسوس کرتے۔ ادھر کفار کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ اس جذبہ کا تمسخر اڑاتے اور مذاق بنایا کرتے۔

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا مَّعَ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا
وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ. وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ. (التوبة: ۱۲۳-۱۲۵)

جب کوئی سورت اترتی تو ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو یہ پوچھتی بھلا تم میں سے کسی کا ایمان بڑھا جی ہاں جو ایمان لاکھ ہے ان کے ایمان میں تو ترقی ہوئی اور انہوں نے بڑی بشارت حاصل کی لیکن جن کے دلوں میں روگ تھا ان کی نجاست میں اور اضافہ ہو گیا۔ آیت قرآنی کا ادب و یقین سے سننا یقیناً ایمان میں ترقی بخشتا ہے۔ یہ زیادتی کبھی جدید علوم حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے کبھی سکینت و فرحت کی صورت میں میسر آتی ہے، کبھی ہدایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے پہلی آیت میں اسی کا نام استبشار ہے۔

وَيَوْمَئِذٍ يُفْرِخُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ. (الروم: ۴)

اس روز مومنین خدا کی نصرت پر مسرور ہوں گے۔ یہاں اس زیادتی کو فرح و سرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ. (الفتح: ۴)

خدا ہی کی وہ ذات تھی جس نے مومنین کے دلوں پر سکینت و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تاکہ ان کے پہلے ایمان میں اور ترقی ہو۔

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنا سکینہ اپنے رسول اور مومنین پر نازل فرمایا اور ایسا لشکر بھیج دیا جس کو تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا۔ (یعنی فرشتے)

إِنَّمَا فِي الْغُلَاذِ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَاكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَكَانَ بِجُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۴۰)

جب کہ وہ دونوں غار میں پوشیدہ تھے اور خدا کا رسول اپنے رفیق کو سمجھا رہا تھا کہ عمکین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنا سیکنہ نازل فرمایا اور ایسے لشکر کے ذریعہ سے قوت پہنچائی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى. (محمد: ۱۷)

آیات بالا میں یہ سیکنہ و یقین و ہدی سب صفات قلبیہ ہیں مصائب میں یہ یقین کر لینا کہ یہ سب مقدرات ہیں جو ضرور پیش آمدنی ہیں، تقدیر پر ایمان کا ثمرہ ہے اور اسی کا نتیجہ سیکنہ و اطمینان و تسلیم ہے۔

یہ ایمان جب اور عروج کرتا ہے تو اب ایک ذات وحدہ لا شریک لہ پر وہ توکل و اعتماد میسر آ جاتا ہے کہ دشمن کی دھمکی اور دلیری کا باعث بن جاتی ہے۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ. (آل عمران: ۱۷۳)

یہ وہ جماعت ہے جن کو کفار نے دھمکی دی کہ تمہارے لیے بڑی فوج تیار کی گئی ہے تو ذرا ڈرنا اس پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور بولے کہ ہمیں خدا کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔

اس قسم کا ایک امتحان نہیں بلکہ سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے۔ ہنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شديداً. مگر شک و تردد کا ایک کاٹا بھی ان کے دامن یقین میں نہیں چبھتا۔ وہ کوہ استقامت اور یقین کی ایک چٹان بن جاتے ہیں کہ مصائب کے لشکر اگر ان سے ٹکراتے ہیں تو خود پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں دے سکتے، جان و مال کی قربانی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ ان امتحان کے بعد اب ایک مومن اپنے دعویٰ میں سچا مان لیا جاتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ. (الحجرات: ۱۵)

مومن صرف وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ جب خدا اور رسول پر ایمان لا چکے تو پھر شک و تردد کے پاس نہ پھٹکے بلکہ جان سے مال سے اللہ کے راستہ میں قربان ہو گئے بس یہی لوگ سچے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اگر بناء بر بشریت کبھی ان سے ذرا کمزوری ظاہر بھی ہو جاتی تو قرآن فوراً تنبیہ کر دیتا ہے اور تفہیم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا کہ ایمان جو صرف عشق کی راہ ہے کمزوری اور بزدلی سے طے ہونے والی نہیں ہے۔

اِس شربت عاشقیست خسرو
بے خون جگر چشید نتواں

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ. (آل عمران: ۱۶۲)

تم نے کیا یہ خیال کر لیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اللہ نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ جان و مال کی قربانی کیلئے تم میں کون کون تیار ہے۔ خدا کی راہ میں ایک بڑی قربانی یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے باپ، بیٹا، بھائی، قبیلہ سب کو ایک طرف رکھ دیا جائے

بس ساری محبتوں اور عداوتوں کا محور ایک خدا کی ذات رہ جائے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ. (المجادلہ: ۲۲)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرنا دیکھیں
خواہ وہ ان کے والد یا اولاد یا بھائی یا قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں بس یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نہایت مضبوط قائم ہو چکا ہے۔
اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا لَهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ. (مائدہ: ۸۱)

بھلا اگر کہیں یہ لوگ اللہ نبی اور اس پر نازل شدہ وحی کا یقین رکھتے تو ان کو دوست بناتے مگر بات یہ ہے کہ ان میں اکثر
لوگ حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اقتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَضُّونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ. (نوبہ: ۲۳)

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دیجئے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا
کنہ، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے۔ تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں
اس قدر پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب
ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

اسکے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو ایمان کے زیادت و نقصان پر برہان قاطع ہیں مگر آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اس کا تعلق ایمان
کے وجود یعنی سے ہے وجود یعنی نفس تصدیق سے نہیں۔ (حافظ ابن تیمیہ نفس تصدیق میں بھی تشکیک کے قائل ہیں کتاب الایمان ص ۹۲ و ۹۵ و ۱۶۶)

ایمان اور اعمال صالح کا توسل

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَأَوُّوا إِلَى قَارٍ فِي جَبَلٍ
فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ صَخْرَةٌ فَتَوَسَّلَ أَحَدُهُمْ بِيٍّ وَالثَّانِي بِتَرْكِ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَالثَّالِثُ بِرِدِّ حَقٍّ
إِلَى مُسْتَحِقِّهِ "بَعْدَ أَنْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوا أَعْمَالًا صَالِحَةً عَمِلْتُمُوهَا لِلَّهِ فَادْعُوا اللَّهَ بِهَا لَعَلَّهُ
يُفَرِّجُهَا عَنْكُمْ فَادْعُوا وَتَوَسَّلُوا فَفَرَّجَ عَنْهُمْ الصَّخْرَةَ وَخَرَجُوا مِنَ الْغَارِ سَالِمِينَ."

تشریح آمیز ترجمہ

”تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ بارش آگئی انہوں نے قریب ہی ایک پہاڑ کے ایک غار میں بارش سے پناہ لے لی کہ

اچانک پہاڑ پر سے ایک چٹان گر گئی اور غار کا دہانہ اس چٹان سے بند ہو گیا (جس کی وجہ سے ان کے لئے اب اس غار سے باہر نکلنے کی کوئی امید اور کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں انہوں نے آپس میں کہا کہ ساتھیو! اب ہم لوگ اپنی پچھلی زندگی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی رضا و خوشنودی کے لئے کوئی کام کیا ہو تو اس وقت اُس کے واسطے اور توسل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس مصیبت و پریشانی سے نجات دیدیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں بال بچوں والا ایک غریب آدمی ہوں، میرے بوڑھے ماں باپ بھی ہیں، میں روزانہ شام کو جنگل سے اپنی بکریاں چرا کر جب گھر لوٹا تو ان بکریوں کا دودھ پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا اس کے بعد اپنے بچوں کو پلاتا تھا۔ ایک روز مجھے جنگل سے آنے میں دیر ہو گئی اور میرے ماں باپ سو گئے۔ گھر آنے پر میں نے بکریوں کا دودھ دوہا اور ماں باپ کے لئے لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا کہ وہ اٹھیں تو انہیں پلا دوں، ادھر میرے بچے بھوک کی وجہ سے میرے پاؤں پر پڑے لوٹتے اور مچلتے رہے۔ لیکن میں نے انہیں نہیں پلایا کہ پہلے ماں باپ کو پلاؤں۔ میں ساری رات اسی طرح ان کے سرہانے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور ماں باپ جاگ گئے۔ تو اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ میرا یہ طرز عمل صرف تیری خوشی کے لئے تھا تو اس چٹان کو غار کے دہانے سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان تھوڑی سی کھسکا دی کہ وہ لوگ آسمان دیکھنے لگے۔ اس کے بعد دوسرے شخص نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میری ایک چچا زاد بہن تھی جسے میں بہت زیادہ چاہتا تھا کہ شاید ہی کوئی مرد کسی عورت کو اتنا چاہتا ہو ایک بار میں نے اس سے اپنے جنسی خواہش پوری کرنے کی بات کہی، اس نے انکار کر دیا اور کچھ روپے مانگے کہ اگر اتنی رقم دیدو تو خواہش پوری کر سکتے ہو، میں نے اسے وہ رقم دیدی اور اس کی رانوں کے درمیان بیٹھ گیا کہ اپنی خواہش پوری کر لوں۔ عین وقت پر اس لڑکی نے کہا کہ دیکھو، خدا سے ڈرو اور ناحق و ناجائز طور پر یہ کام نہ کرو۔ اتنا سنتے ہی میں وہاں سے ہٹ گیا اور حرام کام نہیں کیا۔ اگر حرام سے یہ پرہیز تیرے خوف ہی سے کیا گیا تھا تو اس کے توسل سے ہمیں نجات دیدے۔ اب دوبارہ وہ چٹان ذرا اور کھسک گئی۔ پھر تیسرے نے کہا کہ میرے کھیت پر ایک مزدور نے کام کیا تھا اور مزدوری کا غلہ میرے پاس امانت رکھ گیا تھا میں نے فصل پر اسے بودیا تھا اس کی آمدنی ہوئی، پھر یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا، جس کی آمدنی سے بہت سے جانور بھی ہو گئے تھے۔ مدتوں بعد وہ آدمی آیا اور اپنی مزدوری مانگی۔ میں نے اس کی مزدوری سے حاصل ہونے والا غلہ اور مویشی اس کے سپرد کر دیئے۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا، اس کی وجہ سے یہ چٹان ہم پر سے ہٹا دے۔ اور اب یہ چٹان اتنی کھسک گئی کہ یہ تینوں باہر نکل آئے۔

خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان ایمان ہے سرمایہ و دولت نہیں

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ

وَأَنَّ اللَّهَ يُعْطِي الثَّنِيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الْإِيمَانَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ. (رواه الحاكم في المستدرک)

عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی کی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے اخلاق کی بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ و فراخ رکھا ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی

کے وسیع رکھے ہیں) وہ دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولت ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہے۔

تشریح۔ انسان کی تمام شرافت و کمال اس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے کمال پر موقوف ہے ان ہی کے سنور جانے کا دوسرا نام ایمان اور عمل صالح ہے کفر و ایمان کی تقسیم ان ہی کے بگڑنے اور سنور نے پر دائر ہے جس کی یہ دونوں قوتیں سنور گئیں وہ سنور گیا اور جس کی بگڑ گئیں وہ بگڑ گیا۔ اسی لیے سورہ واتھین اور سورہ العصر میں انسانی شرافت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے اسفل السافلین اور ابدی خسارہ سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ حریت انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور عبدیت اس کے لیے بدترین داغ۔ لیکن اگر حریت کیساتھ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور عبدیت کیساتھ ایمان میسر آ جائے تو حریت کی شرافت، شرافت نہیں رہتی اور عبدیت کا عیب، عیب نہیں رہتا۔ ولعبد مؤمن خیر من مشرک۔ ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک سے بدرجہا افضل ہے۔ پس اسلام میں خدا کے دوست و دشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ و دولت پر نہیں بلکہ ایمان و کفر پر ہے۔ دنیا کی دولت دوست و دشمن سب میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصہ میں لگادی گئی ہے۔

جنت میں صرف مؤمن جائیں گے

عَنْ عُمَرَ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ قُتِلَ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا قُلَانٌ شَهِيدٌ حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ فَقَالُوا قُلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ. فَنَادَيْتُ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ. (اخرجه ابن ابی شیبہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شہید ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک اور مقتول پر گذرے، تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں صحابی شہید ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے اس کو ایک چادر یا عباءہ (چراغ کی) سزا میں دوزخ میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے ”المؤمن“ یعنی پورے پورے ایمان دار ہیں، میں گیا اور میں نے یہ اعلان کر دیا۔

تشریح۔ یہ حدیث جہاں ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ جنت صرف مؤمنوں کا حصہ ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ ”المؤمن“ کا خطاب حاصل کرنے میں ایک بے قیمت چادر اور ایک معمولی عباءہ کی چوری بھی حائل ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جنت کوئی معمولی متاع نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں ”المؤمن“ کا خطاب بھی معمولی خطاب نہیں۔ دنیا اپنے اندازہ خیال پر ایک شخص کو شہید کہہ دیتی ہے لیکن اسلام اب بھی اس کو ”المؤمن“ کا خطاب نہیں دیتا کوئی شخص صرف ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے خواہ وہ عذاب الہی کی دائمی گرفت سے نجات پانے کا مستحق ہو جائے لیکن ”المؤمن“ کے معزز خطاب کا اس وقت تک مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی نظری اور عملی دونوں قوتیں کامل نہ ہو جائیں یعنی وہ اسلام کے عقائد اور اعمال کا پورے طور پر پابند نہ ہو جائے اور اس پابندی میں وہی

کیف آزادی محسوس کرنے نہ لگ جائے اس کے بعد پہلے جنت کا مشاق وہ تھا اور اب جنت اس کی مشاق ہو جائے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوْ لَا أَذْلِكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں نہیں جاؤ گے اور جب تک باہمی محبت نہ کرو گے پورے مؤمن نہیں بنو گے تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتا دوں کہ جب اس کے خوگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) کہ آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا آشنا ہو یا نا آشنا۔

تشریح۔ اس حدیث میں ایمان کو محبت پر اور محبت کو سلام پر معلق کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال بادی النظر میں گو معمولی نظر آتے ہیں مگر دوسرے اہم مقصد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سلام بظاہر ایک معمولی درجہ کا خلق ہے لیکن اس کا نتیجہ باہمی الفت و محبت ہے محبت صرف ایک جاذبیت و تاثر ہی کا نام ہے مگر اس کے باوجود وہ ایمان کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کی محبت کی یہ راہ رسول کی محبت میں پھر رسول سے صحابہ کی محبت میں اور اسی طرح درجہ بدرجہ عامہ مؤمنین کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے اس لیے خدا کی محبت تک رسائی کے لیے ان محبتوں کو بھی عبور کرنا ناگزیر ہے اور اس طرح مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان باللہ کا نتیجہ مؤمنین کی محبت ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے مؤمنین سے بغض و کینہ کی زد براہ راست آدمی کے اسلام پر پڑتی ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں یہ دعاء تعلیم کی گئی ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا. (اور ہمارے دلوں میں اس جماعت سے کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکی ہے) اس کینہ کو دور کرنے کا سب سے سہل اور فطری نسخہ یہی سلام ہے اسی لیے ذرا سی شکر رنجی میں مراسم محبت میں جو چیز پہلے ختم ہوتی ہے وہ یہی سلام ہے۔ اس بیان کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اسلام میں باہمی سلام کی حیثیت ایک رکن کی حیثیت ہوتی لیکن جن امور کو پورے ضبط میں لایا نہیں جاسکتا ان کی اہمیت کے باوجود شریعت ان کو رکن کا درجہ نہیں دیتی بلکہ ایمان کا ایک شعبہ قرار دے دیتی ہے۔ اسی لیے حیاء بھی ایمان کا صرف ایک شعبہ قرار دی گئی ہے، یہاں بھی پورا پورا انضباط مشکل ہے۔ پس اس حقیقت سے کسی موقع پر بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ جن امور کو شریعت شعبہ قرار دیتی ہے وہ ہمیشہ معمولی اور غیر اہم نہیں ہوتے کبھی کبھی ارکان کے درجہ کی چیزیں ان کے غیر منضبط ہونے یا قانون یسر کے تقاضہ سے شعبہ قرار دے دی جاتی ہیں۔

کمالِ دین کی بشارت اس امت کے سوا کسی کو نہیں دی گئی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَالَ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرُونَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعَشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَا تَخْدُنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عَيْدًا قَالَ آيَةُ قَالَ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدة: ۳) قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. (رواه البخاری ومسلم والترمذی عن ابن عباس)

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کے قرآن میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں اگر کہیں وہ ہم یہودیوں کے لیے نازل ہوتی تو ہم اس دن عید منایا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ کون سی آیت ہے، اس نے کہا یہ آیت (آج ہم تمہارا دین کامل کر چکے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے حق میں دین صرف اسلام کو پسند کر لیا) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم وہ دن بھی جانتے ہیں اور وہ جگہ بھی جانتے ہیں جہاں یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی، جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رکن وقوف ادا فرما رہے تھے (یعنی اس دن ہماری دو عیدیں تھیں)

تشریح۔ یہود و نصاریٰ اسلام کے ساتھ ہمیشہ رقابت کا تعلق رکھتے تھے اور ہر موقع پر اس گھات میں رہا کرتے تھے کہ اپنے دین کی برتری یا اسلام کی کمتری ثابت کر دیں لیکن جب عین حج کے موسم میں آیت مذکورہ نازل ہو گئی تو ان کی حسرت کی حد باقی نہ رہی کہ ان کے پاس شریعت تورات جیسی بسیط شریعت موجود ہونے کے باوجود اکمال دین کی بشارت ان کے حصہ میں نہ آئی اور آئی تو کن کے حصہ میں جو ہمیشہ ان کے رقیب اور مد مقابل رہا کرتے تھے اس لیے جب ان سے کچھ اور بن نہ پڑا تو کھیا کر ایک یہی اعتراض جڑ دیا کہ اگر یہ آیت ہمارے حق میں اترتی تو ہم اتنے خوش ہوتے کہ اس دن عید منایا کرتے ان کے علی الرغم حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ نادانو تمہیں یہ خبر نہیں کہ اس دن تو قدرتی طور پر ہماری دو عیدیں جمع تھیں۔ قرآن کریم کی یہ ایک ہی بشارت درحقیقت تین بشارتوں پر مشتمل ہے۔ اگر ان کی جدا جدا تفصیل کی جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی اس لیے ہم یہاں ابن عباسؓ کے صرف وہی کلمات نقل کرنے پر کفایت کرتے ہیں جو انہوں نے اس بشارت کی تشریح میں بہت مختصر مگر بہت جامع ارشاد فرمائے تھے۔

آج ہم تمہارا دین کامل کر چکے تو اب اس میں کبھی کسی زیادتی کی ضرورت نہ پڑے گی اور اپنی نعمت پوری کر چکے تو اب یہ دین کبھی ناقص نہ ہوگا اور تمہارے حق میں ہمیشہ کے لیے یہی دین پسند کر چکے تو اب کبھی اس سے ناراض نہ ہوں گے (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹) شریعت موسویہ اپنے زمانہ میں گو کامل ہی شریعت تھی مگر کچھ زمانہ بعد اس میں پھر زیادتی کمی کی ضرورت پیش آ گئی۔ مزید برآں یہ کہ وہ اس طرح مسخ ہو گئی کہ پھر اسی کی اتباع مغضوب علیہم اور ضالین کی شان بن گئی۔ اس آیت میں اہل اسلام کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ انقلابات کی آندھیاں یہاں بھی آئیں گی مگر ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اس دین میں زیادتی و نقصان کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔ یا یہ دین بھی ایسا محرف ہو جائے کہ اس کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کی رضاء کی بجائے اس کی ناراضگی کا موجب بن جائے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ دین آخری دین ہے اس لیے تحریف اور نسخ دونوں سے محفوظ رہے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا دین مقبول نہ ہوگا۔

مؤمن عاصی کے حق میں مغفرت کی بشارت

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغَفَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ

مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ

سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ عَلَى رَغَمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ. (رواه الشيخان والترمذی)

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ خوش خبری لائے کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال پر مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرایا ہو تو وہ جنت میں جائے گا میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے چوری اور زنا (جیسے کبائر کا) ارتکاب کیا ہو آپ نے فرمایا اگرچہ چوری و زنا کا ارتکاب کیا ہو، میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ نے پھر وہی فرمایا چوتھی مرتبہ میرے اصرار پر فرمایا ہاں اگرچہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اس حدیث کو نقل کرتے تو آپ کے اس فقرہ کو بھی نقل کر دیتے تھے۔

تشریح۔ آدمی بے چارے کی پرواز ہی کیا، یہ غریب رحمت کی وسعت کا اندازہ لگائے بھی تو کیا لگائے ایک کلمہ سے عمر بھر کے جرم بغاوت کی معافی کا اعلان سنتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ ادھر دیکھتا ہے کہ جو زبان اس کا اعلان کر رہی ہے وہ مبالغہ آمیزی کی عادی نہیں اس لیے مسرت و حیرت کے مابین وہ اس سوال کو بار بار دہرانے کے لیے مضطرب ہو جاتا ہے جو حضرت ابو ذرؓ کی زبانی ابھی آپ نے پڑھا۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے کانوں کے نارسائی اور قصور فہم کے جتنے موانع بھی ہو سکتے ہیں سب کو صاف کرے اور یقین کرے کہ ان کے کانوں نے سننے میں غلطی نہیں کی، عقل نے سمجھنے میں ٹھوکر نہیں کھائی اور بات درحقیقت یونہی تھی جو اس نے پہلی مرتبہ سنی۔ ابو ذرؓ کے اس عالم حیرت کو ختم کرنے کے لیے یہی ایک تدبیر کارگر ہو سکتی تھی کہ ان سے ایسا محبت بھرا کلمہ سرزنش کہہ دیا جائے جو ان کی اس حیرت کو ختم کر دے اور اپنی لذت کو ان کے سینہ میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے۔ اسی لیے حضرت ابو ذرؓ جب اس روایت کو بیان فرماتے تو ساتھ ہی اس عتاب آمیز تلافی کو بھی ذکر کر دیتے خود محفوظ ہوتے اور ذوق محبت رکھنے والوں کو بھی محبت کی ان تلخیوں کی یاد دلادلا کر محفوظ کرتے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زنا و سرقة کے بعد اگر زندگی کے آخری لمحات میں بھی اسلام نصیب ہو جائے یا ان گناہوں سے توبہ کر لے تو اس کے یہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔ (ص ۸۶)

عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نُعَيْمٍ قَالَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ. (رواه احمد والطبرانی)

سالم بن ابی الجعد سلمہ بن نعیم سے روایت کرتے ہیں (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ عزوجل کا شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں جائے گا اگرچہ چوری اور زنا کا مرتکب ہوا ہو۔ (اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي وَحْدَهُ لَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ قَالَ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ فَالْتَفَتَ فَرَأَنِي فَقَالَ

مَنْ هَذَا قُلْتُ أَبُو ذَرٍّ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ تَعَالَهُ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ إِنَّ الْمُكْثَرِينَ هُمُ الْمُقْلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللَّهُ خَيْرًا وَنَفَخَ فِيهِ يَمِينَهُ وَشِمَالَهُ وَبَيَّنَ يَدَيْهِ وَوَرَاءَهُ وَعَمِلَ فِيهِ خَيْرًا قَالَ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ لِي اجْلِسْ هَهُنَا قَالَ فَاجْلِسْنِي فِي قَاعِ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ فَقَالَ لِي اجْلِسْ هَهُنَا حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكَ قَالَ فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتَّى لَا أَرَاهُ فَلَبْتُ عَنِّي فَأَطَالَ اللَّبْتُ (وفى باب من اجاب بليک وسعديک فسمعت فتخوفت ان يكون عرض لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاردت ان اذهب ثم ذكرت قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تبرح فمكثت قلت يا رسول الله سمعت صوتاً خشيت ان يكون عرض لك الخ) ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ وَهُوَ يَقُولُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ فَلَمَّا بَجَاءَ لَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَ كَ مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ ذَاكَ جِبْرِئِيلُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ قَالَ بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ يَا جِبْرِئِيلُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ. (رواه البخاري في الرقاق)

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور شخص نہیں ہے میں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کسی کو لینا مناسب نہ سمجھا ہوگا لہذا میں چاندنی سے ہٹ کر اندھیرے اندھیرے میں چلتا رہا آپ نے رخ پھیرا تو مجھے دیکھا فرمایا کون؟ میں بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں ہوں ابو ذر۔ فرمایا اے ابو ذر یہاں آؤ، میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یہاں بہت مال دار ہیں قیامت میں وہی سب سے زیادہ نادار ہوں گے مگر صرف وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے چاروں طرف (فقیروں کو خوب) دیا اور خوب اچھے اچھے کام کیے۔ پھر میں تھوڑی دیر ساتھ چلا تو مجھ سے فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے ایک صاف میدان میں بٹھا دیا جس کے ارد گرد پتھر ہی پتھر تھے اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں بیٹھے رہنا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سنگستان کی طرف تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہو گئے، آپ کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی (واپس آئے) تو میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے آ رہے تھے اگر چہ چوری کی ہو اگر چہ زنا کیا ہو جب میرے پاس تشریف لے آئے تو مجھ سے نہ رہا گیا آخر میں نے پوچھ ہی لیا یا نبی اللہ آپ پر قربان ہوں اس سنگستان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے بات چیت کرتے آ رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے کسی کی آواز نہیں سنی فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ سنگستان میں میرے پاس آئے تھے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو شرک سے پاک و صاف مر گیا وہ ضرور جنتی ہے۔ میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام اگر چہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو، انہوں نے فرمایا جی ہاں اگر چہ شراب بھی کیوں نہ پی ہو۔ (بخاری شریف)

اسلام زمانہ کفر کے سب گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا أَلْقَى اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ فِي قَلْبِي الْإِسْلَامَ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَايِعَنِي فَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ فَقُلْتُ لَا أَبَايَعُكَ حَتَّى يُغْفِرَ لِي مَا تَقَلَّمْتُ مِنْ ذَنْبِي قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَمْرُو أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْهَجْرَةَ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ يَا عَمْرُو أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا قَبْلَهُ مِنَ الذُّنُوبِ. (رواه احمد وسعيد بن منصور في مسنده)

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت ڈال دی تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا تا کہ آپ مجھے بیعت فرمائیں آپ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا میں نے کہا میں اس وقت تک آپ سے بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ میرے سب پچھلے گناہ معاف نہ ہوں، آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہجرت پہلے سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام پہلے گناہوں کا تمام قصہ پاک کر دیتا ہے۔ (سنن احمد)

تشریح۔ قرآن کریم نے رحمت کے اس عفو کرم کے قانون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ (الانفال: ۳۸) ”آپ! کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (اپنی حرکتوں سے) اب بھی باز آجائیں تو ان کے پچھلے قصور سب معاف کر دیئے جائیں گے“ جو دین تمام ادیان کو ایک دین اور سب ملتوں کو ایک ملت بنانے آیا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ تمام اہل مل کی سب سے زیادہ مشترک خواہش کو پورا کرنے کی ضمانت دے یہ ظاہر ہے کہ مذہب کی تلاش صرف اس لیے ہے کہ بندہ کو اپنے خالق کے قہر سے نجات حاصل ہو جائے اور فطرۃ یہی ایک گنہگار کی سب سے بڑی خواہش ہونا بھی چاہیے اس لیے اسلام اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہر ملک و ملت ہر نسل و رنگ کا جو گنہگار بھی اس کی آغوش میں آجائے گا وہ اسکے گناہوں کی مغفرت اور نجات ابدی کے لیے ضامن ہوگا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں کے ساتھ ہے ان حقوق کے ساتھ نہیں جو قرض، عاریت، امانت اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں اس کے ذمہ ابھی موجود ہیں۔ اسلام ان سب حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں کرتا بلکہ اس کی ذمہ داری اور بڑھادیتا ہے۔ قرض خواہ کا قرض ادا کرنا ہوگا۔ صاحب عاریت کی عاریت ضرور واپس کرنا ہوگی اور امانت دار کو اس کی امانت یقیناً سپرد کرنا پڑے گی۔ آیت مذکورہ اور عمرو بن العاص کی حدیث کا تعلق زنا و سرقة، قتل و غارت جیسے جرائم اور صرف ان حقوق العباد کے ساتھ ہے جو کفر کے زمانہ میں ناحق تلف کر دیئے گئے تھے۔ اسلام کے بعد اب وہ سب محو ہو جائیں گے اور کیسے محو ہوں جب کہ اسلام اس کے کفر و شرک کی اصل تاریکی ہی محو کر چکا ہے۔ کفر ایک موت ہے اور اسلام اس کے بعد ایک حیات نو۔

لیکن جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار پڑ سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لیے اس کو ایسے اعمال کی ضرورت پھر باقی رہتی ہے جو اس کے جدید زندگی کے فروغ و گذشتوں کا کفارہ بن جائیں۔ حدیث مذکور نے اس کے لیے یہاں دو عمل بتائے ہیں ہجرت اور حج۔ یہ دونوں افعال اگر پورے شرائط کے ساتھ ادا کیے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اور خاص حج کے متعلق یہ بھی امید ہے کہ وہ حقوق العباد کا کفارہ بھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ صاحب حقوق

کو اپنے خزانہ غیب سے ان کے حقوق کا عوض دے کر ان سے دست برداری دلا دے اور اسے معاف کر دے۔ مشہور ہجرت تو ختم ہو چکی، حج روز ادا نہیں ہوتا اس لیے ایک کمزور انسان کو جو سرتاپا قصور ہی قصور ہے قدم قدم پر ایسے اعمال کی ضرورت ہے جو اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنتے رہیں اس لیے اسلام میں اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو اس کی اس درمیانی فروگزاشتوں کا کفارہ بنتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ سب اعمال کفارہ کے باب میں فروغی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہجرت اسلامی زندگی کا ایک تاریخی عمل ہے اور حج جملہ ادیان میں اہمیت رکھتا چلا آیا ہے اس لیے ان دونوں کی حیثیت اصل کی ہے اور ان سب کے لیے اسلام کی حیثیت اصل الاصل کی۔

عَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ قَالَ حَضَرْنَا عُمَرَو بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ يَبْكِي طَوِيلًا حَوْلَ وَجْهِهِ إِلَى الْجِدَارِ فَجَعَلَ ابْنُهُ يَقُولُ يَا أَبَتَاهُ أَمَا بَشَرَك رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا أَمَا بَشَرَك رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا قَالَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ إِلَى الْجِدَارِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا نَعُدُّ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ إِنِّي قَدْ كُنْتُ عَلَى أَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَمَا أَحَدٌ أَشَدُّ بُغْضًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّي وَلَا أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ قَدْ اسْتَمَكْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ فَلَوْمُتُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا جَعَلَ اللَّهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أُبْسِطْ يَمِينَكَ فَلَا بَايِعَكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ قَالَ فَقَبَضْتُ يَدِي قَالَ مَا لَكَ يَا عُمَرُو قَالَ قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا قُلْتُ أَنْ يُغْفِرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ يَا عُمَرُو أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَجَلُ فِي عَيْنِي مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنِي مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنِي مِنْهُ وَلَوْمُتُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَذْرِي مَا حَالِي فِيهَا فَإِذَا أَنَا مُتٌ فَلَا تَصْحَبُنِي نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شُنًّا ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَلْبًا مَا تَنْحَرُ جُرُورٌ وَيُقَسِّمُ لِحْمَهَا حَتَّى اسْتَأْنَسَ بِكُمْ وَانْظُرْ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي (رواه مسلم)

ابن شماسہ مہری سے روایت ہے کہ ہم عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے دم واپس کے وقت حاضر تھے وہ زار و قطار رو رہے تھے اور دیوار کی طرف اپنا رخ کیے ہوئے تھے، ان کے صاحبزادہ ان کو سمجھانے لگے۔ اے والد ماجد! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تو بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں یہ سن کر انہوں نے دیوار کی طرف سے اپنا رخ بدلا اور فرمایا ابھی سب سے افضل چیز جو ہم نے آخرت کے لیے تیار کی ہے وہ توحید و رسالت کی شہادت ہے۔ میری زندگی کے تین دور گزرے ہیں ایک دور تو وہ تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص نہ تھا اور جب کہ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا قابو چل جائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالوں یہ تو میری زندگی کا سب سے بدتر دور تھا۔ اگر (خدا نخواستہ) میں اسی حال پر مر جاتا تو یقیناً دوزخی ہوتا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت

ڈالی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا لائیے ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ کیا: میں نے عرض کیا میں کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا شرط لگانا چاہتے ہو، میں نے کہا یہ کہ میرے سب گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام تو کفر کی زندگی کے گناہوں کا تمام قصہ ہی پاک کر دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے تمام گناہ ساقط کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے سب گناہ ختم کر دیتا ہے۔ یہ دور وہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ و برتر میری نظروں میں کوئی اور باقی نہ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے میری یہ تاب نہ تھی کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر کر دیکھ سکتا اگر مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پوچھی جائے تو میں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے کبھی پوری طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں۔ کاش! اگر میں اس حال پر مرجاتا تو امید ہے کہ جنتی ہوتا۔ اس کے بعد ہم کچھ چیزوں کے متولی بنے اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا حال ان میں کیا رہا (یہ تیسرا دور زندگی تھا) اچھا دیکھو جب میری وفات ہو جائے تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ جانے پائے اور نہ زمانہ جاہلیت کی طرح آگ میرے جنازہ کے ساتھ ہو اور جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر میں اچھی طرح مٹی ڈالنا اور (جب فارغ ہو جاؤ) تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر کہ اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو سکتا ہے تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگا رہے اور میں یہ معلوم کر لوں کہ اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوالات کے جوابات کیا دیتا ہوں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الشُّرْكِ قَتَلُوا فَأَكْثَرُوا وَزَنُوا فَأَكْثَرُوا ثُمَّ آتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو لِحَسَنٍ وَلَوْ تَخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (الفرقان: ۶۸) وَنَزَلَ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (الزمر: ۵۳)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ مشرکوں نے خوب قتل اور خوب زنا کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور بولے جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جن کی دعوت دیتے ہیں وہ تو سب ٹھیک۔ کاش آپ ہمیں اس کا بھی اطمینان دلا دیتے کہ جو بدکاریاں ہم پہلے کر چکے ہیں ان کے بخشش کی بھی کوئی صورت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا نہیں مانتے اور جس کا خون اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر ضابطہ میں اور زنا نہیں کرتے اور جو یہ باتیں کریں وہ بڑے گناہ میں جا پڑے) اور یہ آیت بھی اتری (اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)۔

عَنْ عُمَرَو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْخٌ كَبِيرٌ يُدْعَى عَلَى عَصَاةٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) إِنَّ لِي غَدَرَاتٍ وَفَجَرَاتٍ فَهَلْ يُغْفِرُ لِي

قَالَ أَلَسْتُ تَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ بَلَى وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ قَدْ غُفِرَ لَكَ
عَذْرَاتُكَ وَفَجَّرَاتُكَ. (رواه احمد والطبرانی وسنده جید)

عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا اپنی لکڑی کا سہارا لیے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کفر کے زمانہ میں بہت سی خیانتیں اور قسم قسم کی بیہودگیاں کر چکا ہوں کیا (اسلام کے بعد) وہ سب معاف کر دی جائیں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ؟ اس نے کہا کیوں نہیں میں تو یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جا تیری سب خیانتیں اور بیہودگیاں معاف ہو گئیں۔

تشریح ہر عاصی فطرۃ اس کا متلاشی ہوتا ہے کہ اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے۔ اگر تبدیلی مذہب کے بعد بھی گناہوں کا بوجھ سر سے ہلکا نہیں ہوتا۔ تو پھر تبدیلی مذہب کا فائدہ؟ اس لیے اسلام یہ اطمینان دلاتا ہے کہ گنہگاروں کو مایوسی کا موقع نہیں ہے اگر دوسرے مذاہب یہ گارنٹی نہیں کرتے تو اسلام خوشی سے اس گارنٹی کے لیے تیار ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسَنَ إِسْلَامَهُ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أََمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهَا. (رواه البخاری فی الایمان)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام خوبصورت اسلام بن جاتا ہے تو جتنی برائیاں وہ پہلے کر گذرا تھا اللہ تعالیٰ سب معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی کے عوض میں دس نیکیوں سے سات سو گنا تک نیکیاں مل سکتی ہیں اور برائی کے بدلہ میں صرف ایک برائی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے (تو اب برائی کے بدلہ ایک برائی بھی نہیں لکھی جاتی)۔

تشریح۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ عقائد درست ہوں۔ ظاہر و باطن سے اسلام قبول کر لیا جائے اور ہر عمل کے وقت یہ تصور قائم رکھنے کی کوشش رہے کہ قادر مطلق کی نظر اس کو برابر دیکھ رہی ہے وہ اس سے دور نہیں بہت قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ رگ جان بھی اتنی قریب نہیں۔ جو نقل و حرکت وہ کرتا ہے اس کو خوب جانتا ہے۔ اس طرح اسلام قبول کرنے کا خاصہ یہ ہے کہ جو بدکاریاں وہ کفر کی زندگی میں کر چکا ہے وہ ایک قلم معاف ہو جاتی ہیں اور اس کو ایک ایسی نئی اور پاک زندگی میسر آ جاتی ہے جیسا آج وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ شیخ محی الدین نووی فرماتے ہیں۔ کہ اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے محض نمائشی اسلام نہ ہو کہ یہ نفاق ہے۔ پس جو دل سے مسلمان ہو گیا اس کے زمانہ کفر کے سب گناہ معاف ہو گئے اور جس کے دل میں نفاق رہا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔

ایمان کے بغیر اعمال خوشنما قالب ہیں جن میں روح نہیں

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدٌ الْإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ الَّذِي يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ أَعْيُنُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ هَكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتَّى سَقَطَتْ قَلَنْسُوتُهُ فَمَا أَفْرَى أَلَنْسُوتُهُ عُمَرَ أَرَادَ أَنْ يَلْقَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدٌ الْإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَكَانَ مَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشُوكٍ طَلَحَ مِنَ الْجَبَنِ أَنَّهُ سَهُمٌ غَرِبَ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الثَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ فِي الثَّرَجَةِ الثَّلَاثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلَى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ فِي الثَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ. (رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

فضالہ بن عبیدروایت فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک وہ کھرے ایمان والا جو دشمن کے مقابل ہوا اور اس بہادری سے لڑا کہ ثبات قدمی کی جو شان اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی بیان فرمائی تھی وہ اس نے اپنے عمل سے سچی کر دکھائی (اور نہایت دلیری سے لڑتا رہا) یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تو وہ مؤمن ہے جس کے مرتبے اتنے بلند ہوں گے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا کر اس طرح دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سراٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ راوی کہتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے استاد کی مراد کس کی ٹوپی تھی حضرت عمرؓ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد فرمایا دوسرا وہ شخص ہے جس کا ایمان تو کھرا تھا لیکن وہ (بہادر نہ تھا) جب دشمن کے آمنے سامنے ہوا تو مارے بزدلی کے اس کا حال یہ ہو گیا کہ گویا اس کے جسم میں طلح درخت کے کانٹے چھو دیئے گئے۔ پھر کسی نامعلوم سمت سے ایک تیرا کر اس کے لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے۔ تیسرا وہ معمولی درجہ کا مؤمن ہے جس نے پہلے عمل کے ساتھ کچھ برے عمل بھی کیے تھے جب دشمن سے لڑا تو ایسی جانبازی سے لڑا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی جو شان بیان فرمائی تھی اس کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تیسرے نمبر کا شہید ہے۔ چوتھا وہ شخص ہے جس نے گناہ کرنے کی حد باقی نہ رکھی تھی (مگر بہادر تھا) جب لڑا تو اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کو سچا ثابت کر دیا اور خوب بہادری سے لڑا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ چوتھے نمبر کا شہید ہے۔

تشریح۔ اس تقسیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد کبھی تو بہادر ہونے کے ساتھ متقی بھی ہوتا ہے کبھی صرف متقی ہوتا ہے بہادر نہیں ہوتا اس کے برخلاف کبھی ایک شخص بہادر تو ہوتا ہے مگر متقی نہیں ہوتا۔ پھر یہ غیر متقی یا تو معمولی طور پر گنہگار ہوتا ہے اور کبھی کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس تقسیم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعمال کی تمام قیمت ایمان ہی کے بعد ہے اسی لیے چوتھا شخص اگرچہ بہادر تھا اور دوسرا اگرچہ بزدل مگر ایمان ہی کے ضعف و قوت کے تفاوت سے یہ بہادر چوتھے نمبر میں اور وہ بزدل دوسرے نمبر میں پہنچ گیا ہاں اگر خوش قسمتی سے ایمان کے ساتھ بہادری بھی جمع ہو جائے تو اس کے کیا کہنے۔

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُولُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقَاتِلْ أَوْ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلِمْتُ ثُمَّ قَاتِلْ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتِلْ فَقُتِلَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمِلَ قَلِيلًا وَأُجِرَ كَثِيرًا. (بخاری)

ابو اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے براء کو یہ کہتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (ذو رہ پہنے) سرتا پالو ہے میں ڈھکا ہوا آیا اس نے کہا یا رسول اللہ میں پہلے جہاد میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لے آؤں پھر جہاد کروں آپ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر اس کے بعد جہاد کرنا۔ چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہوا اور اس کے بعد جہاد کیا اور شہید ہو گیا آپ نے فرمایا اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت پائے گا۔

تشریح۔ یعنی زمانہ کفر کا بڑا عمل بھی بے وزن ہے اور ایمان کا تھوڑا سا عمل بھی بہت بھاری ہے۔ جاں نثاری کی تمام قیمت اس وقت ہے جب کہ وفاداری کا طوق گلے میں پڑا ہو ورنہ صرف وہ ایک غدار کی موت ہے جس صورت سے بھی آ جائے، خس کم جہاں پاک۔ اس لیے آپ نے اس شخص کو پہلے اسلام لانے کا مشورہ دیا۔ اس خوش نصیب کے گزشتہ گناہ تو اسلام سے معاف ہو گئے تھے پھر اس معصومی کی حالت میں جو پہلا عمل اس نے کیا وہ شہادت تھا اس لیے اس کے عمل کی مدت گو بہت قلیل رہی مگر ثواب کی بہت بڑی بازی جیت لے گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے ایک اور لطیف استنباط کیا ہے یعنی جہاد سے پہلے کوئی اچھا عمل کرنا مطلوب ہے تاکہ عمل خیر کی برکت ثبات قدمی میں معین ہو۔

اس کی مثال جو ایمان نہیں رکھتا اور قرآن پڑھتا ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ
كَالْأُتْرُجَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالْتَّمْرَةِ طَعْمُهَا
طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ
الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ وَرِيحُهَا مُرٌّ. (بخاری)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مؤمن قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ سنگترے کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی اور جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا مگر خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان (نازبو) کی سی ہے جس کی خوشبو تو بہت اچھی مگر ذائقہ تلخ اور جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اس کی مثال درخت حظل کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی تلخ اور بو بھی ناگوار۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یعنی جس طرح پھل کی صرف خوشبو سے اس کے ذائقہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح صرف قرآن پڑھنے سے کسی کے ایمان کا حال نہیں کھلتا اور جس طرح کہ پھل کی اصل خوبی اس کا خوش ذائقہ ہوتا ہے صرف اس کی خوشبو نہیں وہ ایک سامان تفریح ہے اسی طرح انسان کی اصل خوبی ایمان ہے صرف تلاوت قرآن نہیں یہ مؤمن کے

ایمان کی زینت ہے نہ کہ منافق کے نفاق کی مگر مشک جس کے پاس ہوگا خوشبو ہی دے گا اسی طرح قرآن جو تلاوت کرے گا اس کی خوشبو ضرور مہکے گی مگر صرف اتنی بات پر دھوکا نہ کھانا چاہیے عمل کی اصل روح ایمان ہے۔

جو اسلام لے آئے اس کے لیے ایک نیکی پر دس نیکیوں کی بشارت

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِي بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ حَسَنَةً مَا لَمْ يَعْمَلْ فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَإِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَهُ مَا لَمْ يَعْمَلْهَا فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ بِمِثْلِهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ رَبِّ ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً وَهُوَ أَبْصَرُ بِهِ فَقَالَ ارْقُبُوهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَأَكْتُبُوهَا لَهُ بِمِثْلِهَا وَإِنْ تَرَكَهَا فَأَكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَزَائِي. (رواه مسلم والبخاری نحوه)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرا بندہ جب اپنے دل میں کوئی نیک کام کرنے کا خیال کرتا ہے تو صرف اس خیال پر میں ایک نیکی لکھ دیتا ہوں، یہ تو اس وقت تک ہے جب تک وہ اسے کرتا نہیں اور اگر یہ نیکی کر لیتا ہے تو اب اس کا دس گنا لکھتا ہے اور جب دل میں کسی برائی کا خیال کرتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے اگر کر لیتا ہے تو اسے صرف ایک برائی لکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں اے پروردگار یہ تیرا بندہ برائی کرنے کا قصد کر رہا ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ان سے زیادہ ہوتا ہے) ارشاد ہوتا ہے ابھی اسے دیکھتے رہو اگر کر لے تو اس کی صرف ایک برائی لکھ لو اور اگر چھوڑ دے تو اب اس کے حق میں اسے بھی ایک نیکی لکھ لو۔ کہ اس نے میرے ہی خوف سے اس برائی کو چھوڑا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزم معصیت کے بعد اس پر عمل نہ کرنے پر نیکی صرف اس صورت میں لکھی جاتی ہے جب کہ اس معصیت کا نہ کرنا خدا کے خوف پر مبنی ہو، اگر ناسازگاری حالات کی وجہ سے یہ معصیت وجود میں نہ آسکی یا کسی سہو و نسیان کی بناء پر ذہن سے نکل گئی تو اس قسم کی صورتوں میں صرف ترک معصیت سے وہ نیکی کا حق دار نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں اسراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا ملنے کا ضابطہ ان خصوصی انعامات میں داخل ہے جو معراج کی پر اسرار شب میں آپ پر کئے گئے تھے۔ بہر حال جس امت کو قلیل مدت میں تمام امتوں پر فائق بنانا منظور تھا اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اس کے قلیل عمل کے لیے تضعیف کا ضابطہ وضع کر دیا جائے تاکہ اس جدید قانون کے ماتحت اس کے تھوڑے عمل بھی دوسری امتوں کے طویل مدتوں کے عمل سے بڑھ جائیں اور اس پیرایہ سے عمل کی بازی جس امت کو جتانی منظور تھی وہ جیت بھی جائے اور قانون عدل و فضل دونوں کا اقتضاء بھی پورا ہو جائے۔ اس حدیث میں کسی نیک یا بد کام کے عملی جامہ پہنانے یا ارادہ کرنے کی چار صورتیں مذکور ہیں۔

(۱) نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر لینا۔ (۲) نیکی کا صرف ارادہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا۔ عمل و ارادہ کے

اعتبار سے بدی کی بھی یہی دو صورتیں ہیں۔ اس طرح یہ چار صورتیں بن جاتی ہیں۔ پہلی صورت میں ایک نیکی دس گنا،

سات سو گنا اور کبھی مراتب اخلاص کے اعتبار سے شمار کی حد بندی سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں صرف ارادہ پر پوری ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے لیکن بدی کا حکم یہ نہیں ہے۔ یہاں عمل کی صورت میں صرف ایک بدی لکھی جاتی ہے اور ارادہ کے بعد نہ کرنے پر بدی کے بجائے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں اسی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث النفس کی بجائے هَمَّ کا لفظ مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف خطرہ کا درجہ مراد نہیں بلکہ ارادہ کا وہ مرتبہ مراد ہے جس کے بعد عمل کے لیے دل میں فکر پیدا ہو جائے۔ اسی کا نام هَمَّ ہے۔ خریم بن فاتک کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عزم مراد ہے صرف دوسرے خیال مراد نہیں۔

من هم بحسنة فلم يعملها فيعلم الله منه انه قد اشعر قلبه وحرص عليها كتبت له حسنة.

”جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات ثابت کر دی کہ وہ اس کا برابر احساس کر رہا ہے اور اس کو عمل میں لانے کے لیے حریص ہے پھر ان مراحل کے بعد بھی اگر اس کو نہ کیا تو بے شک اب اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔“

صرف حسنة کے ارادہ پر ایک نیکی لکھے جانے میں تو کوئی تفصیل نہیں ہے لیکن سیدہ کے ارادہ کر لینے کے بعد نہ کرنے پر ایک حسنة ملنے پر قدرے تفصیل کی حاجت ہے۔

عزم علی المعصية کی وہ صورت جس سے مقصود شریعت کا استخفاف و استہزاء ہو یہاں زیر بحث ہی نہیں یہ تو کھلا ہوا کفر ہے۔ اسی طرح وہ صورت بھی زیر بحث نہیں ہے جہاں ایک شخص صرف اپنی خواہش نفس کی بناء پر کسی معصیت کا عزم کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد خدا کے خوف سے وہ اس معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہاں بھی بلاشبہ اس کے خوف و خشیت کی وجہ سے ایک حسنة کا ثواب ملنا چاہیے جیسا کہ صورت مذکورہ میں اگر ترک معصیت کا داعیہ مخلوق کا خوف یا محض ریاکاری ہو تو اس سے مواخذہ ہونا چاہیے غور طلب صورت صرف یہ ہے کہ ایک شخص عزم کر لینے کے بعد خود بخود اپنے ارادہ میں سست پڑ جاتا ہے اور اس لیے عمل کرنے کی اسے نوبت ہی نہیں آتی۔ کیا اس کا صرف یہ عزم بھی معصیت شمار ہوگا یا جب کہ عمل کی حد تک پہنچا ہی نہیں تو معاف ہو جائے گا۔ فقہاء و متکلمین و محدثین کا مختار تو یہ ہے کہ چونکہ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لیے اس سے مواخذہ ہوگا گو یہ مواخذہ خود اس معصیت کے مواخذہ سے ہلکا رہے۔

ابن المبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے دریافت کیا کیا آدمی کے ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں جب پختہ ہو جائے امام شافعیؒ اور ابن حامد اس طرف ہیں کہ صرف عزم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جب تک کہ اس کو منہ سے نہ نکالے یا اس پر عمل نہ کرے۔ یہ تمام تفصیل ان معاصی کے ارادہ میں ہے جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہو مثلاً چوری، زنا، شراب خوری وغیرہ۔ وہ گئے وہ اعمال جن کو اعمال قلبیہ کہا جاتا ہے جیسے کفر، حسد، جذبہ ایذا رسانی وغیرہ جہاں عمل جوارح کا سوال ہی نہیں تو یہاں بلا تردید صرف عزم بلکہ ہم پر بھی مواخذہ ہوگا۔

فقہاء و متکلمین اور امام شافعیؒ کے درمیان زیر اختلاف شق اب بھی تشنہ ہے۔ ہمارے نزدیک حافظ ابن رجب کی تفصیل یہاں بہت دل پذیر ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کبھی معصیت کا پہلی ہی مرتبہ ارادہ کرتا ہے یعنی ابھی اس نافرمانی کی اپنی عمر بھر میں اسے نوبت ہی نہیں آئی تھی تو پہلی مرتبہ عزم پر اس سے مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ اس معصیت کا

ذائقہ بھی پہلے چکھ چکا ہے اور اب پھر اس کا عزم کر رہا ہے تو اس کے اس عزم پر بھی مواخذہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے صرف عزم نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اصرار کی تعریف میں آ جاتا ہے یہ قابل اغماض نہیں جیسا کہ وہ شخص جو عزم کے بعد اپنی جانب سے تو اس عمل کے تمام مقدمات پورے کر چکا ہو پھر کچھ آسمانی اسباب ایسے رونما ہو جائیں جو اس کو عملی جامہ پہنانے میں حائل ہو جائیں وہ بھی اس قدر ترقی معذوری کی بناء پر معذور نہیں کہا جاسکتا اب وہ بھی قابل درگزر نہیں ہے۔ اسی لیے جب آپ نے قاتل و مقتول کے متعلق جہنم کی وعید بیان فرمائی تو سامعین نے پوچھا کہ بے چارہ مقتول دوزخ میں کیوں گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انہ کان حریصا علی قتل صاحبہ۔ وہ بھی تو اپنے بھائی کے قتل کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی سبب سے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قاتل و مقتول گناہ میں دونوں برابر ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ قاتل کا جرم شدید ہے اس کو سزا بھی شدید ملے گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو پورے عزم کے بعد عمل کے لیے قدم بھی اٹھا چکا ہے اگرچہ کسی سبب سے کامیاب نہ ہو سکا لیکن وہ اپنی اس غیر اختیاری ناکامی سے اپنے اس اختیاری عزم اور اس کو پورا کرنے کے اختیاری سعی کے جرم سے بری نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عزم کے بعد عمل کے لیے سعی کرنا قابل مواخذہ ہو سکتا ہے اسی طرح کسی معصیت کے ارتکاب کے بعد اس کا پھر ارادہ کرنا بھی قابل مواخذہ ہونا چاہیے کیونکہ اب یہ محض عزم باقی نہیں رہا بلکہ عمل کی ابتدائی کڑی سمجھا جائے گا اگرچہ وہ کتنی ہی بعید ہو صرف عزم پر مواخذہ گونا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر یہ واضح رہنا چاہیے کہ عمل کی تمام روح انسان کی قوت ارادی ہے۔ اگر انسان کی اس قوت کو پورے طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کے عزم پر کسی قسم کا کنٹرول قائم نہ رکھا جائے تو اس کے بعد معاصی و فواحش سے اس کو روکنا بہت مشکل بلکہ بے نتیجہ ہوگا لہذا اگر آپ صرف عزم پر مواخذہ کی مشکل پر غور کر رہے ہیں تو اس مشکل پر بھی ذرا غور کیجئے کہ اگر یہ اعلان کر دیا جائے کہ کسی بدتر سے بدتر گناہ جیسے قتل، چوری، زناء، شراب خوری کا پورا پورا عزم کرنے کے بعد بھی انسان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوتا تو کیا بالفاظ دیگر یہ ان افعال کی اجازت دینے کے مرادف نہ ہوگا۔ ارادہ کا یہ درجہ عمل سے بہت ہی قریب ہے۔ کیا اس مرتبہ سے اغماض اور دوسرے بالکل متصل نقطہ پر مواخذہ کرنا انسانی ضعف کے مناسب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسلام میں خوبی پیدا کرنے پر سات سو گنا نیکیوں کی بشارت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ بِإِسْلَامِهِ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا وَفِي رِوَايَةٍ إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهَا. (رواه الشيخان)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں کوئی سچا اور پکا مسلمان بن جاتا ہے تو پھر جو نیکی کرتا ہے وہ اس کے نامہ اعمال میں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے اور جو برائی کرتا ہے وہ صرف اتنی ہی لکھی جاتی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ احتمال یہ بھی رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے (تو اب ایک بھی نہیں لکھی جاتی) (بخاری و مسلم) تشریح۔ حسنات کی اس تضعیف کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ایمان و اسلام سے گزر کر صفت احسان میں قدم رکھا

جائے۔ حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ ایک نیکی پر اس کا دس گنا ملنا تو اس امت کے حق میں عام ضابطہ ہے لیکن خدا کی رحمت اپنا دروازہ اس حد پر پہنچ کر بند نہیں کرتی بلکہ سات سو اور اس سے بھی زیادہ دینے کے لیے کھلا رکھتی ہے جیسے جیسے یہ صفت احسان کامل ہوتی جائے گی یعنی عبادت میں جتنا خلوص اور اللہ تعالیٰ کی رویت کا جتنا تصور غالب ہوتا جائے گا اتنا ہی ایک نیکی کا ثواب بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح بعض وقت خود عمل کی برتری و فضیلت اور کبھی ضرورت کا بروقت احساس کرنا بھی ایک نیکی کو بے شمار نیکیاں بنا دیتا ہے۔ ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ حسب ذیل آیت تو عام مسلمانوں کے بارے میں ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (الانعام: ۱۶۰) جو ایک نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ملے گا۔

کہتے مہاجرین کے لیے کیا ضابطہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اور زیادہ ثواب اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضْعِفُهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء: ۴۰) اگر نیکی ہو تو اس کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اور بڑا ثواب دیتا ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیاں بھی لکھ دیتا ہے جیسا کہ آیت بالا میں ہے کہ وہ اپنے پاس سے بڑا ثواب اور بھی دیتا ہے۔ تو اب سوچو کہ اس ثواب کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۲۵۵)

بہر حال نیکیوں کی تضعیف اور زیادتی کا ضابطہ سات سو گنا پر جا کر ہی ختم نہیں ہوتا اس سے بھی کہیں اوپر پہنچتا ہے بے شک جس کی رحمت غیر متناہی ہو اس کے انعامات کی انتہا بھی نہ ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ علی الحساب داد و دہش اسلام کے اس اعلیٰ مرتبہ سے شروع ہوتی ہے جس کا نام احسان رکھا گیا ہے۔ اسلام و ایمان اور احسان کے ہر سہ ارتقائی مراتب کی تفصیل چند عنوانات کے بعد عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

اچھے اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیاں بھی نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أَحْسَنَ إِسْلَامَهُ يُكْتَبُ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ كُلُّ حَسَنَةٍ عَمِلَهَا فِي الشُّرْكِ. (ذكر الدارقطني)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی کے اسلام میں خوب صورتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی تمام وہ نیکیاں جو اس نے شرک کے زمانہ میں کی تھیں اسلام کے بعد سب لکھ دی جاتی ہیں۔ (دارقطنی)

تشریح۔ اس حدیث میں ایک بڑی اہم بحث یہ ہے کہ کیا زمانہ شرک و کفر کی نیکیاں بھی معتبر ہو سکتی ہیں۔ حافظ ابن حجر کا رجحان بظاہر نفی کی طرف معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کفر انسان کی اتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی نیک کام بھی نیک نہیں رہتا اور ابن منیر سے حدیث کی یہ توجیہ نقل کرتے ہیں کہ بحالت کفر کافر کے حسنات کا معتبر نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اسلام کے بعد بھی ان کو لکھا نہ جائے۔ اگر خدا تعالیٰ انسانی عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے زمانہ کے اعمال کا ثواب دے سکتا ہے تو اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب کیوں نہیں دے سکتا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام لائے بغیر بھی کافر کی حسنات قابل ثواب شمار ہوں یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ وہ اس کے ضائع شدہ اعمال کو بھی بیش قیمت بنا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام جہاں ایک طرف اس کے خرمن معاصی کو خاک کر دیتا

ہے دوسری طرف اس کی خاک شدہ نیکیوں میں پھر از سر نو جان بھی ڈال دیتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۸)

شیخ محی الدین نووی کا رجحان اس طرف ہے کہ زمانہ کفر کے اچھے کام بلکہ عبادتیں بھی معتبر ہو سکتی ہیں۔ وہ یہاں حدیث کے بجائے فقہاء کے قول کی تاویل کی طرف جا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ کافر کی کوئی عبادت صحیح نہیں ہوتی اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں ان پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، رہ گیا ثواب کا معاملہ تو فقہاء نے اس کی نفی نہیں کی، یہ تو خدا کی دین کی بات ہے وہ چاہے تو عمل کے بغیر بھی نامہ اعمال میں نیکیاں درج کر دے تو اگر کافر کی کرائی عبادت پر ثواب بخش دے تو اس سے کیا بعید ہے۔ (نووی مصری ج ۱ ص ۱۴۲)

اسلام کو بد نما بنانے پر شدید مواخذہ کی وعید

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ أَنَسُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا نُؤَاخِذُ بِمَا عَمَلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ أَمَا مَنْ أَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَلَا يُؤَاخِذُ بِهَا وَمَنْ أَسَاءَ أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ. (رواه الشيخان)

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم سے ان افعال کی بھی باز پرس ہوگی جو ہم نے اپنے کفر کے زمانہ میں کئے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں اچھے کام کیے اس سے تو کچھ باز پرس نہ ہوگی لیکن جس نے اپنے اسلام میں بد نمائی پیدا کی اور برے کام کیے اس سے کفر و اسلام دونوں زمانوں کے افعال کی باز پرس کی جائیگی۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث بظاہر عمرو بن العاص کی گذشتہ حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ اسلام کسی تفصیل کے بغیر دور جاہلیت کی بد اعمالیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے کچھ تفصیل بھی ثابت ہو رہی ہے۔ شیخ محی الدین نووی وغیرہ کے مختار پر تو جواب ظاہر ہے، ان کے نزدیک اسلام کی خوبی یہ ہے کہ دل سے اسلام قبول کرے اور اس کی بد نمائی یہ ہے کہ محض زبان پر کلمہ اسلام ہو، دل ایمان و یقین سے یکسر خالی ہو، درحقیقت یہ اسلام ہی نہیں اس بناء پر اس حدیث کا خلاصہ یہ ہوگا کہ مذکورہ بالا بشارت اس اسلام پر ہے جس میں نفاق نہ ہو، منافقانہ اسلام سے صرف جان و مال کی عصمت تو حاصل ہو جاتی ہے مگر گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ ان کا بوجھ اور بڑھتا چلا جاتا ہے، حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) قدس سرہ فرماتے تھے کہ اسلام جو اس کا مدعی ہے کہ وہ دنیا میں تہذیب اخلاق کے لیے برائیاں مٹانے اور بھلائیاں پھیلانے کے لیے آیا ہے وہ روز اول ہی سے اپنے حلقہ بگوشوں سے یہ تقاضہ کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس کے دعوے کا ثبوت پیش کریں جو لوگ اس کے اس تقاضہ کو پورا کرتے ہیں ان کا اسلام سچا اور خوب صورت اسلام شمار ہوتا ہے۔ پس اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جب اسلام لائے تو دنیا کے سامنے عملاً اعلیٰ سے اعلیٰ تہذیب کا نمونہ پیش کرے، اپنے دل میں دور کفر کی بد کرداریوں اور بد اخلاقیوں کی برائی محسوس کرے ان پر شرمندہ بھی ہو اور آئندہ اس کا عزم کر لے کہ اب اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد ان کا اعادہ پھر کبھی نہیں کرے گا، یہ ہے وہ مسلمان جو اپنے تمام گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا اپنی ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے لیکن ایک وہ ہے جو مسلمان تو ہو جاتا ہے مگر لا ابالی طور پر مسلمان ہوتا ہے اور اب بھی شتر بے مہار

کی طرح آزاد ہی پھرتا ہے اس کی بد اخلاقی بدستور قائم ہے۔ طبیعت کی درشتی، نفس کی خست، مزاج میں خود غرضی و طمع کا وہی حال باقی ہے، غرض کہ اس کی عملی زندگی میں کوئی نمایاں انقلاب پیدا نہیں ہوتا، یہ بھی ایک مسلمان ہے لیکن اس کا اسلام خوب صورت اسلام نہیں اس میں معاصی کی بدنمائی بدستور موجود ہے اس نے اسلام کی صداقت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا، وہ اس عظیم الشان بشارت کا حق دار نہیں۔ جو کل تک خدا کی نافرمانی سے شرمندہ نہیں تھا اور آج بھی اس پر نادم نہیں ہوا۔ اس کی نافرمانیوں کا بھی کھاتہ کیونکر پاک و صاف ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تفصیل نہایت منصفانہ اور معقول ہے۔ ملا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں اس کو شارح عقیدہ طحاوی سے توبہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔ وہ محققین کا قول یہی نقل کرتے ہیں کہ اگر اسلام کے ساتھ گزشتہ گناہوں پر توبہ بھی کی جائے تو ایسا اسلام تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اگر ان معاصی سے توبہ نہ کرے اور اسلام کے بعد اسی طرح گناہ کرتا رہے تو اس سے تمام گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳)

اسلام کی ایک اہم خوبی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا

يَعْنِيهِ. (رواه الترمذی وغیرہ وحسنہ الحافظ ابن رجب الحنبلی فی جامع العلوم والحکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی ایک

خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں کا مشغلہ چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا آپ کو یہ رتبہ عالی کیسے ملا؟ آپ نے فرمایا تین باتوں سے

(۱) راست گوئی۔ (۲) اداء امانت۔ (۳) اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی عادت سے۔ (موطا)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بیکار باتوں سے مراد مباحات کا غیر ضروری سلسلہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مستحبات اور محرمات کے درمیان شریعت نے ایک درجہ مباحات کا بھی رکھا ہے اسے خدا کے

محرمات کی سرحد کہنا چاہیے۔ یہاں پہنچ کر محرمات کی ظاہری دل فریبی کا نظارہ ہونے لگتا ہے اس لیے آپ مباحات کو اپنی نظر میں

ہلکانہ سمجھیں، عمل کے مسافر کے لیے یہ منزل بہت نازک منزل ہے جو اس منزل پر جا پہنچا اس کے لیے ہر وقت خطرہ ہے کہ اس کا

دوسرا قدم اب محرمات ہی میں جائے گا۔ ان کی مشروعیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ مباحات کو خدا کی طاعات و عبادات کے لیے

ذریعہ و وسیلہ بنائیں۔ اس کے احکام کی بجا آوری میں ان سے کام لیں۔ اب یہ مباحات بھی آپ کے لیے مستحبات کا حکم اختیار کر

لیں گے لیکن اگر خدا نہ رود آپ نے ان کو خدا کی معصیت کا ذریعہ بنا لیا تو اب یہ مباح نہیں رہے ممنوعات و محظورات کی فہرست

میں شمار ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے تو ان تمام احادیث کی مرادیں آپ پر روشن ہو جائیں گی جن میں مباحات پر بھی

ثواب اور عقاب کا ذکر آ جاتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا۔ پانی پینا، شب میں سو رہنا حتیٰ کہ باہمی خوش طبعی کرنا بہت سے بہت مباح ہی کا

درجہ رکھتے ہیں لیکن اگر یہ تمام کام آپ اس لیے کرتے ہیں کہ ان مباحات سے آپ کو خدا کی عبادت میں تقویت حاصل ہو۔ آپ

کھائیں گے نہیں تو خدا کے فرائض بھی ادا نہیں کر سکیں گے۔ رات کو آرام نہیں کر سکے تو صبح کی نماز میں شریک بھی نہیں ہو سکیں گے،

اگر اپنے بھائی سے خوش طبعی کریں گے تو باہمی محبت و الفت پیدا ہوگی۔ اس کا دل خوش ہوگا آپ کا کچھ بگڑے گا نہیں۔ تو اب یہی سب مباحات موجب اجر بن جائیں گے۔ اسی طرح انگور کا عرق نکالنا مباح ہی ہے کچھ حرام نہیں لیکن اگر یہ فعل آپ نے اس لیے کیا ہے کہ اس کی شراب تیار کریں گے تو اب یہی فعل حرام کہلائے گا اسی لیے حدیث میں ”عاصر“ یعنی انگور کا عرق نکالنے والے پر لعنت آئی ہے۔ مباحات صرف اسی وقت تک مباحات ہیں جب تک ان میں نہ وہ نیت ہو نہ یہ، اگر آپ اسی عالم غفلت میں مباحات میں قدم رکھتے ہیں تو رکھ لیجئے مگر حدیث یہ کہتی ہے کہ یہ بھی فعل عبث ہے اور آپ کے حسن اسلامی پر ایک بدنما داغ ہے۔ شادی کی بہت سی رسمیں اباحت کا درجہ رکھتی ہیں اگر اعتدال کے ساتھ ادا کی جائیں اور شریعت کے حدود سے باہر نہ ہوں اور خوشی میں خوشی منانا مقصود ہے تو ان پر ثواب مل سکتا ہے لیکن ایسے انسان بہت کم ہیں جو مسرت اور غم میں اعتدال کی حالت قائم رکھ سکیں اس لیے وہ خدا کی اس وسعت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور مباحات کو محرمات بنا کر چھوڑتے ہیں اس پر طرہ یہ کہ وہ اسی خیال میں سرشار رہتے ہیں کہ ہم نے مباحات کے حدود سے قدم باہر نہیں نکالا حالانکہ ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ حدود شرعیہ سے ذرا تجاوز کرنے سے وہی مباحات محرمات کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ (کتاب الایمان ص ۱۹ و ۲۰ وجہ اللہ ج ۳ ص ۱۰۱)

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ عنایت لغت میں کسی چیز کے خاص طور پر اہتمام کرنے کا نام ہے اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہونا چاہیے کہ جو قول و فعل بھی اسلام کی نظر میں قابل اعتنا اور لائق اہتمام نہ ہو اس سے یک لخت کنارہ کش ہو جائے۔ پس جب تک ایک مسلمان محرمات و مشتبہات تو درکنار بے حاجت مباحات میں بھی قدم رکھنا ترک نہیں کرتا، اسلام کی صفت احسان سے بہرور نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کسی خوش نصیب کو یہ مقام نصیب ہو جائے، خدا کا تصور اس پر اس درجہ غالب آ جائے کہ ہر حال میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ذات پاک گویا حاضر و ناظر ہو تو پھر بیکار باتوں کی طرف اس کا قدم خود بخود نہیں اٹھ سکتا اور اگر غفلت یا سہو و نسیان کی بناء پر کبھی اس سے کوئی لغزش واقع بھی ہوگی تو اس کو ایسی ہی ندامت و شرمساری لاحق ہوگی جیسی کہ حقیقتہً خدا کے حضور میں یہ غلطی کر کے ہوتی اسی کو حدیث میں استحياء من اللہ کہا گیا ہے یہ استحياء اسی صفت احسان کا نتیجہ ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۸۰ و ۸۲)

اس حدیث کی اہمیت کے پیش نظر مالا یعنی کے لفظ کی کچھ اور توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ لفظی وسعت کے لحاظ سے تو ”لا یعنی“ کا لفظ اقوال و افعال سب کو شامل ہے لیکن محاورہ و استعمال کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا زیادہ تر اطلاق لغو باتوں پر ہوتا ہے اسی کی طرف حسب ذیل آیت و احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ۱۸) ”کوئی بات اپنے منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگران اس کے پاس لکھنے کو تیار رہتا ہے۔“

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ . (النساء: ۱۱۴)

”ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بہتری اور خیر کا نام نہیں مگر ہاں جو خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کی صلاح دے۔“

(۱) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیکار باتیں نہ کرے۔ (مسند امام احمد)

(۲) جو آدمی اپنے عمل اور باتوں کا موازنہ کرتا رہے گا وہ خود بخود صرف حاجت کی بات کرنے کا عادی بن جائے گا۔ (ابن حبان)

- (۳) اسی حقیقت کے مخفی رہنے کی وجہ سے حضرت معاذؓ نے یہ سوال فرمایا تھا یا رسول اللہ جو باتیں ہم کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے گرفت کی جائے گی آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ زیادہ تر تو لوگ اسی جاوید بجا زبان چلانے کی بدولت ہی دوزخ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے۔
- (۴) حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ابن آدم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اس کے نقصان ہی نقصان کی ہوتی ہے نفع کی نہیں ہوتی۔ بجز ان صورتوں کے بھلی بات کا حکم دینا، بری بات سے روکنا اور اللہ کی یاد کرنا۔ (ترمذی)
- (۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک صحابی کا انتقال ہو گیا تو کسی نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو آپ نے فرمایا تمہیں کیا خبر ہے شاید کبھی اس نے بیکار بات منہ سے نکالی ہو یا اپنی حاجت سے زیادہ چیز پر بخل کیا ہو۔ (ترمذی)
- (۶) ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں جو کہتا ہوں میری مانتے ہیں ان سے کیا کہوں آپ نے فرمایا کہ ہر کس و ناکس کو سلام کیا کریں اور غیر ضروری باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ (ابن ابی الدنیا)
- (۷) ایک صحابی کی بیماری میں (عیادت کے لیے) کچھ لوگ گئے دیکھا تو وہ بہت ہشاش بشاش تھے۔ سب دریافت کیا تو انہوں نے کہا دو عمل میرے پاس ایسے ہیں کہ ان سے زیادہ بخشش کی امید مجھے کسی عمل پر نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ میں غیر ضروری باتیں نہ کرتا تھا۔ دوم یہ کہ تمام مسلمانوں کی طرف سے میرا سینہ صاف اور ٹھنڈا رہا کرتا تھا۔ (ابن ابی الدنیا)
- (۸) حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کرنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس کو بیکار باتوں کے مشغلہ میں الجھا دے۔

(۹) سہل تستریؒ فرماتے ہیں جو بے ضرورت باتیں کرے گا وہ راست گوئی سے محروم ہو جائے گا۔

(۱۰) معروف کرخیؒ فرماتے ہیں آدمی کی بیکار باتوں کا مشغلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو سوا کرنے کی ایک علامت ہے۔

اس قسم کی احادیث اور بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا زیادہ تر تعلق اقوال ہی کے ساتھ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان بیکار اور بے حاجت قول و فعل چھوڑنے اور ضرورت کے مطابق بات اور اسی کے موافق کام کرنے کا عادی بن جائے تو اسے بشارت ہو کہ اب اس نے صفت احسان میں قدم رکھ دیا ہے اور اب اس کی ایک نیکی صرف دس یا سات سو نیکیوں ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کے لیے رحمت کا وہ وسیع دروازہ کھل گیا ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نازک حسن بیکار باتوں کی ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا پھر آپ یہ کیا سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ کی غفلت اور من مانی آزادی کے بعد بھی اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔

دل کے خطرات اور بشری بھول چوک پر درگزر کی بشارت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ

بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوا أَوْ يَعْمَلُوا بِهِ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے خاص میری امت کے حق میں وہ وساوس جو

صرف ان کے دلوں میں گزریں معاف کر دیئے ہیں جب تک کہ وہ اپنی زبان سے ان کو ادا نہ کریں یا عملی جامہ نہ پہنائیں۔ (مسلم)

تشریح۔ جو وساوس کہ اپنے اختیار کے بغیر پیدا ہوں اور بلا توقف دل سے نکل جائیں یا کچھ ٹھہریں مگر اس کو عملی جامہ پہنانے کی دل میں کوئی فکر نہ ہو یا کچھ فکر تو پیدا ہو مگر کسی ایک جانب میلان خاطر نہ ہو، یہ سب اقسام اس امت کے حق میں معاف کر دیئے گئے ہیں۔ ہاں اگر کسی جانب رجحان پیدا ہو گیا ہے تو اگر یہ رجحان خیر اور نیک عمل کی طرف ہے تو اس پر اجر ہے اور اگر برائی کی جانب ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اگر یہ خیال پختہ ہو کر عزم کی صورت اختیار کر گیا ہے تو پھر نیکی میں اجر یقینی ہے اور بدی کی صورت میں مواخذہ کا امکان ہے۔ حدیث مذکور میں جس مرتبہ کی معافی کا اعلان کیا گیا ہے وہ حدیث النفس ہے عزم نہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں وساوس و خطرات کی وہی قسم مراد ہے جو کسی قول یا عمل کے ابتدائی مراحل میں پیش آتی ہے۔ عقائد فاسدہ یا اخلاق رذیلہ جن کا تعلق صرف قلب سے ہے جو ارجح سے نہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں پس اگر خدا کی وحدانیت یا رسول کی رسالت میں وساوس داخل ہو کر تردد کی حد تک پہنچ گئے ہیں تو قابل مواخذہ ہیں عقائد کے باب میں عزم ہی عزم درکار ہے۔ اسی طرح حسد، کینہ، کبر، فریب، مسلمان پر ناحق بدگمانی، یہ سب کے سب اعمال قلبیہ ہیں۔ حدیث مذکور سے ان کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس حدیث میں صرف ان وساوس کا ذکر ہے جو زناء و سرقہ جیسے افعال یا غیبت وغیرہ جیسے اقوال سے پہلے انسان کے دل میں گذرتے ہیں۔ پس اگر غیبت، زناء و سرقہ وغیرہ کرنے کی نوبت نہیں آتی اور یہ خیالات صرف دل میں گذر کر رہ جاتے ہیں تو شانِ رحمت ان کی معافی کا اعلان کرتی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ أَيُّ الْأَذْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ. (رواه احمد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب دینوں میں اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پیارا ہے؟ فرمایا ابراہیم علیہ السلام کا جو نہایت سہل اور آسان تھا۔ (مسند احمد، بزار، ادب المفرد، طبرانی)

تشریح۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ”الحنیفیۃ“ وہ دین ہے جو ملت ابراہیمی کی طرح شعار اللہ کے استحکام اور شعار شرک کے استیصال اور رسوم فاسدہ عقائد باطلہ کے ابطال پر مبنی ہے اور ”السّمحة“ وہ ہے جس کی تعلیم میں رہبانیت اور ناقابل برداشت مجاہدات نہ ہوں اور اس میں ایسی رخصتیں بھی موجود ہوں جو بوقت ضرورت بشری ضعف کو نبھالیں اور ”البیضا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی علتیں اور حکمتیں ایسی واضح اور صاف ہوں کہ ہر ذی فہم کی سمجھ میں آسانی آسکیں (حجۃ اللہ ص ۱۲۸ مصری) حنیف دراصل وہ ہے جو ہر باطل سے بیزار ہو کر ایک مولیٰ حقیقی کا رخ کر چکا ہو۔ حضرت خلیلؑ کی زندگی طفولیت سے لے کر آخر تک اس خصوصیت کا مرقعہ تھی اس لیے انبیاء علیہم السلام میں یہ لقب ان ہی کا مشہور ہو گیا ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام کا سب گروہ خفاء تھا اب اصطلاح میں صرف ملت ابراہیمی ملت حنیفیہ کہلاتی ہے۔ دین محمدی چونکہ جملہ ادیان کی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور ملت ابراہیمی کی بڑی خصوصیت یعنی یسرو سہولت تو اس کا سب سے نمایاں عنصر ہے اس لیے اور ملتوں کی نسبت ملت محمدیہ اس کے قریب تر ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو اپنی تفسیر میں چالیس احکام شمار کر کے ایسے تحریر فرمائے ہیں جو ان ہر دو ملتوں میں تقریباً مشترک ہیں گویا دین محمدی کی زمین ملت ابراہیمی ہے اس لیے اس لقب پانے کی سب سے زیادہ مستحق یہی ملت ہے۔ ناظرین کے سامنے ان احکام کی مختصر فہرست پیش کرنا خالی از بصیرت نہ ہوگا۔

- (۱) دشمنان خدا سے جہاد کرنا۔
 (۲) بت شکنی۔
 (۳) غیر اللہ کی منت نہ ماننا۔
 (۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح نہ کرنا۔
 (۵) رزق، شفا اور موت کو صرف مسبب الاسباب کے قبضہ قدرت میں تصور کرنا۔
 (۶) اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا۔
 (۷) کہانت باطل سمجھنا۔
 (۸) بدفالی کا قائل نہ ہونا۔
 (۹) کسی ساعت کو منحوس نہ سمجھنا۔
 (۱۰) کواکب پرستی کا انکار کرنا۔
 (۱۱) نجومیوں سے مستقبل کے واقعات دریافت نہ کرنا۔
 (۱۲) آداب قربانی۔
 (۱۳) جملہ افعال حج۔
 (۱۴) مصیبت پر صبر کرنا۔
 (۱۵) کعبہ کا قبلہ ہونا۔
 (۱۶) نوحہ وغیرہ نہ کرنا۔
 (۱۷) تصویر کی حفاظت اور مصوری سے اجتناب کرنا۔
 (۱۸) ترک نکاح، ترک لذائذ، ترک لباس و نفائس اور گوشہ نشینی جیسے افعال اختیار نہ کرنا۔
 (۱۹) عبادت میں اتنی افراط سے اجتناب کرنا جس سے حقوق العباد تلف ہوں۔
 (۲۰) کسب معاش۔
 (۲۱) لباس صاف، ستھر رکھنا۔
 (۲۲) بلا ضرورت سوال نہ کرنا۔
 (۲۳) لہو و لعب سے احتراز کرنا۔
 (۲۴) والد کو اولاد اور اولاد کو والد کے جرم میں گرفتار نہ کرنا۔
 (۲۵) حرمت زنا وغیرہ۔
 (۲۶) ختنہ کرنا۔
 (۲۷) ستر عورت۔
 (۲۸) عقیقہ کرنا۔
 (۲۹) آداب ضیافت۔
 (۳۰) عبادت کے وقت اچھی ہیئت کا خیال رکھنا۔
 (۳۱) پوشش و لباس کے احکام۔
 (۳۲) عبادت کے وقت اچھی ہیئت کا خیال رکھنا۔
 (۳۳) اشہر حرام کا احترام کرنا۔
 (۳۴) محرمات نکاح۔
 (۳۵) نکاح میں شاہدوں کا ہونا۔
 (۳۶) زکوٰۃ۔
 (۳۷) چاشت کی چار رکعتیں۔
 (۳۸) تحریمہ میں رفع یدین کرنا۔
 (۳۹) رکوع کا سجدہ پر مقدم ہونا۔
 (۴۰) نماز کی ہر نقل و حرکت میں تکبیر کہنا۔ (فتح العزیز ص ۳۹۶ و ۳۹۷)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ہیں جو دونوں ملتوں میں مشترک ہیں یہاں سب کے استقصاء کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنَّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْبَرُوا عَلَيْهِ. (رواه ابن ماجه)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی بھول،

چوک اور وہ تمام باتیں معاف کر دی ہیں جو ان سے بہ جبر کرائی جائیں۔

تشریح۔ خطا و نسیان کی دو کمزوریاں انسان کے خمیر میں داخل ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ بنی ادم فَنَسِيت ذَرِيَّتَهُ خَطَا اَدم فَخَطَا ت ذَرِيَّتَهُ۔ حضرت آدم علیہ السلام بھولے تو بھولنے کی سرشت ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہو گئی، وہ چوکے تو اس قصور کا اثر ان میں بھی ظاہر ہو کر رہا اس لیے رحمت بھی ان پر مواخذہ نہیں کرتی اور ان کے عفو کا اعلان کرتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہیں ہوتا اور جبر و اکراہ کی حالت میں گوشعور، ارادہ اور اختیار موجود ہوتا ہے مگر جبر کی وجہ سے معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ان تینوں حالتوں کا ذکر کیا ہے خطا و نسیان کا حسب ذیل آیت میں:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرة: ۲۸۶) ”اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ فرما۔“ خطا و نسیان گوا انسان کے ایک فطری ضعف کا اثر ہے لیکن پھر ان میں کچھ نہ کچھ اس کے تساہل اور لا پرواہی کا دخل ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسیان اسی جگہ پیش آتا ہے جہاں آدمی کو زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح خطا بھی ضرور کسی نہ کسی بے احتیاطی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پس دعاء کے ان الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کی شان عبدیت کے یہ نامناسب ہے کہ وہ اپنے تساہل کو کوئی جرم ہی تصور نہ کرے۔ اس تصور سے اس میں تساہل اور بے احتیاطی کی سرشت اور پختہ ہوگی۔ اس کو یہ احساس کرنا چاہیے کہ معصیت گوا نسیان و خطا کی بناء پر سرزد ہو اور گوشان رحمت اسے عفو بھی کر دے مگر بے قابل گرفت و مواخذہ۔ اس لیے پہلے اسے اپنے اس تساہل اور لا پرواہی کے جرم کا اعتراف کر لینا چاہیے پھر بارگاہ رحمت کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس کے عفو کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ لفظ اِنْ جو شرط کے لیے آتا ہے یہاں اسی لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری سعی و کوشش تو یہی تھی اور یہی آئندہ بھی رہے گی کہ ہم سے بھول چوک سے بھی تیری معصیت نہ ہو۔ لیکن اگر ضعف بشری کی بناء پر ہو جائے تو پھر تو اپنی شان ربوبیت کے صدقہ کے میں اس پر مواخذہ نہ کرنا۔

اکراہ کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (الحج: ۷۶)

”جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے مواخذہ نہیں)۔“

بندہ کی شان عبدیت تو یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں اس کی نظر اپنی کوتاہی کی طرف لگی رہے اور رب العزت کی شان رحمت یہ ہے کہ وہ ان مجرموں سے عفو و درگزر کا اعلان کرتی رہے۔

وہ بازی خطا کی جتاتے رہیں میں ان کے بھروسہ پہ ہارا کروں

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث کا تعلق صرف اس بے نیاز کے حق سے ہے جس کا معصیت سے کچھ بگڑنا نہیں اور عفو سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ بندوں کے حقوق کے ساتھ نہیں جو بہت بخیل اور کمزور ہیں اس لیے اگر ان صورتوں میں ان کے حقوق تلف ہوں گے تو ان کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ ہاں ان کے تساہل کا جو گناہ تھا وہ معاف ہو جائے گا۔

دین محمدی کے سرتا سر سہل اور آسان ہونے کی بشارت

عَنْ اَبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم الدِّیْنُ یُسْرٌ (الخرجه احمد والبخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دین بہت آسان ہے اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے تمہارے سب دینوں میں بہتر وہ ہے جو سب میں آسان ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَاءَ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْغُلُوبَةِ وَالرُّوحَةِ وَهَيِّءْ مِنَ الدَّلِيلَةِ. (رواه البخاری فی الایمان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین بہت آسان ہے جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آ جائے گا لہذا سیدھے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں مت کرو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا ہے) صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کر کے (دین پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے کی) قوت حاصل کرو۔

تشریح۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کے ہم معنی ایک اور روایت مجن بن اورع سے نقل کی ہے ”انکم لن تنالوا هذا الامر بالمغالبة وخیر دینکم اليسرة“۔ (تم دین کو زور آزمائی کر کے ہرگز نہیں پاسکتے تمہارا سب سے بہتر دین وہ ہے جو آسان ہو) ابن منیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عبادت میں جدوجہد کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس افراط کی ممانعت ہے جس کا نتیجہ فرائض و واجبات کا ترک بن جائے۔ عزیمت پر عمل کرنا بے شک افضل ہے مگر خدا کی رخصتوں کو دائمی طور پر ترک کر بیٹھنا بھی سمجھ کی بات نہیں جو شخص تہمت کے موقع پر ہمیشہ وضو کرنا ضروری تصور کرے گا اسے آخر ایک دن جھک مار کر خدا کی رخصتوں کے دامن میں پناہ لینا پڑے گی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے زمانہ شباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ رخصتوں پر عمل نہ کیا آخر ضعف کے زمانہ میں انہیں پچھتانا پڑا اور یہ حسرت ہوئی کہ کاش انہوں نے آپ کی رخصت کو قبول کر لیا ہوتا۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرَفْقٍ وَلَا تَبْغِضُوا إِلَى أَنْفُسِكُمْ عِبَادَةَ اللَّهِ فَإِنَّ الْمُنْبِتَ لَا أَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا أَبْقَى (قَالَ الْعِرَاقِيُّ فِي تَخْرِيجِ الْأَحْيَاءِ. (رواه احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دین نہایت موزوں اور مضبوط ہے اس کو نرمی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرو (اور زیادہ سختیاں اٹھا اٹھا کر) خدا کی عبادت سے اپنے دل میں نفرت نہ پیدا کرو کیونکہ زیادہ تیز رو مسافر اپنی سواری ہلاک کر دیتا ہے اور منزل مقصود ملے کرنے سے بھی رہ جاتا ہے (یہی مثال عبادت میں حد سے زیادہ جدوجہد کرنے والے کی ہے) تشریح۔ یہ نرمی اور سہولت ملت ابراہیمیہ کی بنیاد اور اساس ہے اور اس کی اسی بنیاد پر شریعت محمدیہ کی تعمیر اٹھائی گئی ہے۔ اگر اس پر تفصیلی بحث کی جائے تو ہمیں تمام شریعت پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ہوگی۔ اور اس اجمال میں پھر اتنی تفصیل پیدا ہو جائے گی جس کی ہمارے ان مختصر نوٹوں میں جگہ نہیں ہے اس لیے ہم یہاں صرف وہ اصول تیسیر پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمائے ہیں ان کی روشنی میں آپ تمام شریعت کا جائزہ لے کر ہا سانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ اس شریعت میں دوسرے ادیان کی نسبت سے کتنی سہولت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سیر و سہولت کے لیے حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) کسی عبادت کے لیے ایسی چیز کو رکن و شرط کی حیثیت نہ دی جائے جس کی ادائیگی میں دشواری ہو۔ شریعت محمدیہ میں ہر نماز کے

ساتھ مسواک کرنا اسی لیے لازم قرار نہیں دیا گیا۔ لولا ان اشق علی امتی لا مرتهم بالسواک عند کل صلوٰۃ کا مفہوم یہی ہے۔ یعنی اگر اپنی امت کے مشقت میں مبتلا ہو جانے کا مجھے خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ انہیں مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔

(۲) اگر کسی دشوار چیز کا حکم دیا جائے تو اس میں تدریج کا خیال رکھا جائے تاکہ اس دشواری میں پھر ایک سہولت پیدا ہو جائے شراب کی حرمت کا مسئلہ بالخصوص عرب کے لیے جتنی دشواری کا موجب ہو سکتا تھا ظاہر ہے لیکن اسی اصل کے پیش نظر اس کی صاف و صریح حرمت پہلے پہل نازل نہیں کی گئی بلکہ رفتہ رفتہ اس کی مذمت اور برائیاں اس انداز سے بیان کی گئیں کہ ان سے آئندہ صریح حرمت کے لیے قلب میں جگہ پیدا ہوتی چلی گئی۔ آخر کار تیسری بار صاف ممانعت نازل ہو گئی، اس طرح وہ حکم جو پہلے ناقابل عمل تھا اب خوشی خوشی قابل عمل بن گیا۔

(۳) طبعی میلان اور طبعی تنفر کا لحاظ بھی رکھا جائے اسی بناء پر اسلام میں غلام، نایبنا، مجہول النسب شخص کی امامت کو پسند نہیں کیا گیا کہ بہت سے حالات میں ان کی امامت تنفر کا موجب بن سکتی ہے اسی طرح امام یا کسی مقتدی و بزرگ کی موجودگی میں ان کی امامت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے اسی لیے ان کی موجودگی میں دوسروں کی امامت ناپسندیدہ قرار دی گئی۔

(۴) انسان کی فطرت میں مسرت و غم کے موقع پر کچھ رسوم منانا بھی داخل ہے جن کی ادائیگی وہ اپنی زندگی کا ایک ثبوت سمجھتا ہے اس کے اس اقتضاء کی بھی رعایت کی جائے۔ عیدین اور جمعہ کی مشروعیت اسی اقتضاء کے پورا کرنے کے لیے ہے۔

(۵) اس دین کا ایک حصہ ایسا بھی ہونا چاہیے جس کی طرف رغبت کرنے میں طبیعت کے ساتھ عقل بھی شریک ہو تاکہ طبیعت و عقل ہر دو کی اجتماعی رغبت سے دین میں سہولت در سہولت پیدا ہو جائے۔ مسجد کی صفائی، جمعہ و عیدین کا غسل، خوش الحان مؤذن و امام وغیرہ کا حکم اسی نظریہ کے ماتحت ہے۔

(۶) عوام کے جذبات کی تاامکان رعایت کی جائے۔ خانہ کعبہ میں آمد و رفت کے لیے دو دروازہ قائم کرنے کا ارادہ آپ نے اسی لیے فیض فرمادیا تھا کہ اس میں قریش کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ تھا مبادا وہ یہ خیال کر گزریں کہ آپ نے ان کے بزرگوں کی یادگار کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور ان کی قدیم بناء کو توڑ کر نئی تعمیر کر ڈالی۔ یہاں اسی مفسدہ کی خاطر اس مصلحت کو ترک کر دیا گیا مگر اس کے حدود کہاں تک ہوں گے یہ بہت طویل الذیل مسئلہ ہے۔

(۷) ارکان و شرائط کی تحدید و تعیین کی جائے مگر نہ اتنی کہ بجائے سہولت کے اور مصیبت بن جائے، ایک حد تک ان کو متعین بھی کر دیا جائے اور اس کے بعد ان کے عقلوں کے سپرد کر دیا جائے مثلاً قراءۃ فاتحہ نماز کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے مگر مخارج، حروف کی ادائیگی اور طرز قراءت کو معروف طریقہ پر چھوڑ دیا گیا ہے نماز کے لیے استقبال قبلہ ضرور شرط کیا گیا ہے مگر تعیین سمت قبلہ کے لیے براہین ہندسیہ، طول و عرض بلدہ کا علم شرط نہیں کیا گیا۔ رمضان کے روزوں کے لیے ماہ رمضان شرط کیا گیا ہے مگر یہاں بھی جنتری کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ صرف چاند کے طلوع پر مدار رکھ دیا گیا ہے اور ابر و غبار کی صورت میں تیس دن پورے کر لینا کافی سمجھ لیا گیا ہے۔

(۸) جو شخص دوسروں کے حقوق تلف کر دے اس کے حقوق بھی تلف کر دیئے جائیں۔ اسی قاعدہ کے ماتحت قاتل کو وراثت سے محروم کیا گیا ہے۔

(۹) علم کی اہمیت، وعظ و نصیحت، ہر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اتنا اہتمام کیا جائے کہ قانون الہی پر عمل کرنے کی تازہ روح پیدا ہو جائے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعائیں کرنا چاہیے کہ وہ اس قوم کو مہذب اور کامل بنا دے اور سکینہ و اطمینان ان کے قلوب میں نازل فرمائے۔ اسلام میں کتاب الاذکار اور کتاب الدعوات اسی مقصد کے پیش نظر ہے۔

اگر مذاہب عالم کو ان دس اصول پر پرکھا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان اصول کی جتنی رعایت مذاہب اسلام نے کی ہے اتنی اور ادیان نے نہیں کی اسی لیے مجموعی لحاظ سے جتنی سہولت اسلام میں ملتی ہے اور ادیان میں نہیں ملتی۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آل عمران: ۸۵)

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے ایسا کیوں ہوگا؟ جواب معلوم کرنے سے پیشتر عالم کے تمام مذاہب پر ایک نظر ڈال جائے بہت سے مذاہب تو وہ ہیں جو الہی قانون ہونے کا اپنے پاس کوئی ثبوت نہیں رکھتے ان کے لیے تو معتبر مذاہبوں کی صف میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے اور اس لیے ان کے ساتھ دین حق کے تقابل و توازن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ وہ مذاہب جو اپنے آسمانی دین ہونے کا ثبوت رکھتے ہیں ان کو اس سوال کا حق ہے اور ان ہی کے غور و فکر کے لیے یہ اعلان کیا گیا ہے۔ اپنے اپنے زمانے میں تمام مذاہب حق اور کامل ہی تھے لیکن ان کی صداقت اور کمال کی حیثیت ٹھیک وہی تھی جو اپنے اپنے دور میں سلسلہ ارتقاء کی ہر کڑی کی ہوا کرتی ہے کوئی کڑی اپنے دور کے لحاظ سے ناقص شمار نہیں ہوتی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر بعد والی کڑی پہلی کڑی کے لحاظ سے کامل تر ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو ارتقاء کا مفہوم ہی بے معنی ہو کر رہ جائے اس لیے اگر کوئی پہلی کڑی بعد والی کڑی کی جگہ رکھ دی جائے تو اس ارتقائی دور کے لحاظ سے اس کو ناقص کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔

پھر اگر ذرا اور غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں ناقص و کامل سوال کرنا ہی بے محل ہے۔ کیونکہ تقابل و توازن کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دو چیزیں علیحدہ علیحدہ ہوں ایک ہی حقیقت کے مختلف مراتب و مدارج میں نقص و کمال کا سوال ہی بے حقیقت ہے جیسا کہ ایک شخص کے مختلف ادوار طفولیت و شباب میں۔ جب ایک چیز اپنے غیر ضروری اجزاء چھوڑتی اور اس سے کامل تر اجزاء اختیار کرتی چلی جاتی ہے تو اسی کو ارتقاء کہا جاتا ہے اس لحاظ سے ہر پہلی کڑی دوسری کے لیے بنیاد ہوتی ہے اور ہر دوسری کڑی پہلی کڑی کی نسبت سے کامل ہوتی ہے۔ اس کمال کے باوجود اس کی حقیقت پہلی کڑی کی حقیقت سے مختلف نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے تمام ضروری اجزاء اس کی حقیقت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو صداقت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی اس کی حقیقت کبھی نہیں بدلی اس کے ضروری اجزاء ہر دور اور ہر زمانہ میں محفوظ ہی رہے پھر کچھ دور آئے جن میں دین حق کی شریعتوں کی گرفت قدرے سخت ہو گئی لیکن دور ارتقائی کی طبعی رفتار کے پیش نظر تھوڑے سے وقفے کے بعد گرفت کی وہ سختی ڈھیلی کر دی گئی اور ادا و امر و نہی کے بوجھ ہلکے کر دیئے گئے اور جو پھمگے کس دیئے گئے تھے ان کو کاٹ دیا گیا۔ یہاں تک کہ سچائی کی ایسی آسان راہ دکھادی گئی جس میں نہ تو عمل کے لیے کوئی سختی تھی نہ عقل کے لیے کوئی بوجھ۔ اسی کا نام اسلام ہے اور اب یہ پیغام محمدی کا لقب مخصوص ہو گیا ہے ارتقاء کے ان ہی منازل کی جانب ذیل کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (المائدہ: ۱۳)

آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ الخ

یعنی یہ کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ وہی دین ارتقاء کی منزلیں طے کرتے کرتے آج اپنے اوج کمال تک پہنچ گیا ہے۔ لفظ کمال میں دین کی اسی ارتقائی حرکت کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کریم کی سب سے بڑی خصوصیت ”مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ“ کا حاصل بھی یہی ہے اور ”لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ“ کا عقیدہ بھی اس لیے سکھایا گیا ہے یعنی یہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں تھیں جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اور اپنے اپنے دور میں سب ہی کامل تھیں، صورتیں بے شک مختلف رہیں مگر حقیقت ایک ہی تھی اس لیے یہاں تسلیم و انکار کی تفریق برداشت نہیں کی جاسکتی۔ ایک کا ماننے والا اس کا مکلف ہے کہ وہ دوسرے کو بھی مانے اسی طرح ایک کا انکار کرنے والا اس جرم کا مرتکب ہے کہ اس نے دوسرے کا بھی انکار کر دیا ہے ”لَا تَخَيَّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ“ کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام میں افضل و مفضل ہونے کے باوجود تنجیر کی بحث اس لیے ناموزوں ہے کہ یہ سب ایک ہی پیغام اور ایک ہی صداقت کے حامل تھے ”لَوْ كَانَ مَوْسَىٰ حَيًّا لَّمَّا وَسَّعَهُ إِلَّا تَبَاعَىٰ“ میں بھی یہی اشارہ ہے کہ دور کمال میں غیر کامل دور کی کسی کڑی کو لا کر رکھنے کے کوئی معنی نہیں وہ اپنے دور میں ہزار کامل سہی مگر اس دور میں ہرگز قابل عمل نہیں ہو سکتی، طلوع آفتاب کے بعد بجلی کے ققموں سے روشنی حاصل کرنا دانائی نہیں کہا جاسکتا۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بقید حیات ہوتے تو ان کے لیے بھی خدا کا یہی مذہب (اسلام) جواب اپنی مکمل اور آخری صورت میں جلوہ گر ہو چکا ہے قابل اتباع ہوتا۔ پس اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کی تمام عظمتوں کے باوجود سوائے دین کامل کے اتباع کے کوئی راہ نہیں تو اب دنیا میں کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری راہ پر عمل پیرا ہونے کا مجاز ہو۔ اب نہ دو ہزار پہلے کا انسان موجودہ ترقی یافتہ انسان کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے اور نہ ہزاروں سال پہلا آئین موجودہ ضروریات کا حل کر سکتا ہے۔ فوز و فلاح، نجات اور کامیابی کی اب صرف یہی ایک راہ ہے اور اگر اس فطری ارتقاء کے بعد بھی کوئی شخص قدرت کی بخشائش سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اور ان ہی راہوں پر چلنا چاہتا ہے جن کے صحیح نقوش اب مٹ چکے ہیں تو اس کو اختیار ہے لیکن اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اب اس کا یہ اتباع اسلام اور اس کی صداقتوں کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ خواہشات کا اتباع ہوگا، جسے فلاح و نجات کا راہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اسلام کیا ہے؟ خدا کی رضا مندی کی ایک زبردست دستاویز، اعتقادات و عملیات کا مکمل نقشہ، انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے غیر فانی دستور العمل، زمانہ کفر کی ہر گمراہی کے غفوکا ضامن اور آئندہ اس کے ہر ضعف و نسیان پر تسامح کرنے کا روادار، اپنے حلقہ بگوشوں کی معمولی جدوجہد کا بڑا قدر دان اور انتہائی شکر گزار۔ غور فرمائیے اس کے بعد آپ چاہتے کیا ہیں کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی زمین پر آپ کی عقل کا بنایا ہوا آپ کی پسند کے موافق قانون نافذ ہو تو کیا آپ کے نزدیک ایک انسانی دماغ تمام عالم کی مختلف ضروریات کا احاطہ کر بھی سکتا ہے یا پورے طور پر ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے اور اگر اس ناممکن مرحلہ سے گزر بھی جائے تو کیا ان کی ضروریات کے احساس کے بعد ان کے لیے مناسب آئین وضع بھی کر سکتا ہے اور اگر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ تمام عالم اس پر متفق بھی ہو سکتا ہے اور اگر فرد واحد کے ساتھ اس آئین سازی میں کچھ اور افراد بھی شامل کر لیے جائیں تو

یقیناً وہ بھی انسانوں کی غیر محدود کثرت کے مقابلہ میں ایک ہی فرد کا حکم رکھیں گے تو اگر درحقیقت ان سب مشکلات کا حل مشکل ہی مشکل ہے تو مذہب سازی کی دردسری اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اسی مذہب کو کیوں قبول نہیں کر لیتے جسے قدرت کے رمز شناس ہاتھ نے تمام مزاجوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے۔ جس میں گزشتہ مذاہب کے محاسن خود جن جن کو اٹھا لیے گئے ہیں پھر اس مجموعہ میں اور بہت سے محاسن شامل کر کے اس کو بہت مکمل اور انتہائی دلپذیر صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے دنیا اس پر عمل کر کے زمین کی مالک اور آخرت کی وارث بن چکی جنہوں نے اس کو چھوڑا انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اب اگر اس کے بعد بھی آپ کے تلاش مذہب کی تشنگی نہیں بجھتی تو یقین کیجئے کہ آئندہ تاقیامت بجھے گی بھی نہیں۔ فبای حدیث بعدہ یومنون۔

اس مرحلہ پر آپ کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب کے ارتقاء کے بعد اسلام وجود میں آیا اسی طرح تیرہ سو سال گزرنے کے بعد اب کوئی اور نیا دین آنا چاہیے، لیکن اکمال دین کی بشارت کے ساتھ اگر دنیا کے خاتمہ کا اعلان بھی نہ کر دیا جاتا تو عالم پر ایک غیر معلوم مدت گزرنے کے بعد حرکت ارتقائی شاید کوئی اور قانون منصفہ شہود پر لے آتی یا اس آخری قانون ہی کو کچھ مدت کے لیے ابھی اور مؤخر کر دیا جاتا مگر محفل عالم کی برخاستگی کے نوٹس نے یہ اُمید منقطع کر دی ہے اور یہ یقین کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اب آخری قانون یہی ہے اور اس کے بعد کسی دوسرے قانون کا انتظار عبث ہے۔

دنیا انصاف کے ساتھ غور کرے گی تو آسمانی ادیان میں آج روئے زمین پر اسے اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نظر نہیں آئے گا۔ اسلام کا پہلا اعلان یہ ہے کہ ادیان سماویہ کی بنیاد فرقہ بندی اور تعصب پر نہیں ہے، ہر دین پہلے دین کا مصدق اور آئندہ کا مبشر بن کر آیا ہے۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یہ پیغام حق دنیا میں آیا تو اس نے خدا کے سب دینوں کی عظمت از سر نو زندہ کر دی۔ سب رسولوں کا احترام کرنا فرض و لازم قرار دے دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کو اسی طرح کافر ٹھہرایا جیسا خدا کے سب سے بڑے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کو۔ پہلے نبیوں کے سر جو تہمتیں لگا دی گئی تھیں تحقیق و تنقید کی روشنی میں ان کو غلط ثابت کیا۔ خدا کی مقدس کتابوں میں خفیہ سازشوں کا انکشاف کیا اور اس طرح ان کی عظمت رفتہ کو پھر قائم کیا اس نے پہلے رسولوں سے کٹ کر، اور پہلے دینوں کو جھوٹا کہہ کر، کسی نئے دین کی دعوت نہیں دی بلکہ اسی حقیقت کی طرف بلایا جس کی ان کے پیغمبر انہیں وصیت کر گئے تھے۔ تو رات یہ نہیں کہتی کہ انجیل کو مت مانو اور انجیل یہ نہیں بتاتی کہ تو رات غلط ہے اسی طرح قرآن یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تو رات و انجیل خدا کی نازل کی ہوئی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ماننے والوں پر یہ بھی حق لازم قرار دیتا ہے کہ تم ان کتابوں کو بھی خدا ہی کی کتابیں تصور کرو رسول عربیؐ یہ نہیں فرماتے کہ میرے سوا کسی پر ایمان نہ لاؤ بلکہ سب سے پہلے وہ خدا کے مقدس رسولوں کی عظمت کا سکھ دلوں میں قائم کرتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کی زبان سے جذبات محبت میں کوئی کلمہ ایسا نکل بھی جاتا ہے جس میں خدا کے دوسرے رسولوں کے ساتھ رقابت کی بو بھی پائی جاتی ہو تو آپ نہایت سختی کے ساتھ اسی حد پر اسے روک دیتے ہیں اور اس کے بعد اپنے متعلق عاجزی و انکساری سے ایسے بھرے ہوئے کلمات ارشاد فرما دیتے ہیں جن کے بعد جذبات رقابت یک لخت سرد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ جو دین اپنے عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اسے ایسی ہی تعلیمات کا مجموعہ بن کر آنا چاہیے جن میں

تمام عالم کے لیے یکساں جاذبیت موجود ہو وہ زمانہ ماضی میں کسی صداقت پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہ کرتا ہو اور آج جب اپنی طرف دعوت دے تو یہ کہہ کر دعوت دے کہ تم میری دعوت کی اپنی کتاب سے تصدیق کر لو خدا چاہتا ہے کہ اب بکھرے ہوئے ادیان و ملل کو ایک دین اور ملت بنا دیا جائے۔ دنیا کی ابتداء میں ایک ہی دین تھا اس کے خاتمہ پر پھر ایک ہی دین، ایک ہی ملت رہ جائے صراطِ مستقیم میں عقلی طور پر بھی تعدد کی گنجائش نہیں اس لیے فرقے اور پارٹیاں جو کچھ بنائیں پیروانِ مذہب نے بنائیں، باہمی رقابت اور عصبیت کے جراثیم جو کچھ پھیلانے انہوں نے ہی پھیلانے۔ فروعی اختلاف کو دین کی اساس سمجھ لیا اور اساسی مسائل کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا۔ اگر یہود و نصاریٰ غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام ان سے ایسی کسی ایک بات کا بھی مطالبہ نہیں کرتا جو ان کی کتابوں کے خلاف ہو وہ مطالبہ کرتا ہے تو یہ کہ تم نے صحیح طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نہیں پہچانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو ٹھیک نہیں سمجھا۔ تورات و انجیل کی صحیح تعلیمات تم نے حاصل نہیں کیں، تم ایک فرضی عیسیٰ (علیہ السلام) ایک موهوم موسیٰ (علیہ السلام) ایک خود تراشیدہ تورات و انجیل پر ایمان رکھتے ہو اس لیے تم کو حقیقت کا سراغ نہیں لگتا۔ بس تم اتنا ہی کر لو کہ اپنے نبیوں کو صحیح طور پر پہچان لو اور ان کی تعلیمات پر صحیح طور سے عمل پیرا ہو جاؤ تو جو رسول تمہارے سامنے آیا ہے وہی تمہیں اپنا رسول نظر آنے لگے گا۔ خدا کی کتاب جو تمہارے لیے بھیجی جا رہی ہے وہی اپنی کتاب معلوم ہونے لگے گی۔ وہی شعلہ طور، وہی ید بیضاء، وہی دم عیسیٰ دیکھنا ہو تو اب یہاں آ کر دیکھو۔ تورات کے وہی پر شوکت احکام۔ انجیل کی وہی سادہ اور رقت انگیز تعلیمات، زبور کی حمد و ثناء کے وہی ترانے، پھر سننے ہوں تو یہاں آ کر سنو، یہ اس لیے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے تمام برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی شانوں کا مجموعہ بن کر آ گئے ہیں۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضاء داری
آنچه خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

قرآن کریم خدا کی تمام متفرق صداقتوں کو اپنے دامن میں جمع کیے ہوئے نازل ہوا ہے، کیا وہی صداقت، وہی سچائی اگر تورات میں ہو، انجیل میں ہو تو قابل تسلیم ہو، اور اگر وہی قرآن میں ہو تو قابل انکار ہو سکتی ہے کیا وہی رسول اگر اس کی بشارت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام دیں تو قابل انتظار ہو اور جب وہی تمہاری آنکھوں کے سامنے آ جائے تو لائق انکار ہو سکتا ہے۔ پھر صرف ان چند مسائل کی بناء پر جو تمہارے ہی لیے تخفیف، تمہارے ہی لیے سہولت کا موجب تھے یہ عداوت یہ ضد کیوں ہے ایسی عالمگیر تعلیم، جذبات سے اتنی خالی، فرقہ پرستی اور تعصب سے اتنی دور، گذشتہ اور موجودہ ادیان سماویہ کا اتنا احترام سکھانے والی، پھر ضروریاتِ زمانہ کے لیے اتنی مناسب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے ایک ایک شوشے کے ساتھ اتنی محفوظ۔ اگر دین اسلام کے سوا کسی اور دین میں موجود ہو تو بے شک اس کو اسلام کے مقابلہ میں آنے کا حق ہو سکتا ہے لیکن ان تمام صفات کے ساتھ موصوف تو کیا اگر کسی ایک صفت میں بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہے تو یقیناً آج بھی اس کی پیروی نا منظور اور کل بھی خسارہ و نقصان کا موجب ہونا چاہیے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آل عمران: ۸۵)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ

اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا

مِنِّي دِمَائُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ. (رواه الخمسة)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اس بات پر مامور ہوں کہ اس وقت تک برابر جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے پیغمبر ہیں، نمازیں اچھی طرح پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جب ان احکام کو مان لیں تو اب مجھ سے اپنی جان اور مال کو بچالیں گے ہاں بجز اس صورت کے جو اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہو اس کے بعد ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے (وہ جانے کہ ان کا اسلام محض نمائشی تھا یا دل سے) تشریح۔ یعنی جب مشرکین کے ساتھ کسی سبب سے جنگ چھڑ جائے تو اب اس کے ختم کرنے کی قطعی صورت صرف ایک ہے کہ وہ خدا کی توحید اور تمام پیغمبروں کی تصدیق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کر لیں۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کریں اس کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے سوا کسی بھی مذہب کی تبدیلی سے جنگ ختم نہیں کی جاسکتی بلکہ اگر اسلام کے کسی ایک رکن کے انکار پر بھی اصرار باقی ہے جب بھی اسلام کی تلوار برابر چمکتی رہے گی۔ ہاں دائرہ اسلام میں آ جانے کے بعد یہ تحقیق بھی نہیں کی جائے گی کہ یہ اسلام حقیقی تھا یا محض نمائشی اور وقتی۔ اس آئین کے ماتحت جب عہد نبوت کا نقشہ جنگ دیکھا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ٹھیک اس وقت جب کہ جنگ نہایت گرمی سے ہو رہی تھی اگر دشمن نے ”صبا نا صبا نا“ (ہم اپنے دین سے نکل گئے) کے نامانوس الفاظ کے ساتھ بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا ہے اور خالد بن ولید جیسے جرنیل نے اپنی تلوار نیام میں نہیں کی تو اس کی خبر پہنچنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط تاثر سے فوراً آسمان کی طرف یہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیئے ہیں ”پروردگار! یہ جو کچھ کیا خالد نے کیا میں اس سے بری ہوں۔“ یا اگر کسی مشرک نے کسی مسلمان کا بازو کاٹ ڈالا ہے اور جب دست بریدہ مسلمان کا قابو چلتا دیکھا تو فوراً کلمہ اسلام پڑھ کر پناہ لینے کا ارادہ کیا ہے تو اس وقت بھی آپؐ نے اس مسلمان کی کوئی حجت نہیں سنی اور یہی حکم دیا کہ وہ اس کے بازو تک پہنچی ہوئی تلوار نیچی کر لے۔

اس حدیث میں قتل کی بجائے قتال کا لفظ چاہتا ہے کہ یہاں اس جنگ کا تذکرہ ہے جس کی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں ہے بلکہ اس میں مشرکین کا بھی بڑا ہاتھ ہے اس لیے اس کو اسلام پر جبر و اکراہ کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ عبارت یوں ہونا چاہیے تھی ”امرت ان اقتل الناس“ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرکین کو قتل کرتا رہوں، تا وقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک واقعہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا جہاں محض اسلام پر مجبور کرنے کے لیے آپؐ نے کسی پر چڑھائی کی ہو۔ اگر اسلام جبر و اکراہ اور زبردستی کے تبدیل عقیدے کو جائز قرار دیتا تو دائرہ اسلام میں آ جانے والوں کے لیے اتنا اغماض کیوں کرتا کہ امام یہ تحقیق بھی نہ کرے کہ ان کا یہ اسلام کہیں نمائشی تو نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہوتا کہ جب تک ان کے اسلام کی طرف سے مکمل اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے۔

صلح اور جزیہ بھی اگرچہ جنگ ختم کرنے کا سبب بنتے ہیں مگر یہ دونوں صورتیں طرفین کی رضامندی پر موقوف ہیں۔ فریق محارب صلح کی درخواست کرے گا یا جزیہ دینا قبول کرے گا تو اس کی درخواست قبول کی جاسکتی ہے لیکن جنگ ختم کرنے کا وہ حتمی اور یقینی سبب جو صرف دشمن کے ہاتھ میں ہے اسلام ہے۔ اس مرحلے پر قبول اسلام کے لیے جبر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ

اسکے برعکس یہاں اس سبب کا بیان ہے جس کو اختیار کر کے مشرکین مسلمانوں کو جنگ ختم کرنے کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔
صحیح مسلم کے ایک طریقہ میں اتنا اور ہے کہ آپ نے حدیث مذکور بیان فرما کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَذِكْرُ
إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: ۲۱، ۲۲) آپ انہیں سمجھائے جائے کیونکہ آپ کا کام
سمجھانا ہی ہے آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔

اب غور کیجئے اگر حدیث کے پہلے حصہ میں جبر و اکراہ کا کوئی ہلکا سا مفہوم بھی موجود ہوتا تو پھر اس کے ساتھ اس آیت کو تلاوت
کرنے کا کیا مطلب ہے، یہ تو کھلا ہوا اختلاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو دلوں میں ڈال دینا رسول کا منصب ہی نہیں یہ کام
خدائے قدوس کا ہے اس کا کام صرف وعظ و تذکیر کے ذریعہ اسلام کی خوبیاں بیان کر دینا ہے، تلوار کے ذریعہ سے کسی چیز کی خوبی نہ تو
دلوں میں بٹھائی جاسکتی ہے اور نہ اس کا منصب نبوت سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ جبر و اکراہ کے مضمون کے ساتھ صحیح مسلم کے اس ٹکڑے
کا کوئی جوڑ نہیں ملتا۔ جبر کے ہوتے ہوئے آپ مصیطر تو ہو سکتے ہیں۔ مذکر نہیں ہو سکتے اس لیے یہ بدیہی ہے کہ یہاں قبول اسلام
پر مجبور کرنے کے لیے جنگ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مشرکین کی جو جنگ اسلام کے ساتھ جاری تھی اس کے ختم کر دینے کی یہ ایک قطعی شکل
بیان کی گئی ہے اور شکل بھی ایسی جو ان کی مرضی پر موقوف ہو۔ جنگ انہوں نے شروع کی اس لیے اب ختم بھی انہیں ہی کو کرنی ہوگی۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ
أَحَدٌ قَبْلِي نُصْرَتْ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةُ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ
أُمَّتِي أَدْرَكْتُهُ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّ وَأَحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ
النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً. (رواه الخمسة الا ابا داود)

جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ باتیں مجھے خاص طور پر عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پیشتر کسی
نبی کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب و خوف ڈال کر میری مدد کی گئی ہے، تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور
(پانی نہ ہونے کی حالت میں پاک کرنے کا آلہ بنا دی گئی ہے تو میری امت میں جس کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں پڑھ لے۔
میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے، مجھ سے پیشتر کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ شفاعت کبریٰ کا حق صرف مجھے بخشا گیا
ہے۔ مجھ سے پہلے جو نبی تھے وہ خاص اپنی ہی قوم کے لیے ہوتے تھے میں ناقیامت تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا ان پانچ ہی میں انحصار نہیں ہے ان کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی
خصوصیات ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں جمع کیا ہے اس سلسلہ میں سب سے بڑی خصوصیت آپ کی
بعثت عامہ ہے۔ یعنی یہ کہ آپ کائنات ارضی کی تمام آبادیوں کے لیے نبی و رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اسی بعثت عامہ کا یہ قدرتی
تقاضا ہے کہ اب روئے زمین پر شریعت محمدی کے علاوہ کسی شریعت کی پیروی کرنا نجات کے لیے کافی نہیں۔ حتیٰ کہ دین کامل کے
اس دور میں اگر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوا العزم پیغمبر بھی تشریف لائیں تو ان کے لئے بھی اسی دین کی پیروی کرنا ناگزیر ہے کیونکہ
اب یہی دین اور یہی شریعت ہے جس میں تمام آسمانی صداقتوں کی روح اپنے تمام کمالات کے ساتھ سمودی گئی ہے۔ حضرت نوح

علیہ السلام کی بعثت کے متعلق بھی عام ہونے کا شبہ کیا گیا ہے مگر وہ اس لیے صحیح نہیں کہ اول تو ان کے زمانہ تک معمورہ عالم شاید اتنی وسعت کے ساتھ آباد بھی نہ ہوا ہوگا گمان غالب یہ ہے کہ اس نوآباد کردہ زمین پر صرف ان ہی کی قوم ہوگی اس لیے عموم بعثت کا مفہوم قدرۃ ان ہی میں منحصر ہونا چاہیے اور اگر اس سے آگے بھی عموم تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے بہت اس کا احاطہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ حیات تک ہو سکتا ہے۔ شیخ تقی الدینؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ توحید اور اصول دین کے لحاظ سے اگرچہ تمام انبیاء کی بعثت عام تھی، مشترکہ صداقتوں کی دعوت ہر نبی جسے چاہے دے سکتا تھا لیکن منہاجوں اور شریعتوں کی دعوت اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ اس میں نہ تو قوموں کی تخصیص ہے، نہ شریعت میں کسی قوم کی، نہ زمان و مکان کی بلکہ حیات و وفات کی قید بھی نہیں۔ یہاں تک کہ جن و انس کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور اگر غیر مکلف یا جمادات بھی انوار نبوت سے غیر شعوری طور پر مستفیض ہو سکتے ہوں تو وہ بھی بلاشبہ اس کے احاطہ میں داخل ہیں۔ غرض یہ عموم و اطلاق یا خالق کی خالقیت و ربوبیت کے لیے ہے اور یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے لیے۔ وہ رب العالمین ہے تو یہ رحمۃ للعالمین۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

(۲) ساز و سامان کے ساتھ دشمن کا مرعوب ہونا عام بات ہے لیکن بے سرو سامانی میں اس کا لرزہ براندام ہو جانا آپ کی خصوصیات میں ہے۔ ایک ماہ کی مسافت کی تخصیص صرف اس بناء پر ہے کہ اس وقت آپ کی عداوت کا دائرہ زیادہ تر اسی مسافت کے اندر اندر تھا۔ (عمدة القاری)

(۳) پہلی امتوں پر نماز کے لیے گرجا و کنیہ کی پابندی تھی اس امت کے لیے وقت کی پابندی زیادہ ضروری ہے مسجد کے بغیر بھی نماز ادا ہو سکتی ہے اس لیے مسجد کی تلاش میں وقت نہ جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مساجد کی تعمیر سے قبل مبرا بضع غنم یعنی بکریوں کے بندھنے کی جگہ بھی نماز اداء کر لی گئی ہے۔

(۴) اس امت سے پیشتر بھی مال غنیمت خدا کی ملک سمجھا جاتا تھا اور اب بھی اسی کی ملک سمجھا جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے آگ آسمان سے آ کر اسے جلا دیتی تھی اور یہی بنی اسرائیل جیسی حریص قوم کے لیے مناسب بھی تھا۔ اب اس ناتوان و نادار امت کے مناسب یہ سمجھا گیا کہ اس مال کو خدا کی مقرر کردہ تقسیم کے مطابق پھیلا دیا جائے۔ یہاں نادان تو ہر لوٹ کے مال کو مال غنیمت کہہ دیتا ہے اور دانا دشمن اسے لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ سمجھتا ہے اصل بات نہ یہ ہے نہ وہ۔

(۵) محشر میں جب شان کبریائی کسی سے خطاب نہ کرے گی تو اس عقدہ کشائی کے لیے اہل محشر کسی شفع کی تلاش کریں گے رب العزت نے اس کام کے لیے اپنے قہر و غضب کے سب سے بڑے مظاہرے کے دن اپنی سب سے بڑی رحمت کو منتخب کیا ہے تاکہ جب عین غیظ و غضب کے حال میں رحمۃ للعالمین سامنے آ جائیں تو ”سبقت رحمتی غضبی“ کے قاعدہ کے مطابق اقتضاء رحمت غضب کے اقتضاء پر غالب آ جائے اور بے یار و مددگار مخلوق سے حساب و کتاب شروع ہو جائے اسی کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے اس کے بعد بہت سی اور سفارشیں ہوں گی انہیں شفاعت صغریٰ کہتے ہیں، اس میں شفاعت اکبر کے بہت سے امتیوں کا بھی حصہ ہے۔

اہل کتاب میں جو شخص ایمان لائے گا اس کو دوا جر ملیں گے

حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَذَى حَقَّ اللَّهُ وَحَقَّ مَوَالِيهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ يَطَّأُهَا فَأَذَبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ اعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ أَعْطَيْنَا كَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ وَقَدْ كَانَ يُرَكَّبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ. (رواه البخاری وغیرہ)

ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں کو دوا جر ملیں گے ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ دوسرا وہ غلام جو خدا کا حق ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی، تیسرا وہ شخص جس کی باندی تھی وہ اس سے صحبت کرتا تھا پہلے اس کو خوب سلیقہ شعار بنایا، خوب تعلیم دی پھر آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا اس کو بھی دوا جر ملیں گے عامر (راوی حدیث اپنے شاگرد سے کہتا ہے) ہم نے تو ایسی بیش بہا حدیث تمہیں کسی رنج و تعب کے بغیر سنا دی پہلے اس سے معمولی حدیث کے لیے مدینہ تک سفر کیا جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ ہر شخص کی فطرت ہے کہ اس کو اپنے دین سے ایک والہانہ محبت اور دوسرے دین سے رقابت کا تعلق ہوتا ہے اس لیے اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا فطرۃ شاق گذرتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ادیان ساویہ میں کوئی رقابت نہیں ہے، پارٹیاں نہیں ہیں اس لیے ان مذاہب کے پیروں کو بھی یہی جذبہ رکھنا چاہیے یہ ایک ہی صدقت کی کڑیاں ہیں، ایک دین کے مصدق کو دوسرے دین کی تصدیق لازم ہے اس لیے اگر کوئی اہل کتاب اسلام قبول کرے تو اس کو یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہیے کہ اپنے نبی پر اس کا ایمان رایگاں چلا گیا۔ بلکہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے تو دوا جر کا مستحق ہوگا ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لایا تو پہلے ایمان کا اجر بھی حبط ہو جائے گا۔ کیونکہ رسولوں کے درمیان ایمان کے بارے میں تفریق نہیں کی جاسکتی جو ایک کا منکر ہے وہ سب ہی کا منکر شمار ہوگا۔ اس بشارت میں دراصل اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر بھی ایمان لے آئیں اور کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ ان سب نبیوں پر ایمان لانا آپ کی دعوت کا جزء ہے۔ پس آپ پر ایمان لانا ان سب پر ایمان لانا اور آپ کا انکار، ان سب کا انکار ہے اس لیے اگر وہ خدا کے دین یا خدا کے رسولوں کے متعلق فرقہ پرستی کی اسپرٹ رکھیں گے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اس کو برداشت نہیں کرے گا اور الٹا ان کا حاصل کردہ اجر بھی برباد ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانا سب انبیاء علیہم السلام پر ضروری لیکن منہاج اطاعت صرف اسلام میں منحصر ہے۔

ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوتا ہے فیضیت کا موجب ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِئِي وَرَأَى مَرَّةً وَطُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِئِي وَلَمْ يَرِنِي سَبْعَ مَرَّاتٍ. (رواه احمد وذكره السيوطی)

انس بن مالک بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارکباد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارکباد۔ احمد۔

تشریح:۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انسؓ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (درمنثور ج ۱ ص ۲۷)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ جُلُوسًا فَذَكَرَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَبَقُونَا بِهِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ أَمْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَيْنَا لِمَنْ رَأَاهُ وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا آمَنَ أَحَدٌ قَطُّ إِيمَانًا أَفْضَلَ مِنْ إِيمَانٍ بِغَيْبٍ ثُمَّ قَرَأَ (أَلَمْ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ إِلَى قَوْلِهِ الْمَفْلُحُونَ) هَكَذَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ مَرْدُويه وَالْحَاكِمُ

فِي مُسْتَدْرَكٍ مِنْ طَرَفٍ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهِ فِي التَّفْسِيرِ وَقَالَ صَحِيحٌ عَلَى شَرَطِ الشَّيْخِينَ.

عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو، پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الْمَ يَكُنْ فِيهِ شَكٌّ وَ شَبْهٌ نِّمِ، مُتَّقِيُوْنَ كَے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

تشریح:۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرام اپنی سابقیت، دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ و مغازی میں صبر و استقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے فضائل کا تذکرہ بالکل بر محل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شان تو اضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سنی گوارانہ کی اور آئندہ امت کے لئے بھی ایسی امتیازی فضیلت ذکر کر دی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرام اس میں بھی بقیہ امت سے پیش گام تھے لیکن رسول کی پر از صدق و صفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لئے اس بزرگ صحابی کو ان کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔

درمنثور میں بعینہ یہ مکالمہ حارث بن قیسؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان ذکر کیا ہے۔ ج ۱ ص ۲۶۔

عَنْ أَبِي مُخَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جُمُعَةَ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدَّثَنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ أَحَدُكُمْ حَدِيثًا جَدِيدًا تَغْدِينَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ أَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُونُونَ مِن بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرُونِي. (رواه احمد)

ابو محیرز بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو جرحہ سے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا، لو میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابو عبیدہ بن الجراح بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ احمد۔ حاکم۔ ابن کثیر۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ أَنِّي لَقِيتُ إِخْوَانِي قَالَ فَقَالَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ إِخْوَانُكَ قَالَ أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَلَكِنْ إِخْوَانِي الَّذِينَ آمَنُوا بِي وَلَمْ يَرُونِي. (رواه احمد)

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم بھی تو آپ کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (مسند احمد) تشریح:- یعنی تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انہیں رشتہ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي خُبْرًا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَأَى بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار، اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

تشریح:- رحمۃ للعالمین کی یہ صرف ایک قدر دانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپ نے آنے والی امت کے لئے بھی ایک سامان تسلی چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ آپ کے شرف دیدار سے محروم رہ گئی تو غم نہ کھائے اصل شرافت سے وہ بھی محروم نہیں ہے شرافت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ شرافت دیدار بھی اسی وقت شرافت شمار ہوتی ہے جبکہ اسی رشتہ ایمانی کے ساتھ ہو۔ اسی رشتہ سے صحابہ نے میدان فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بیشک ان کا ایک بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر وہی جذبہ جاں نثاری، اسی نمونہ کے ایثار و قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر اس قسم کی ہمت

افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آنیوالی امت کے لئے یہ بڑے اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ رَاكِبَانِ فَلَمَّا رَاهُمَا قَالَ كِنْدِيَانِ مَذْجِحِيَانِ حَتَّى آتِيَاهُ فَإِذَا رَجَالٌ مِنْ مَذْجِجٍ قَالَ قَدْ نَا إِلَيْهِ أَخَذَهُمَا لِيُبَايِعَهُ قَالَ فَلَمَّا أَخَذَ بِيَدِهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَنْ رَاكَ فَأَمَّنَ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ مَاذَا لَهُ قَالَ طُوبَى لَهُ قَالَ فَمَسَحَ عَلَى يَدِهِ فَأَنْصَرَفَ ثُمَّ أَقْبَلَ الْآخَرَ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ لِيُبَايِعَهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَنْ أَمَّنَ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ وَلَمْ يَرْكَ قَالَ طُوبَى لَهُ ثُمَّ طُوبَى لَهُ ثُمَّ طُوبَى لَهُ قَالَ فَمَسَحَ عَلَى يَدِهِ فَأَنْصَرَفَ. (رواه احمد)

ابو عبد الرحمن جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ دو سوار (سامنے سے آتے) نظر آئے۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج قبیلہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آگئے تو اس قبیلہ کے کئی آدمی اور تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک شخص بیعت کے لیے آپ کے قریب آیا جب اس نے آپ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپ کی زیارت کی، آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمائیے اس کو کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا اس کے لیے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لیے آپ کا ہاتھ میں ہاتھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپ کو نہیں دیکھا اور آپ پر ایمان لے آیا، آپ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمائیے اس کو کیا ملے گا آپ نے فرمایا اس کو مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو (تین بار مبارکباد دی) اس نے بھی آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا۔ (احمد)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيْمَانًا قَالُوا الْمَلَائِكَةُ قَالُوا وَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوا فَالَنَّبِيُّونَ قَالُوا وَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوا فَتَنَحْنُ قَالُوا وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنَّ أَعْجَبَ الْخَلْقِ إِلَيَّ إِيْمَانًا لِقَوْمٍ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُونَ صَحُفًا فِيهَا كِتَابُ يُؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا. قَالَ أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِي فِيهِ الْمَغِيرَةُ بْنُ قَيْسٍ الْبَصْرِي وَهُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيرٍ وَلَكِنْ قَدَرَوِي أَبُو يَعْلَى فِي مُسْنَدِهِ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ فِي تَفْسِيرِهِ وَالْحَاكِمُ فِي مُسْتَدْرَكِهِ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَمِيدٍ وَفِيهِ ضَعْفٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ الْحَاكِمُ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَخْرُجَاهُ وَقَدَرَوِي نَحْوَهُ

عن انس بن مالك مرفوعا والله تعالى اعلم قال الذهبي محمد بن ابى حميد ضعفه.

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابلِ تعجب ہے انہوں نے عرض کیا فرشتوں کا آپ نے فرمایا کیوں انہیں کیا ہوا

کہ وہ ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہمہ وقت حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جبکہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہوگی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

تشریح:- یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابل تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہہ دیا گیا ہے وہاں بھی اسی تعجب کا اظہار منظور ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہ راست بارگاہ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کا متکفل و مربی خود قدرت ہوتی ہے۔ ان کا تعلق عالم غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر براہ راست ہوتا ہے تمہارا معاملہ بھی صاف ہے یعنی عالم غیب اگرچہ بلا واسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہ ہو مگر میں عالم غیب کا بلا واسطہ ترجمان تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھ کر عالم غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہو۔ اب رہ گئی صرف وہ امت جس کو نہ عالم غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری بصیرت افروز ہستی ہوگی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے وہ ان ہی کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گی ان کا ایمان اگرچہ نامساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو لیکن قابل تعجب ضرور ہوگا فضیلت کلی گو تمہیں حاصل ہو لیکن ایک جہت سے فضیلت جزئیہ کے حقدار وہ بھی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعالمین کی ساری امت قابل غبطہ بن جائے گی۔ کوئی کسی جہت سے اور کوئی کسی جہت سے اس لئے حدیث میں ارشاد ہے، میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے شروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے پوچھا، اچھا کوئی مشک ہے؟ لوگ مشک لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا بلال آواز دیدو کہ لوگ وضو کر لیں۔ اور لوگ تو وضو کرنے میں مصروف ہو گئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی سے پینے کی فکر لگ رہی تھی جب سب لوگ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد اپنے صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے۔ (درمنثور ج ۱ ص ۲۶)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ يَوْمًا فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَقَالَ طُوبَىٰ لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَانِ رَأَتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَوَدِدْنَا أَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتُمْ وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتُمْ فَاسْتَعْصَبَ فَبَجَعَلْتُ أَعْجَبُ، مَا قَالَ إِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا

يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلَى أَنْ يَتَمَنَّى مَحْضَرًا غَيْبُهُ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَذَرِي لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ يَكُونُ فِيهِ وَاللَّهُ لَقَدْ
 حَضَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامَ أَكْبَهُمُ اللَّهُ عَلَى مَنَاجِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ لَمْ يُجِئُوهُ وَلَمْ
 يُصَدِّقُوهُ أَوْ لَا تَحْمَدُونَ اللَّهَ إِذْ أَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبُّكُمْ مُصَلِّقِينَ لِمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ قَدْ كُفِّتُمْ
 الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ وَاللَّهُ لَقَدْ بَعَثَ اللَّهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَشَدِّ حَالٍ بَعَثَ عَلَيْهَا نَبِيًّا مِنَ
 الْأَنْبِيَاءِ فِي فِتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ مَا يَرَوْنَ أَنْ دِينًا أَفْضَلَ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ
 وَالْبَاطِلِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرَى وَالِدَهُ وَوَلَدَهُ وَأَخَاهُ كَافِرًا وَقَدْ فَتَحَ اللَّهُ
 قُفْلَ قَلْبِهِ لِلْإِيمَانِ يَعْلَمُ أَنَّهُ إِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيبَهُ فِي النَّارِ وَأَنَّهَا النَّارُ
 قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ) (رواه احمد)

عبدالرحمن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقدار بن الاسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے
 ایک شخص ان کے پاس سے گزرا اور (انہیں دیکھ کر) بولا یہ دو آنکھیں مبارک ہوں جنہوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے۔
 خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جو نظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم
 بھی شرکت کرتے (یہ سن کر) مقدار غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بیچارے نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات
 کہی تھی (پھر انہیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں
 موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر و استقلال کا
 حال کیا ہوتا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ
 میں گرا دیا ہے اس لئے کہ انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے زمانہ میں اپنے ہونے کی
 تمنائیں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جبکہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے
 اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں
 دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے محفوظ رہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ فترت و کفر کے ان سخت
 سے سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپ سے پیشتر اپنے نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جبکہ لوگوں کے نزدیک
 بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہ تھا (اس وقت آپ ایک ایسی کتاب لیکر آئے جس نے حق و باطل کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے
 باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث بھی وہی کتاب بنی۔ یہاں تک کہ ایک شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے
 لئے کھول دیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ (وہ خود تو مسلمان ہے اور) اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ
 اگر وہ اسی حالت پر مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے یہ پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں
 گے اس کی آنکھیں بھلا کیسے ٹھنڈی رہ سکتی تھیں۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ (جو لوگ یہ دعا
 مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما دے۔) (مسند احمد)

تشریح:- حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے خزانے لٹائے جا رہے تھے مگر ان کے لئے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار تھیں۔ العطا یا علی فتن البلایا۔ اگر وہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ ایثار و قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں۔ اب بعد کی امت کے دلوں میں ان کمالات کی ہوس تو اٹھتی ہے مگر ان قربانیوں کے لئے آمادگی بھی ہے؟ وہ دور ایک ایسا نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی شمار ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم کا دور نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا بیشک بڑی نعمت تھی لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ٹوٹ رہے ہیں باپ بیٹے سے خاوند بی بی سے جدا ہو رہا ہے اس نازک مرحلہ کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہئے اور اس دور کی تمنا نہ کرنی چاہئے جس میں فضائل کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے۔ یہ رضا بقضاء کی منزل ہے جو پہنچ جائے وہی ان رموز کو جان سکتا ہے۔ ابتداء عشق کے سوز و گداز رکھنے والے بھلا اسے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقْرَةً إِذْ أَعْيَى فَرَكَبَهَا فَقَالَتْ إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهَذَا إِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ الْأَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ بَقْرَةٌ تَكَلِّمُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي أُؤْمِنُ بِهِ أَنَا وَأَبُوبَكْرٌ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثُمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمٍ لَهُ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلَى شَاةٍ مِنْهَا فَأَخَذَهَا فَأَذْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبْعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أُؤْمِنُ بِهِ أَنَا وَأَبُوبَكْرٌ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثُمَّ. (متفق عليه)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لئے جا رہا تھا جب تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا (قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے لئے تو ہم پیدا نہیں کئے گئے ہم تو صرف زمین میں کھیتی کے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر ازراہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کو دبا لیا۔ مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا، اچھا دیکھوں گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا راج ہوگا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہوگا (یہ عالم کی ویرانی کے زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے پھر تعجب سے کہا سبحان اللہ، بھیڑیا اور باتیں کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن ایسی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے درمیان مستعمل ہو۔ سر دست ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرمادی۔ گویا آپ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپ فرمائیں پھر وہ خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جاں نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا

کلام کر لینا عقل کے نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے۔ قیامت کے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائیگی حتیٰ کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندا اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی شعور پیدا کر دے اور ہو سکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کر جائے کہ بہائم کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے۔ نباتات بہت دنوں تک غیر ذی روح سمجھے گئے لیکن اب ان کا شمار ذی روح میں ہو گیا ہے۔ ان کی غذا اور صحت و مرض کے مفصل حالات بھی دریافت ہو چکے ہیں تم اپنی بہت محدود معلومات کی بناء پر حیوانات کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو، شاید وہ زمانہ آجائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کر لینا پڑے۔

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور عالم غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو بات ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف سے اس کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اندازہ کرو کہ جب ان معمولی غیوب پر ان کا ایمان یہ ہو تو اور عالم غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا۔

ایمان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب اور اس کی زبان دونوں اس کی تصدیق کرنے کے لئے مضطر ہو جائیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُسْرِى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى أَصْبَحَ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذَلِكَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِمَّنْ كَانُوا وَصَدَّقُوهُ وَسَعَوْا بِذَلِكَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالُوا هَلْ لَكَ إِلَى صَاحِبِكَ يَزْعُمُ أَنَّهُ أُسْرِى بِهِ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ لَوْ قَالَ ذَلِكَ لَقَدْ صَدَقَ قَالُوا أَوْصَدَقَهُ أَنَّهُ ذَهَبَ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَجَاءَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ قَالَ إِنِّي أَصَدَقُهُ فِيمَا هُوَ أَبْعَدُ مِنْ ذَلِكَ أَصَدَقَهُ فِي خَبَرِ السَّمَاءِ فِي غَدْوَةٍ أَوْ رَوْحَةٍ فَلِذَلِكَ سَمِيَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ. (رواه الحاكم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس پر صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہو گئے اور یہ قصہ لیکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلاشبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کر لیں گے کہ وہ ایک ہی شب میں بیت المقدس جا کر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی ہیں (حالانکہ آسمانوں کی مسافت تو بیت المقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے) اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

تشریح:- قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیئے گئے ہیں سب سے پہلے یقین پھر صدیقین اس کے بعد شہداء و صالحین۔ صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی تردد نہیں گذرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت کی چمک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپ کی تصدیق کی لیکن ابو بکرؓ وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں بوقت طلوع بھی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرت مناقب نہیں بلکہ سبقیت ایمان اور دین کے لئے اقدمیت انفاق اموال اور اولیت بذل نفس ہے یہ قابل قدر تحقیق ہے۔ (مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۷)

یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا عَامَ أَوَّلِ الْمَنْبَرِ ثُمَّ

بَكَى وَقَالَ سَلُّوا الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِينِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ. (رواه احمد)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابو بکرؓ زار و قطار رو پڑے (پھر کہا کہ) آپ نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لئے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔ (احمد۔ نسائی۔ ترمذی)

تشریح:- یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے ”الیقین الایمان کلمہ“ یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے اللہم زدنا ایمانا و یقینا و فقہا۔ اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین، اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے۔ جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے۔ واقسم لنا من الیقین ماتھون بہ علینا مصائب الدنیا۔ اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوری کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں لو ان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطار اشتیاقاً الی الجنة وھر بامن النار (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہؒ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک باریہ آیت پڑھی فاذا نقر فی الناقور (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بیہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوَّلُ صَلَاحٍ هَذِهِ

الْأَمَّةُ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ أَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

عمر بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور راز امیدوں کی بدولت ہوگی۔ (شعب الإيمان)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل و نفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء سمجھی جاتی ہے۔ (پس فناء ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل و خصائص ہوتے ہیں۔ یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس۔ عقل کا اصل خاصہ تصدیق، شک، توہم، اسباب کی تلاش اور جلب منافع، دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے۔ جب انسانی قلب و جوارح آداب الہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیت اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لٹو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیہ کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے، اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں، منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے عرشِ رحمن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (غلام حجتہ اللہ)

امام شعرانی لکھتے ہیں المومن الکامل من صار الغیب عنده کالشهادة فی علم الریب (البیوت ج ۷ ص ۷۷) مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عالم شہادت کی برابر ہو جائے۔ یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آگئی اس کی عقل کامل ہوگئی اور جس کی عقل کامل ہو گئی اس کے لئے نفس و قلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی، اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آ پہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نوازا دیا جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے۔ جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلا تعب حاصل ہو گیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطے سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔

عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین کے مرتبہ سے اونچا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ

رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّ الْمَوْتَى قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنِ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي الْحَدِيث . (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہیں (اگر یہ سوال وہ ازراہ شک کرتے) اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ارشاد ہوا اچھا تو کیا تمہیں اس پر یقین نہیں، عرض کیا کیوں نہیں (یقین نہ ہوتا تو تجھ سے یہ سوال ہی کیوں کرتا) لیکن مقصد یہ ہے کہ (کیفیات احياء کا مشاہدہ کر کے) میرا دل اور مطمئن ہو جائے۔

تشریح:- محبت و خلوص کی داستانوں کو پڑھنے اور سننے کے لئے رموز محبت سے کچھ آشنائی بھی درکار ہے۔ لذت محبت سے یکسر بیگانہ نہیں کیا جانے اور کیا سمجھے۔ یہاں کوئی بد ذوق جب ”رب ارنی“ کے ایک انداز ناز کا سوال سنتا ہے تو اس کو اسرارِ خلعت کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے عام انسانوں کے سوالات کی سطح پر سمجھ لیتا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف شک و تردد کی نسبت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس پر خلعت کی روشنی میں غور کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں شک و تردد کا کوئی موقعہ محل ہی نہ تھا بلکہ ادغان و ایقان کے اس جبلِ عظیم پر جب محبت و خلعت کی کیف آور ہوائیں چلنی شروع ہوئیں تو اس فضا میں ناز و نیاز کا ایک سا خود بخود پیدا ہو گیا اور اسی فضاء ناز میں حضرت خلیلؑ کی زبان اسرارِ احياء کا مشاہدہ کرنے کیلئے بیساختہ متحرک ہو گئی قصہ بہت طویل ہو گیا مگر شاید در پردہ کسی خلیل کو اپنی خلعت کی گہرائی معلوم کرنے کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا ادھر قباء خلعت پہنانے والے نے یہ قدر شناسی فرمائی کہ صرف ان کے اطمینان خاطر کے لئے اپنی صفت احياء کا راز پنہاں ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ ان ہی نزاکتوں اور کج فہمیوں کے پیش نظر قرآن کریم نے از خود ”اولم تو من“ کا سوال اٹھا دیا تھا اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبانی یہ بات صاف کر دی تھی کہ ان کے سوال کا منشاء ضعفِ یقین نہ تھا بلکہ ربط خلعت تھا جس کے بعد ایسے ایسے نازک سوالات کرنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔

خدا کے اس مقدس رسول کے دامن یقین کو شک و تردد سے پاک و صاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جو حدیث بالا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ فیصلہ خود ان صحابہ کی فہم پر چھوڑ دیا جائے جو آپ کی فیض صحبت سے یقین و ایمان کی موجیں اٹھتی ہوئیں اپنے سینوں میں مشاہدہ کر رہے تھے وہ سوچیں کہ جب ان کے قلب میں یقین و ایمان کا عالم یہ ہے تو اس شمع فروزاں کے قلب میں ایمان و ایقان کا عالم کیا ہونا چاہئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلعت کے رتبہ بلند سے نوازا دیا تھا۔ اور اپنے نفس کی کیفیات یقین کے اس عینی مشاہدہ کے بعد انہیں یہ سمجھنا بالکل بدیہی ہو جائے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کو شک و تردد سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں طریقے اپنے اپنے انداز میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر آپ کی نسبت ابیت اور شان تواضع کے مناسب وہی طریقہ تھا جو ازراہ ادب آپ نے یہاں اختیار فرمایا یعنی یہ کہ ہم ان کی ذریت اور ان کے قبیح ہیں۔ اگر بالفرض ان سے یہ سوال کسی شک کی بناء پر سرزد ہوتا تو ہم اس شک کے ان سے زیادہ حقدار ہوتے لیکن جب ہمیں کوئی شک و تردد نہیں تو بھلا اس موحدِ عظیم کو کیا شک و تردد ہو سکتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سوال مذکور کو ایمانیات سے کوئی تعلق ہی نہیں خدا تعالیٰ کی صفت احياء پر ایمان لانا بیشک ضروری ہے مگر اس کی کیفیات پر ایمان لانا ہرگز ضروری نہیں۔ قیامت آئیگی اس پر

ایمان لانا بے شک واجب ہے لیکن وہ کیسے آئے گی اس پر لانا کوئی ضروری امر نہیں۔ اس لحاظ سے جو سوال یہاں مذکور ہے وہ جواب و سوال کی در دوسری کا محتاج ہی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ بعض علماء نے اس اہم واقعہ کو صرف چند طیور کو مانوس کرنے اور متفرق کر دینے پھر ان کو جمع کر لینے کی ایک سادی تمثیل قرار دیدیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا عجیب کرشمہ نہیں ہو سکتا جسے دیکھنے کے لئے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام درخواست کرتے یہ تو دنیا کے ان روزمرہ واقعات میں شامل ہے جنہیں دیکھنے کی نہ تو قلوب میں کوئی حرکت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ان سے صرف ایک طفل تسلی کے سوا کیفیات احیاء کا کوئی اطمینان بخش مشاہدہ نصیب ہو سکتا ہے اس لئے جمہور مفسرین کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چند مختلف پرندے لیکر پہلے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر ان کو باہم آمیز کر کے مختلف مقامات پر ڈال دیں اس کے بعد ایک مقام پر علیحدہ کھڑے ہو کر آواز دیں تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی شکل پر علیحدہ علیحدہ مرتب اور زندہ ہو کر چلے آئیں۔ تحلیل و ترکیب کا یہی وہ نقشہ ہو سکتا ہے۔ جس کے دیکھنے کی درخواست کی جاسکتی ہے اور یہی وہ حیرتناک نظارہ ہو سکتا ہے جس کے بعد علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی بآسانی ممکن ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذعان و یقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان و سکون میسر آ جانا ضروری امر نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہونے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے بجھانے کی تلاش نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے ایمانیات کا جزء شمار نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ شوق کے سوال اور شک کے سوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ذوق و شوق عین تقاضائے یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے احیاء پر یقین نہ ہو تو کیفیت احیاء کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کر لیجئے کہ اس پر تو ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو کی جو آواز ہم سنتے ہیں یہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر نکل رہی ہے لیکن اس مکمل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ ہمارا یہ سوال ہی اس کی دلیل ہوگا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی یقینی ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتی کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں بڑھ کر خود بارگاہ جمال کے بے حجابانہ دیدار کے لئے تھا ”رب ادنی انظر الیک“ کون کہہ سکتا ہے کہ محبت و عشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک و تردد کی بو بھی آ سکتی ہے بلکہ سرتاسر یقین ہی اس شوق کا محرک بن رہا تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ایمانیات کی حدود ہیں ان پر تو صرف خدا اور اس کے رسول کے بیان پر یقین لے آنا چاہئے ہاں جو گوشے ایمانیات سے متعلق نہیں ان میں اطمینان کیلئے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتماد ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جاسکتا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْمُعَايَنَةِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَبَرٌ

مُوسَى بِمَا صَنَعَ قَوْمَهُ فِي الْعَجَلِ فَلَمْ يَلْقَ الْأَلْوَاخَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوا الْقَرَى الْأَلْوَاخَ. (رواہ احمد)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انہوں نے تورات کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو (صبر نہ کر سکے) اور (غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پٹخ دیں۔

تشریح:- یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین تو وحی الہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن وہ خاص تاثرات و کیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے متعلق ہوتی ہیں ابھی مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہی خبر مشاہدہ میں آگئی تو اب یہ کیفیات و تاثرات بھی یک لخت ابھر آئیں موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گزرے۔ اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہئے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء پر پورے یقین و اذعان کے باوجود اس کی خصوصی کیفیات کے مشاہدہ کی استدعا کرنی بالکل بر محل تھی۔ یہاں شک و تردد کا دخل سمجھنا روزمرہ کے معمولی حالات سے بھی ناواقف ہے۔ مشاہدہ اور خبر کا فرق فطری ہے اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ (تاویل مختلف الحدیث لابن قتیہ ص ۱۱۷)

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَأَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ كَأَنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَفِي رِوَايَةٍ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَلَمْ يَرَهُ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَفِي رِوَايَةٍ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَعِيرَ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ. (رواہ مسلم)

عدی بن حاتم بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر فوراً ادھر سے اپنا رخ انور پھیر لیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو۔ پھر اپنا چہرہ مبارک اس طرح پھیرا جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ گویا آپ اُس وقت اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ (دوزخ کا ذکر کر کے) آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنا چہرہ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہو۔ دوسری روایت میں یہ مضمون یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کھجور کا ایک ٹکڑا دیکر دوزخ سے بچ سکے وہ ضرور بچ جائے۔ (مسلم)

تشریح:- یہاں تو دوزخ کے ایک خاص نظارہ کا تذکرہ تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے عام حالات اور ان کے عام انداز بیان میں بھی جزم و یقین کی کیفیت اس درجہ نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے مخاطبین بھی حسب استعداد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ عالم غیب کی کسی حقیقت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اسی جزم کے ساتھ کرتے ہیں جیسا اپنے مشاہدات کا بلکہ بعض اوقات کسی داعیہ کے ماتحت اس کیفیت میں اس درجہ منصف نظر آتے ہیں گویا وہ عالم شہود کی مخلوق ہو کر خود عالم غیب کا جزء بن گئے ہیں اس لئے اس جہان کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں گویا وہ اس وقت اس میں خود موجود ہیں پھر ان کی اس محفل میں جو داخل ہو جاتا ہے وہ بھی علی قدر النصیب اس نعمت سے بہرور ہو جاتا ہے ہم القوم لا یشقی جلیسہم امتیوں کے حق میں اس قسم کی

کیفیات شاید احسان کی تعریف کے ذیل میں آ جاتی ہوں اسی لئے ہم نے حدیث جبریل کی ذیل میں عرض کیا تھا کہ جس کو ایمان کا مرتبہ احسان نصیب ہو جاتا ہے اس کو حقائق غیبیہ کا یقین مثل مشاہدات کے حاصل ہو جاتا ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحِ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيقَةً فَمَا حَقِيقَةُ ذَلِكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَطْلَقْتَ نَفْسِي مِنَ الدُّنْيَا وَأَسْهَرْتُ لَيْلِي وَأَظْمَأْتُ هَوَا جَرِي كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَصَاغُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتَ أَوْ لَقِيتَ فَالْزَمْ. (رواه أبو بكر بن أبي شيبة)

محمد بن صالح انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک سے ملاقات ہوئی، آپ نے فرمایا عوف بن مالک! کہو کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا بفضلہ تعالیٰ سچا اور پاک مومن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنا لیا ہے۔ شب کو بیدار رہتا ہوں اور دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ دار رہتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتا دی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا۔ (ابو بکر بن ابی شیبہ)

تشریح:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم و یقین ہے۔ یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجود لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کر کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجود ذہنی کہلاتا ہے اور جب رسوخ کے بعد اس میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجود خارجی کہلاتا ہے۔ مرتبہ احسان اسی کا نام ہے۔ ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیاء کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گویا علماء اور عام مومنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے۔

وقتی اضطراب یقین کے منافی نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغْيِيرَ لَوْنِهِ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَذْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّي عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذَلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمٌ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمَطِّرُنَا وَفِي رَوَايَةٍ وَيَقُولُ إِذَا أَمَطَرَ رَحْمَةً. (متفق عليه)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بہتری اور جو بہتری اس میں ہو اور جس بہتری و برکت کے لئے وہ چلائی گئی ہو ان سب کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہو اور جس کے لئے وہ چلائی گئی ہو، ان سب سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ اور جب آسمان پر بادل نظر آتے تو آپ کا رنگ فق پڑ جاتا کبھی باہر تشریف لاتے کبھی اندر جاتے کبھی اس طرف جاتے کبھی اس طرف جاتے، جب بارش ہونے لگتی تب کہیں جا کر آپ سے یہ اضطراب کی کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہ آپ کے اس اضطراب کو پہچان گئیں اور آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ ڈرتا ہوں کہیں یہ بادل ویسے نہ ہوں جیسے قوم عاد نے اپنی وادی کی طرف آتے دیکھے تھے اور کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے لئے بارش لائے ہیں (پھر اس میں عذاب آیا تھا) دوسری روایت میں ہے کہ جب بارش برسنے لگتی تو فرماتے یہ خدا کی رحمت ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَعَا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هَذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللَّهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَوَاتِهِ وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَافِرُّوا إِلَى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتَغْفَارِهِ. (متفق علیہ)

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گھن پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے ڈر رہے تھے کہیں قیامت نہ آگئی ہو، مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کی کہ میں نے تو اتنے لمبے قیام اور رکوع کرتے کبھی آپ کو نہ دیکھا تھا، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا یہ انقلابات اللہ تعالیٰ کی موت و حیات کی وجہ سے پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب اس قسم کے کسی انقلاب کو دیکھا کرو تو اس کی یاد، اس کے سامنے عجز و نیاز اور اس سے استغفار کرنے کے لئے دوڑ پڑا کرو۔

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قدسی جس طرح قیامت کی آمد سے مانع تھا اسی طرح کسی شبہ کے بغیر عذاب استیصال سے بھی مانع تھا۔ لیکن جب کبھی قدرت کی بے پناہ طاقت سے عالم کے کسی جزء میں آپ کو شکست و ریخت کے آثار نظر آنے لگتے تو عالم غیب کے اس مشاہدہ کرنے والے کی نظروں کے سامنے قدرت علی الاطلاق کی ہر آئین سے بالاتر ہونے کا یقین ایسا جلوہ گر ہو جاتا کہ جس کے بعد بشریت کی ضعیف فطرت کو ان دو متضادم یقیوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا حتیٰ کہ جب بارش برس جاتی اور سورج صاف ہو جاتا تو یہ امر منکشف ہو جاتا کہ قدرت نے آپ کے وجود کے اسن ہونے میں کسی قید و شرط کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور اس لئے امت کی تباہی کے خطرہ سے جو بے چینی آپ محسوس کرتے وہ بھی ساتھ ہی رفع ہو جاتی تھی یہ اضطراب کسی تردد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ ایک یقین کے دوسرے یقین کے ساتھ تصادم سے پیدا ہوتا تھا اور جب بصورت توفیق ظاہر ہو جاتی تھی تو یہ تردد بھی زائل ہو جاتا تھا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَتِسْعَ عَشَرَ رَجُلًا فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ فَبَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ مَاذَا يَدْعِي يَقُولُ اللَّهُمَّ أَبْخِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي اللَّهُمَّ إِنْ تُهْلِكَ
هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعَذِّبْ فِي الْأَرْضِ فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ مَاذَا يَدْعِي حَتَّى سَقَطَ رِذَاءُ
هُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَاتَّاهُ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ رِذَاءَهُ فَالْقَاهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ التَزَمَهُ مِنْ وُزَائِهِ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
كَفَاكَ مُنَاشِدَتَكَ رَبِّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ
فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ مَامَدَهُ اللَّهُ بِالْمَلَائِكَةِ. (رواه مسلم)

حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مشرکین کی تعداد ایک ہزار اور
آپ کے صحابہ کی صرف تین سو انیس تھی یہ دیکھ کر اسی وقت آپ رو بقبلہ ہو گئے اور آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چیخ چیخ
کر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنی شروع کی اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا اب وہ پورا کر۔ اے
اللہ اگر اسلام کی اس مختصر جماعت کو تو ہلاک کر دے گا تو اس زمین پر تیری عبادت اور کون کرے گا۔ آپ برابر ہاتھ پھیلائے
ہوئے اسی طرح چیخ چیخ کر دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ کے شانوں سے آپ کی چادر نیچے گر پڑی۔ ادھر سے ابو بکرؓ
تشریف لائے آپ کی چادر اٹھائی اور آپ کے شانوں پر ڈال دی اور پیچھے کی جانب سے آ کر آپ کو چمٹ گئے اور عرض
کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس اب آپ اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو
وعدہ اس نے آپ کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہو گئی۔ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ۔ الخ

تشریح:۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ تو امت کے غم میں آپ کی اس مشقت و بے چینی کو دیکھ کر گھلے جارہے تھے، انہیں اس بار کا
بھلا کیا اندازہ ہو سکتا تھا جو ایک کمزور جماعت کی فتح و نصرت کے ذمہ دارانہ وعدہ سے آپ محسوس فرما رہے تھے ان کے سامنے صرف
آپ کے اضطراب و سکون کا ایک مسئلہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اپنی مشقت کے بعد اس مختصر جماعت کی فناء و
بقاء کا مسئلہ تھا۔ اس لئے یہ امت کا غم کھانے والے کی موجودگی میں بے غم نظر آ رہے تھے۔ اور امت کا غم کھانے والا نقشہ جنگ دیکھ
کر مضطرب نظر آ رہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت اور بے نیازی کا اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر علم میں
کسی نہ کسی کوتاہی کی تاویل کا تصور کر سکتے ہیں مگر قدرت علی الاطلاق کے متعلق کسی قید و عجز کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کا تردد
اسباب کی موافقت یا نا موافقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ جو اضطراب و بے چینی ان کو لاحق ہوتی ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کی بے نیازی اور
اس کے غیر متناہی شکون کے نظارہ سے لاحق ہوتی ہے۔ دیکھو جنگ حنین شروع ہو گئی تو اسباب کی نا موافقت سے آپ ذرا متاثر نہ
ہوئے بلکہ نقشہ جنگ جتنا بدلتا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم و ثبات اور آپ کو اپنی فتح و نصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا
حتیٰ کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پڑ گیا کہ آپ کے ساتھ قدم جما کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسول
صلی اللہ علیہ وسلم اب سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور بڑے جزم و یقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

إِنَّا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ۔

میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

پھر جنگ بدر کے شروع ہونے سے قبل آپ کا اضطراب اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بناء پر تھا کہ اگر قدرت نے ان کی فتح و نصرت میں کہیں کوئی قید و شرط ملحوظ رکھ لی ہو اور اس لئے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو نبی کو غم یہ ہے کہ اس کا مشن تو ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت و غرض پورا ہونے کی اور صورت کیا ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے ان دعائیہ فقرہوں میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہو گئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے آ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت اور بنائی لیکن چونکہ اب وہ نبی آ چکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس لئے اگر اب کی بار پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ختم کر دی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا۔ اور چونکہ عالم کی غایت و غرض عبادت ہے اور اس کا پورا ہونا بلاشبہ ضروری ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و زاری کے موقع پر الحاح کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھے یعنی یہ کہ اول تو فتح و نصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کی غایت و غرض کی تکمیل بھی اس مختصر جماعت کی بقاء پر موقوف ہے۔ یہ ہر دو سبب تیری فتح و نصرت کے نزول کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ جب آپ دعا سے فارغ ہو گئے اور اجابت دعاء کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تو پھر آپ ہی تھے جن پر مسرت و خوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ اس درجہ مسرور تھے کہ آپ کی مسرت کے آثار آپ کی رفتار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے۔

ایمان کے نور کی برکات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ فَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يَحْدِثُهُمْ هَوْلًا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَمْ يَقُولْ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ بِهِمْ وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارُهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (رواه البخاري و مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا شخص بحالت زنا مومن نہیں ہوتا اور چور بھی بحالت چوری مومن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ابو ہریرہ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لیسر اس وقت مومن ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہو کر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:- معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود یعنی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معزز لہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لئے انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہو

گاجن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لئے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح و ذم کے موقع پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ آیہ ”انما المشرکون نجس“ میں بھی مشرکین کے لئے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے۔ اس لئے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کئے۔ (ہدایۃ الجہدین لابن رشد)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الْعَبْدُ حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرَمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْإِيمَانُ مِنْهُ قَالَ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ قَابَ عَادَ إِلَيْهِ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَا يَكُونُ هَذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا يَكُونُ لَهُ نُورُ الْإِيمَانِ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مومن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کر لیا۔ اگر اس کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آ جاتا ہے۔ (یہ کہکر) پھر انگلیاں ملا لیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا اور اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

تشریح:- امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو باب الزنا وشرب الخمر میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباسؓ ينزع عنه نور الايمان في الدنيا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کر دیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا۔ پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کر دیا جاتا ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مومن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمانی سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ اسلام سے بلند تر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابو نصرؒ نے ایک جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مومن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مومن نہیں تو فرمائیے اسے اور کیا کہیں۔ امام کو یہ سوال ناگوار گزرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مومن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ سلف

اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہوتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۲۶۰)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ وَكَانَ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ. (رواه الحاكم في المستدرک ص ۲۲ قال النحبی علی شرط الشيخین)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ (مستدرک)

تشریح:- حافظ ابن تیمیہؒ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ انہ کان يقول انما الایمان کثوب احدکم یلبسه مرة ویخلعه اخری۔ ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَنَى وَشَرِبَ الْخَمْرَ نَزَعَ اللَّهُ مِنْهُ الْإِيمَانَ كَمَا يَخْلَعُ الْإِنْسَانُ الْقَمِيصَ مِنْ رَأْسِهِ. (رواه الحاكم في المستدرک ص ۲۲)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔ (مستدرک)

تشریح:- آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں اور اس لئے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جو ان سے افتخ تھے انہوں نے عنوان اگرچہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کر دی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مومن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب آئمہ کا دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لئے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مومن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدث اور فقیہ مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج نامکان تعبیر حدیث کے ارد گرد رہنا چاہتا ہے۔ فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرض شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہ کے درمیان بھی ملتا ہے۔ اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی ہے تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر رہنمائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لئے بحثوں میں بڑی

وسعت پیدا کر دی اور یہ وسعت محدثین کے لئے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بیٹا کی۔ اگر ایک بیٹا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بیٹا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بیٹا اگر چہ نور تو رکھتا ہے مگر خلاف چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لئے نابینا کی برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مومن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور تصدیق جوش بہیمیت سے ایسا دم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرات کے عالم میں اس پر مومن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر تو بہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۳، ۱۰۰، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۵) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے دور میں آ کر بہت پھیل گئے۔

جس کی موت یقین پر آ جائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ قَالَ فَنَفِذْتُ أَرْوَادَ الْقَوْمِ قَالَ حَتَّى هُمْ يَنْحَرِبُ بَعْضُ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِيَ مِنْ أَرْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتُ اللَّهَ عَلَيْهِ قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهِ وَذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهِ قَالَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهِ قُلْتُ وَمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ بِالنَّوَى قَالَ كَانُوا يَمْصُونَهُ وَيَشْرَبُونَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتَّى مَلَأَ الْقَوْمُ أَرْوَادَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذَلِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَلْقَى اللَّهُ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگوں کا زاد راہ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت اس کی آگئی تھی کہ ان میں کسی کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ لوگوں کا باقی ماندہ زاد راہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاء برکت فرما دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے ایسا ہی کیا۔ راوی کہتا ہے جس کے پاس گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا، مجاہدؒ کہتے ہیں جس کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا۔ میں نے پوچھا بھلا گٹھلیاں ان کے کس کام آتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے، آپ نے ان میں دعاء برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لئے اس کے بعد آپ نے فرمایا میں

گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا پیغمبر ہوں۔ جو شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہوا، خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ بِلَالٌ يُنَادِي فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقِينًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه النسائي والحاكم وابن حبان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (نسائی۔ حاکم۔ ابن حبان)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبَيْشٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ وَجِهَادٌ لَا غُلُولَ فِيهِ وَحُجَّةٌ مَبْرُورَةٌ قِيلَ فَأَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طَوَّلُ الْقُنُوتِ. (الحدیث. رواه النسائي)

عبد اللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا عملوں میں کون کون سے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو، ایسا جہاد جس میں ذرہ برابر خیانت نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا اور نماز کونسی افضل ہے فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ (نسائی)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

تشریح:- یہاں علم کے معنی صرف دانستن نہیں صرف دانستن نہ تو شرعی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت و یقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری احادیث سے ظاہر ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدہ جازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گزر جائے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا کیونکہ جنت اور دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے، اچھے برے اعمال پر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ هَلْ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُونَ قَالَ نَعَمْ وَالْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ أَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ أَذْرَكْتُهُمْ يَسْتَدُونَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوا رُهْبَانًا. (رواه في شرح السنه)

قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور ہدفوں کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے) (شرح السنہ)

تشریح:- حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ولو انا کتبنا علیہم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من ديارکم ما فعلوه الا قليل منهم کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسر و چشم اس کا امتثال کرتے آپ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اہلہ من الجبال الرواسی۔ ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالا ایمان اثبت فی قلوبہم من الجبال الرواسی میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِجْنَ بَلَغْنَا اقْتَالَ أَبِي سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَخِيضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ اكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَتَدَبَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَأَنْطَلَقُوا حَتَّى نَزَلُوا بَدْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَصْرَعُ قَلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم)

انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ہم ابھی ڈال دیں گے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم برک الغمام تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گزریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آ کر مقیم ہو گئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ مَشْهَدًا لَأَنَّ أَكُونَ صَاحِبَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهِ آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَدْعُو عَلَى الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ لَا نَقُولُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى إِذْ هَبَّ أُنْتُ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَلَكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفَكَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَقَ وَجْهَهُ وَسَرَّهٗ. (رواه البخاري)

ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسودؓ کی ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لئے ترغیب

دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آپ بھی آپنے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقدمہ کے اس جواب نے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلِّ الشَّيْوَفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثٌ الْهَيْئَةَ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَقْرَأْ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضْرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ. (رواه مسلم)

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا سلام لو یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈال دی اور (نگلی) تلوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى بَذْرِ وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ قَالَ غَمِيرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا رَجَاءُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَأَخْرَجَ تَمْرَاتٍ مِنْ قَرَابِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَيْنِ أَنَا حَيْثُ حَتَّى أَكُلَ تَمْرَانِي إِنَّهَا حَيَوَةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ. (مسلم)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بدر کی جنگ کیلئے نکلے یہاں تک کہ (میدان جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آ گئے تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کیلئے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے یہ سن کر غمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا..... کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا

قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. (متفق عليه)

جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (متفق علیہ)

تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُونَ فِي الدُّنْيَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَجْزَاءٍ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِي يَأْمَنُ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِينَ أَشْرَفَ عَلَى طَمْعِ تَرْكِهِ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ. (رواه احمد)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مومن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک و تردید نہ کیا اور اپنی جان و مال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں بے خطر رہے۔ تیسرا وہ (جو اپنی جان بازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقع پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد)

تشریح:- مومن میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم و یقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے۔ یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جانبازی کے موقع پر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایمانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے لم یترتبوا کے ساتھ جاهدوا باموالہم و انفسہم کا لفظ رکھا گیا ہے۔ گویا جس نے جان و مال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا۔ یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان و یقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے۔ بقیہ دو مراتب بھی اگرچہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین ہی کے ساتھ ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ كَانَ مِيزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنَتْ أَنْتَ وَأَبُوبَكْرٍ فَرَجَحْتَ أَنْتَ وَوُزِنَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ أَبُو بَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْنَى فَسَاءَ هَذَا لَكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نَبْوَةٍ ثُمَّ يُوتَى اللَّهُ الْمُلْكُ مَنْ يَشَاءُ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ابو بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ اور ابو بکرؓ تولے گئے تو آپ بھاری اترے اس کے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ تولے گئے تو ابو بکرؓ بھاری اترے پھر عمرؓ و عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری اترے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آزرده خاطر ہوئے اور فرمایا کہ یہ ترازو خلافت نبوت کی ترازو تھی اس کے بعد (خلافت نبوت تو ختم ہو جائے گی اور ملک گیری شروع ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک حوالہ کر دے گا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

تشریح:- صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ داری حضرت ابو ذرؓ سے اسی قسم کا ایک خواب خود صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نقل کیا

ہے۔ آپ نے دیکھا کہ بطحاء مکہ میں دو فرشتے آپ کے پاس آئے ایک تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان معلق کھڑا رہا پھر ان کے باہم یہ گفتگو شروع ہو گئی کیا یہ وہی نبی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ہاں وہی ہیں۔ اس نے کہا اچھا تو پھر ان کو ایک شخص کے مقابلہ میں تول کر دیکھو چنانچہ تولاتو میں بھاری اتر۔ پھر اس نے کہا اچھا ان کو دس شخصوں کے مقابلہ میں تولو، تو بھی میں ہی بھاری اتر۔ پھر اس نے کہا اب سو آدمیوں کے مقابلہ میں تولو تو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری رہا۔ پھر اس نے کہا اچھا اب ہزار کے مقابلہ میں تولو، ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری اتر (آپ نے فرمایا کہ) ان کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ترازو سے ان کے بکھر بکھر جانے کا جو نقشہ اس وقت نظر آ رہا تھا وہ اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا بھی ان کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تول ڈالو گے جب بھی یہی بھاری اتریں گے۔

عالم بالا کی اس میزان میں یہ وزن یقین و ایمان ہی کا وزن تھا۔ نبی اس میں سب سے بھاری اتر اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ صدیق و عمر و عثمانؓ بھاری اترتے رہے۔ رفع میزان کی تعبیر آپ نے خود بنفس نفیس یہ بیان فرمائی کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت نبوة کا دور ختم ہو جائے گا اور صرف ملک گیری کا آغاز ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ کا زمانہ اول تو تھا ہی کتنا پھر جتنا کچھ تھا وہ بھی جنگ و جدل کی نذر ہو گیا اور خلفاء ثلاثہ کے دور کا سا وہ امن و انصاف پھر نہ لوٹ سکا۔ حضرت علیؓ کے بعد تو پھر کھلی ہوئی ملک گیری رہ گئی۔ صدق اللہ و رسولہ۔

عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هَذَا قِرَاءَةٌ أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَنَ شَأْنُهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْلِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفَضْتُ عَرْقًا وَكَانَمَا أَنْظُرُ إِلَى اللَّهِ فَرَقًا فَقَالَ لِي يَا أَبُي أُرْسِلْ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوْنٌ عَلَى أُمَّتِي فَرَدُّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ أَقْرَأَهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْئَلَةً تَسْأَلْنِيهَا فَقُلْتُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَأَخْرُثُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتَّى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رواه المسلم)

ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز کے لئے آیا اور اس نے کچھ نئے طرز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے بھی علیحدہ طرز سے قرأت کی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے نیا نیا معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا انہوں نے پھر اسی طرح پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرمادی یہ سن کر میرے قلب میں آپ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میرے شک و تردید کی اس کیفیت کو محسوس

کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے اذعان و یقین کا یہ عالم ہو گیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا اُبی؟ میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھئے۔ میں نے (امی امت کے خیال سے) درخواست کی کہ میری امت کے لئے کچھ اور سہولت کر دی جائے۔ تیسری بار مجھے یہ جواب ملا کہ آپ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دیدی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ہر درخواست کے بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعاء کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہئے مانگ لیجئے۔ آپ نے دوبار تو یہی دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا اس دن کے لئے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو (شفاعت کے لئے) میری ہی تلاش ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی۔ (مسلم)

تشریح:- شبہات کی دنیا دلائل کے لشکروں سے کبھی شکست نہیں کھاتی اس لئے آپ نے اس کے شبہات کا علاج پہلے ہی دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان و ایقان سے معمور ہو گیا اور نسبت احسان نے اس شدت سے ظہور کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا شبہات سب برطرف ہو گئے اور خدا کی ذات عظیم البرکات کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب مریض کا تردد اچھی طرح شفا یاب ہو گیا ہے اس کا ایمان پھر تازہ ہو گیا ہے اور نور یقین پھر از سر نو اس کے قلب میں بھڑک اٹھا ہے تو اب فہمائش کا موقعہ بھی نکل آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے لاعلمی اور بے خبری ہے۔ دونوں قرأتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی اپنی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امی امت کی سہولت کے لئے خود یہ درخواست کی تھی کہ اس کے لئے قرأت میں کچھ توسیع کر دی جائے۔ میری یہ درخواست قبول ہو گئی اور قرآن کو مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ لہذا یہ دونوں قرأتیں منزل من اللہ ہیں اور میری تعلیم کردہ ہیں۔

عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لَقِينِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا تَقُولُ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسُنَا الْأَزْوَاجُ وَالْأَوْلَادُ وَالضُّيَعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللَّهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ هَذَا فَاِنْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ نَكُونُ عِنْدَكَ تَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسُنَا الْأَزْوَاجُ وَالْأَوْلَادُ وَالضُّيَعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَذَرُونَنِي عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَ أَتُكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى قُرْبِكُمْ وَفِي طَرَفِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (مسلم، مشکوٰۃ)

حظہ بن ربیع سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابو بکرؓ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا حظہ! کہو کیا حال

ہے، میں نے عرض کیا (حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آ رہا ہوں، ابو بکرؓ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو، میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں جب تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیسیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (اندرون و بیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں تو پھر وہی بیسیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے پچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اسے حظلہ مگاہ چنیں گاہ چنیں۔ تین بار فرمایا۔ (مسلم)

تشریح:- حضرت حظلہ جس قلبی کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے دراصل یہ یقین ہی کی ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبہ احسان میں نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام یعنی اعمال جوارح سے قلب میں ایمان و تصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبہ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات نفسیہ میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بیشک اختیار ہی ہو سکتے ہیں یہ نعمت صرف ایک موہبت الہی ہے جو یقین کے عمل قلب ہے اور اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو۔ پھر یہی اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرمادے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام پہلے ہی قدم پر میسر آ جاتا تھا اسی کو حظلہ صحابی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آ جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام کا تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ اور جب آپ کی صحبت سے اٹھ آتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قباء تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔ قلب ماہیت نہیں۔ ہاں رفتہ رفتہ جب انسان کے جسم ناسوتی کے ضعیف تعمیر تجلیات ربانیہ کی عادی بن جاتی ہے تو پہلے جو شخص ایک گھونٹ کی تاب نہ لاسکتا تھا اب وہ خم کے خم چڑھا کر بھی مدہوش نہیں ہوتا۔ خواجہ حافظؒ نے ان ہی منازل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

یعنی طمع مدار وصال دوام را

در بزم دور یک دو قدح در کش و برد

انسانی ترقی کا راز غیبت و حضور کے اسی غوطہ زنی میں مضمر ہے۔ اگر مسلسل غیبت ہو جائے تو بحر محبت کے ثنا وروں کی ہمت شکستہ ہو جائے اور اگر حضور بے غیبت دائمی بن جائے تو بھی وصل دوام کی وجہ سے حرارتِ عشق سرد پڑ جائے اسی کی طرف حدیث کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةَ سَاعَةً وَسَاعَةً۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ عَدَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكُفْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقُ النِّفَاقُ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالُوا بَلَى قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّانِيَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكُفْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقُ النِّفَاقُ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالُوا بَلَى قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّالِثَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكُفْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقُ قَالُوا إِمَّا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلَى خَالٍ وَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَأَهْلُونا قَالَ لَوْ أَنَّكُمْ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِي تَكُونُونَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِينَةِ. (رواه ابو يعلى)

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کلمہ توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انہوں نے پھر یہی کہا۔ یا رسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انہوں نے زیادہ تفصیل سے) کہا کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اور جب آپ کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے۔ (ابو یعلیٰ)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الْآيَةَ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خُلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصْطَبِرُونَ كَأَدَّ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ. (رواه البخاری ص ۷۲۲)

جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الطور پڑھتے سنا جب آپ اس آیت پر پہنچے اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ دار و نہ بنائے گئے

ہیں تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا، اب اڑا۔ (بخاری شریف)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وَفِي رَوَايَةٍ أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْجَنَّةَ مِنْ أَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ مِنْ أَيَّهَا شَاءَ دَخَلَ. (متفق عليه)

عبادہ بن صامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ، اس کے رسول، اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریم پر القا فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کریگا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریگا (اور اسے اختیار دے گا کہ وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے۔) (متفق علیہ)

تشریح:- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے۔ (والعیاذ باللہ) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا۔ اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط و تفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سرمو بھی متجاوز نہ تھے۔ روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا۔ نصاریٰ کو یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جزیت کی نسبت سمجھنے لگے۔ (والعیاذ باللہ) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے۔ جیسی بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب بھی یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو تمکن کا حقیقہ کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے روح اللہ اور کلمہ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ یہاں شیخ اکبر نے ایک اور لطیف تحقیق لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم یثاق میں تمام ارواح سے عہد لیکر سب کو تو پھر اصلا بآباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا تا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الہیہ کو براہ براست حضرت مریم کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو وہ ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متمثل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے (الیواقیت والجواہر ص ۱۱۸-۱) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دار و مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے۔ اس میں کوئی ادنیٰ فروگزاشت بھی قابل درگزر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اعمال کی ہر کمزوری قابل درگزر ہو سکتی ہے۔ اسلامی تمام عقائد کی روح تو حید و رسالت ہے مگر وہ توحید نہیں جس کو عقیدہ تثلیث کے ساتھ نبھایا جاسکے بلکہ وہ توحید جس میں مثال و نظیر کی شرکت کی گنجائش نہ ہو اس لئے نصاریٰ کو یہ اقرار کرنا ہوگا

۹ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے بندہ تھے اور یہود کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ملعون (والعیاذ باللہ) نہیں تھے بلکہ خدا کے مقدس رسول تھے، کلمۃ اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی راہ اعتدال بس یہی ہے اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔

الف. عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَيْنَهُمَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ سَمِعَ الْقَوْمَ وَهُمْ يَقُولُونَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَحَجٌّ مَبْرُورٌ ثُمَّ سَمِعَ نِدَاءً فِي الْوَادِي يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا يَشْهَدُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا بِرَأْيِ مِنَ الشِّرْكِ. (رواه احمد)

عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً صحابہ کو آپ سے یہ دریافت کرتے سنا، یا رسول اللہ کون سے عمل افضل ہیں آپ نے فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا، اللہ کے لئے جہاد کرنا جنایت کے بغیر حج کرنا اتنے میں وادی سے ایک آواز سنائی دی کوئی کہنے والا کہتا ہے اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی کہ جو شخص یہ گواہی دے اس نے شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (احمد)

تشریح:- اس روایت سے معلوم ہوا کہ توحید کا اصل رکن شرک سے بیزاری ہے۔ جن عقائد میں شرک کی بو آتی ہے وہ اسلامی توحید کے منافی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توحید و رسالت اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ماننے سے انبیاء علیہم السلام خود بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان کے لئے بھی یہی اسی طرح واجب التسلیم ہیں جس طرح ان کی امت کے لئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف ایک علم نہیں بلکہ قلب کا اختیاری عمل ہے جیسا جہاد اور حج جو ارح کے عمل ہیں۔

ب. یحییٰ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِي فَوَاللَّهِ لَئِنْ اسْتَشْهِدْتُ لَا شَهِدَنُ لَكَ وَلَئِنْ شَفَعْتُ لَا شَفَعَنُ لَكَ وَلَئِنْ اسْتَطَعْتُ لَا نَفَعَنُكَ ثُمَّ قَالَ وَاللَّهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمْ بِهِ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمْ بِهِ الْيَوْمَ وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (اخرجه مسلم)

یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبادۃ بن الصامت کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا ٹھہر دیکو رو تے ہو، اگر تمہارے حق میں مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے لئے شہادت دوں گا اور اگر میری سفارش منظور کی گئی تو تمہارے لئے ضرور سفارش کروں گا اور اگر کوئی نفع رسانی میرے بس میں ہوگی تو میں ہرگز اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا بخدا کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں تمہارے لئے کوئی بہتری کی بات ہو اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو میں نے تم سے بیان کر دیا ہے صرف ایک

حدیث باقی ہے اور آج جبکہ میرا طائر روح قفسِ عنبری سے پرواز کرنے والا ہے اسے بھی تم سے بیان کئے دیتا ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص اس کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب ووزخ حرام کر دے گا۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا نَجَاةٌ هَذَا الْأَمْرِ الَّذِي نَحْنُ فِيهِ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَهُوَ لَهُ نَجَاةٌ (اخرجه ابو يعلى والعقيلي والدارقطني في الافراد)

ابو بکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے دین میں مدارِ نجات کیا چیز ہے فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ بس یہی اس کے لئے باعثِ نجات ہے۔

تشریح:- مسند امام احمد میں اس حدیث کے شروع میں حضرت عثمانؓ کا ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الکبائر میں نقل کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو صحابہ کے دلوں پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس گزرنے لگے میں بھی ان ہی میں کا ایک فرد تھا میں اسی غم و اندوہ کے حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمرؓ میرے پاس سے گزرے انہوں نے سلام کیا مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی انہوں نے ابو بکرؓ سے اس بات کی شکایت کی وہ دونوں مل کر میرے پاس آئے اور سلام کیا ابو بکرؓ بولے آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ہر گز ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے ضرور یہ بے اعتنائی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا بخدا مجھے تو اپنے غم میں یہ خبر تک نہ ہوئی کہ آپ یہاں سے گزرے تھے اور مجھے سلام کیا تھا۔ ابو بکرؓ نے فرمایا عثمانؓ نے سچ کہا انہیں ایک بڑے معاملہ کی فکر نے ادھر سے بے خبر بنا دیا تھا۔ میں نے کہا یہی بات تھی۔ انہوں نے فرمایا تو فرمائیے وہ فکر کیا ہے میں نے کہا فکر یہ ہے کہ آپ کی تو وفات ہو گئی اور ہم آپ سے یہ تحقیق نہ کر سکے کہ دین میں مدارِ نجات کیا چیز ہے۔ ابو بکرؓ بولے میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میں ان کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں آپ ہی اس تحقیق کے سب سے زیادہ اہل تھے (تو بتائیے وہ کیا بات ہے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دین میں مدارِ نجات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص وہی ایک کلمہ جو میں نے اپنے چچا کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے نہ مانا تھا۔ میری جانب سے قبول کر لے گا تو وہی اس کے لئے نجات کا موجب ہو جائے گا۔

رَعِمَ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ مِنْ دَارِهِمْ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنْ يُؤَافِيَ عَبْدُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَخَيُّ بِه وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواه البخاري)

محمد بن ربيعؓ کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلمی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی پی کر میرے منہ پر ڈالی تھی۔ محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الہ الا اللہ صرف اللہ کی رضا مندی حاصل

کرنے کے لئے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کر دے گا۔ (بخاری شریف)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَصَابَنَا جُوعٌ شَدِيدٌ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شِبَاعٌ وَالنَّاسُ جِيَاعٌ فَقَالَتْ الْأَنْصَارُ أَلَا نَنَحِرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمُهَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ يَجِيئُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بِمَا فِي رَحْلِهِ وَفِي لَفْظٍ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِئْ بِهِ وَبَسِطْ نِطْعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيئُ بِالْمَدِّ وَالصَّاعِ وَكَثُرَ وَأَقْلٌ فَكَانَ جَمِيعُ مَا فِي الْجَيْشِ بَضْعًا وَعِشْرِينَ سَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنْبِهِ وَدَعَا بِالْبَرَكَاتِ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ فَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ خُذُوا وَلَا تَنْتَهَبُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَأْخُذُ فِي جِرَاهِ بِهِ وَفِي غَرَارَتِهِ وَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَّتِهِمْ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيُرِبُ كُمْ قَمِيصِهِ فَيَمْلَأُهُ فَفَرَعُوا وَالطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَأْتِي بِهِمَا عَبْدٌ مُّحِقٌّ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ حَرَّ النَّارِ. اخرجہ ابن راہویہ والعدنی وابویعلی والحاکم وغیرہم.

عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زاد راہ کے فقدان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹیاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں کو نہ کھلا دیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ کسی کے کجاوہ میں جو کچھ ہو، یا یہ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو وہ میرے پاس لے آئے اور (یہ کہہ کر) آپ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا۔ کوئی ایک مد لایا، کوئی ایک صاع، کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم۔ اس وقت تمام لشکر میں سے کھانے کی جو مقدار جمع ہو سکی وہ بیس صاع سے کچھ زیادہ ہوگی آپ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اس میں برکت کیلئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا لو بسم اللہ کہہ کر اب اس میں سے اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ۔ لوگ اپنے اپنے توشہ دان اور گونوں اور برتنوں میں بھر بھر کر لیجانے لگے۔ یہاں تک کہ (کسی کو کچھ نہ ملا تو اس نے) اپنی آستین ہی کا منہ باندھ کر اسی کو بھر لیا۔ یہ تمام لشکر اپنا راشن لے کر فارغ ہو گیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں، جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچالے گا۔ (حاکم)

عَنْ رِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ أَوْ قَالَ بِقُدَيْدٍ فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَأْذِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ فَيَأْذِنُ لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُونُ شِقُّ الشَّجَرَةِ الَّتِي تَلِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغَضَ إِلَيْهِمْ مِنَ الشَّقِّ الْآخِرِ فَلَمْ نَرِ عِنْدَ ذَلِكَ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا بَاكِيًا فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ الَّذِي يَسْتَأْذِنُكَ بَعْدَهُ لَسَفِيهٌ فَحَمِدَ اللَّهَ وَقَالَ حِينَئِذٍ أَشْهَدُ عِنْدَ اللَّهِ لَا يَمُوتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ ثُمَّ يَسُدُّ إِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ وَقَدْ وَعَدَنِي رَبِّي أَن يَدْخُلَ مِنْ أُمِّي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ وَأَنِّي لَا رَجُؤَ أَنْ لَا يَدْخُلُوهَا حَتَّى تَبُؤُوا أَنْتُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ إِبَائِكُمْ وَأَزْوَاجِكُمْ وَذُرِّيَّاتِكُمْ مَسَاكِينَ فِي الْجَنَّةِ.

(وَعنه من طريق ثانی) قَالَ صَدَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْتَأْذِنُونَهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ الَّذِي يَسْتَأْذِنُكَ بَعْدَ هَذِهِ لَسَفِيهَةٌ فِي نَفْسِي ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللَّهَ وَقَالَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ عِنْدَ اللَّهِ وَكَانَ إِذَا خَلَفَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِنْ عَبْدٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ثُمَّ يَسُدُّ إِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

(وَعنه من طريق ثالث) قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْكُذَيْدِ أَوْ قَالَ بِعَرَفَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتَّبْرَانِيُّ وَالبُغْوِيُّ وَالبَارْدِيُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَابْنُ مَاجَهٍ بَعْضُهُ قَالَ الْهَيْثَمِيُّ وَرَجَالُهُ مُوْثِقُونَ.

رفاعہ چینی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدید یا قدید (شک راوی ہے) پہنچ گئے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرنے لگے آپ ان کو اجازت دیتے رہے اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو نہ دیکھا جو رونہ رہا ہو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس کے بعد اب جو شخص بھی آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا۔ یہ سن کر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا میں خدائے تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس کو اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق ملے گی تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد کسی حساب و عذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم، تمہارے باپ، تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو بھی ان میں نیک ہو گئے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے نہ بیٹھ جائیں گے کوئی امت اس میں داخل نہ ہو سکے گی۔

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے الحدیث اس میں یہ بھی ہے کہ ابو بکرؓ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور

آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ (الحديث)

اس روایت کے تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کہ دیدیا عرفہ کے پاس آ گئے۔ الحديث

عَنْهُ عُثْمَانُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا

عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَا أُحَدِّثُكَ مَا هِيَ هِيَ كَلِمَةُ

الْإِخْلَاصِ الَّتِي أَعَزَّ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ وَهِيَ كَلِمَةُ التَّقْوَى الَّتِي آلاَصَ

عَلَيْهَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاطَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه احمد)

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا

ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدق دل سے نہ کہے گا مگر وہ دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ بولے آؤ میں تمہیں بتا دوں وہ

کلمہ کیا ہے۔ وہ کلمہ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو عزت بخشی

ہے اور یہ کلمہ وہی کلمہ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت

منت کرتے رہے۔ وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ (مسند احمد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه احمد)

معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔ (احمد)

تشریح:- یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوتی ہے اور وہ اپنی اسی کنجی سے کھولا جاسکتا ہے اسی طرح خدا

تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی۔ وہ کنجی لا الہ الا اللہ یعنی عقیدہ توحید ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی

کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے) تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لئے دندا نے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی

کنجی لیکر آؤ گے جس کے دندا نے سالم ہوں تو تمہارے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا ورنہ تو نہ کھولا جائے گا۔

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دیدینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک

موثر اسلوب بیان تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے۔ لا الہ الا اللہ کے مفتاح ہونے سے آپ کا یہ مطلب تو تھا نہیں کہ

اب نجات کے لئے اس کے علاوہ کسی اور امر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی موجود ہوں

سختاوت کے دریا بہہ رہے ہوں۔ شجاعت کا ڈنکا پٹ رہا ہو اور عرب کے مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جا رہی ہو، جب بھی جنت کا

دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ ہو۔ اس لئے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا

یہ کلمہ ساتھ ہو۔ اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں اب رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ

زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسری حدیثیں ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ سَيُخْلِصُ رَجُلًا مِّنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُنْشَرُ عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعِينَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلَ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا أَظْلَمَكَ كَتَبْتَنِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَاكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٍ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ أَحْضِرْ وَزُنْكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتْ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يُثْقَلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لائے گا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے سامنے (اس کے اعمال نامہ کے) ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر دفتر وسعت نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو، میرے اُن فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تمہارے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کیوں نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہوگا۔ اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبده ورسوله ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمام دفتر ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں گے اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا تو دفتروں کا پلہ اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ کا نام پاک اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں پڑ سکتی۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح:- اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو اس لئے ذکر اسی کلمہ کو کیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں ان کی جو رائے ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے تلفظ کا نہیں بلکہ اس کی اس عمیق حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا کہ جو اس کا پورا وزن ہے وہ سب کا سب اس کے حصہ میں آ گیا ہوگا۔ لا الہ الا اللہ کبھی تو خلق سے اوپر بھی نہیں جاتا اور کبھی ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرش عظیم تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جاسکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ) کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ اذکار میں ایک ذکر بھی ہے۔ ہو

سکتا ہے کہ یہ ثواب اس ذکر کا ہو جیسا کہ ملا علی قاری کی رائے ہے مگر یہ ہی کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یعنی اس کلمہ کو پڑھنے سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے پس مومن کے قلب میں یہ کلمہ ایمان رہتا ہے اور جب وہ تبرک کے لئے اس کو پڑھتا ہے تو یہ اس کا ایک وظیفہ بھی بن جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ اس شخص کا ایمان ہوا اگرچہ بظاہر محشر میں وزن صرف اعمال کا ہوگا یعنی نیکی اور بدی کا۔ کفر و ایمان غالباً میزان آخرت میں اعمال کے ساتھ تولد نہیں جائیں گے کیونکہ ایمان اگر تو لا جاسکتا ہے تو کفر کے مقابلہ میں ہی تو لا جاسکتا ہے اور کفر و ایمان کے جمع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لئے جب اعمال کا وزن شروع ہوگا تو بدیوں کے مقابلہ میں صرف مومن کی نیکیاں ہی رکھی جائیں گی۔ اس کا ایمان میزان آخرت میں نہ رکھا جائے گا لیکن قیامت خدائے تعالیٰ کے نکتہ نوازی اور شان بے نیازی دونوں کے ظہور کا دن ہوگا اس لئے جب اس گنہگار کی بخشش منظور ہوگی تو محض اپنے لطف و کرم سے اس کا ایمان اس کی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیں گے بلاشبہ ایمان کا وزن اتنا ہی ہے کہ اگر اسے میزان آخرت میں رکھ دیں تو پھر سیئات کا وزن اس کے مقابلہ میں بچ ہے۔ آخر جب کفر کی عمر بھر کی بدیاں اس کلمہ کی بدولت چشم زدن میں سب غفہ ہو جاتی ہیں تو زمانہ اسلام کی برائیاں اس کے سامنے بھلا کب ٹھہر سکتی ہیں یہ کلمہ ایمانی سب کے پاس ہے اور سب کے ایمان کا وزن اتنا ہی ہے لیکن یہاں آئین فضل نے اس کی بخشش کے لئے اسی کے ایمان کے وزن کا ایک بہانہ نکال لیا تھا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهِ وَأَدْعُوكَ بِهِ فَقَالَ يَا مُوسَى قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُ هَذَا إِنَّمَا أُرِيدُ شَيْئًا تَخْصِنِي بِهِ قَالَ يَا مُوسَى لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَغَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرْضَيْنِ السَّبْعَ وَضِعْنَ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كِفَّةٍ لَمَأَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه في شرح السنة)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک بار) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا وظیفہ تعلیم فرما دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کیا کروں اور تجھے پکارا کروں ارشاد ہوا موسیٰ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا پروردگار یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں میں تو ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص طور پر تو مجھے ہی تعلیم فرمائیے۔ ارشاد ہوا موسیٰ علیہ السلام اگر ساتوں آسمان اور جو اس میں آباد ہیں میری ذات کے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو ان سب کے مقابلہ میں لا الہ الا اللہ کا پلہ ہی بھاری پڑے گا۔ (شرح السنہ)

تشریح:- اہل فہم کے لئے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آسمانوں اور ان کی آبادیات کے ذکر کے ساتھ تو غیر یعنی اللہ کی ذات پاک کا استثناء مذکور ہے مگر زمینوں کے ذکر کے ساتھ یہ استثناء مذکور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جاسکتا ہے تو اس کے لئے جہت علویٰ یعنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش ربوبیت کے لئے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہیں پھر اس مجاز میں اتنی حقیقت بھی ہے کہ تجلیات الہیہ کی جتنی حقیقت آسمانوں میں ہے زمینوں میں نہیں اس لئے اس فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سموات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثناء عین مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت چیز ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا قَطُّ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتَّى يُقْضَى إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكِبَائِرَ وَفِي رَوَايَةٍ لَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَيْسَ لَهَا دُونَ اللَّهِ حِجَابٌ حَتَّى تَخْلُصَ إِلَيْهِ. (رواه الترمذی وقال هذا حديث غریب. وضعف اسناد الثانیة)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لئے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے۔ جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا رہے اس کلمہ کی پرواز کا عالم یہی رہتا ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے۔ مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

تشریح:- یہ کلمہ نفی ماسوی اللہ کیلئے موضوع ہے اس لئے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہئے۔ اگر کہیں عرش پر رحمن کی تجلی نہ ہوتی تو یہ کلمہ عرش کو بھی یقیناً پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر لا الہ الا اللہ کے اثبات کا کچھ اتہ پتہ ملتا ہے اس لئے اس سرحد تک جا کر اس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب ”لیس لہا دون اللہ الحجاب“ کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھ لیتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ اخص الخواص کی توحید ہے رہ گئے توحید و جودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو ان کا یہ محل نہیں۔ توحید و جودی کے مذاق والوں کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدت موجود تو حال ہے اور وحدت وجود حقیقت حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ صَدَّقَهُ رَبُّهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَأَنَا أَكْبَرُ وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ يَقُولُ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي لَا شَرِيكَ لِي وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا لِي الْمُلْكُ وَلِي الْحَمْدُ وَإِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِي وَكَانَ يَقُولُ مَنْ قَالَهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمُهُ النَّارُ. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بیشک خدا میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی شریک نہیں۔ اور جب وہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے، ملک اور تعریف سب میرے لئے ہے اور جب وہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا، میری مدد کے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا
بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ. (رواه البخاری ومسلم واللفظ لمسلم)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لیکر آیا ہوں، جب یہ عہد کر لیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائش تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

تشریح:- اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کئے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے، بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ کو ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آ سکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر و برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آ رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا اسلئے اصلی مقصد تو دین الہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ خَمْسٌ لَا يَقْبَلُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ دُونَ
شَيْءٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِيمَانٌ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ
وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحَيَاةُ بَعْدَ الْمَوْتِ هَذِهِ وَالصَّلَاةُ وَالْخُمْسُ عَمُودُ الْإِسْلَامِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ
الْإِيمَانَ إِلَّا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ طَهُورٌ مِنَ الذُّنُوبِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ الْإِيمَانَ وَالصَّلَاةَ إِلَّا بِالزَّكَاةِ مَنْ فَعَلَ

هَؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانُ فَتَرَكَ صِيَامَهُ مُتَعَمِّدًا لَمْ يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ الْإِيمَانَ وَلَا الصَّلَاةَ وَلَا الزَّكَاةَ
وَمَنْ فَعَلَ هَؤُلَاءِ الْأَرْبَعَ وَتَيَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَلَمْ يَحُجَّ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِحُجَّتِهِ وَلَمْ يَحُجَّ عَنْهُ بَعْضُ أَهْلِهِ لَا
يُقْبَلُ مِنْهُ الْإِيمَانُ وَلَا الصَّلَاةُ وَلَا الزَّكَاةُ وَلَا الصِّيَامُ. (رواه في الحلبه)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب و کتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لئے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لئے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلبہ)

جس نے شعائر اسلام ادا کر لئے اس کیساتھ اللہ و رسول کا عہد ہو گیا

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتِنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفَرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ. (رواه البخاری)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہو چکا ہے اس لئے تم (بھی اس عہد کی رعایت کرو اور) اس کو مت توڑو۔ (بخاری)

تشریح:- اسی حدیث کی وجہ سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہو گیا ہے کہ سب اہل قبلہ مومن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نمازوں میں صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا ایسا کونسا مرکزی رکن ہے جس کے بعد عقائد کا مخلخل بھی مضرت رساں نہیں ہوتا اس کے ماسواء مسلمانوں کا ذبیحہ کھالینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ نیز اکل ذبیحہ مسلم، اقامت صلوٰۃ یا استقبال قبلہ کے درجہ کی چیز بھی نہیں پھر اس کو ان اہم اجزاء کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کر دیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال مابہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق اگرچہ اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک قلبی صفت ہے اور اقرار اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ

بھی وقتی چیز ہے دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعائر کے ذریعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا معاملہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کو یہ تعبیر اختیار کرنی پڑی۔ لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله والیوم الآخر۔ نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی لحاظ سے جس امر میں وہ ہم سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری سی نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کر لیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہم سے اتنا ملنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھا لیتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کر چکے ہیں اس لئے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہو جانا چاہئے اب ان کے ساتھ کوئی بد معاملگی درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بد معاملگی کے مرادف ہوگی۔ لیکن فرض کر لو کہ اگر کسی دور میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے مطابق کیا ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی صفائی کے لئے ان مخصوص شعاروں کو ترک کر کے ان کے بالمقابل اسلامی شعائر اختیار کریں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیہ کا اقرار جتنا ایک نصرانی کیلئے ضروری ہے اتنا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لئے ضروری کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابنیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لئے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ اور رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان اندرونی فرقوں کے ساتھ نہیں جو مدعی اسلام ہوں بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین..... چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ جو مدعی اسلام یہ تین افعال ادا کر لے تو وہ پکا مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعال کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجر کی عبارت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر ان تین افعال کی تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب توحید کے اقرار کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، استقبال قبلہ بھی کرتے ہیں اور جانور ذبح کر کے ہی کھاتے ہیں مگر نہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور کوئی ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتا ہے۔ نماز اور ذبیحہ مسلم کھا لینا ایسے کھلے ہوئے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع بہولت اور بہت جلد ہو سکتی ہے۔ برخلاف دین کے اور افعال کے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے ساتھ معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص جس دین کے شعاروں کو علی الاعلان ادا کرے گا اسکے ساتھ اسی دین و مذہب والوں کا معاملہ کیا جائیگا۔ بشرطیکہ اس سے اسکے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔ (فتح الباری ج ۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُوا ذَلِكَ صَلُّوا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبِلُوا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ. (رواه البخاری)

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، جب یہ اقرار کر لیں، ہماری طرح نمازیں پڑھیں، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لئے ان کی جان و مال بھی قابل احترام سمجھی جائے گی ہاں آئین اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوَفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ يَا أَبَا بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسُهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللَّهِ لَا أَقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَنَّا كَانُوا يُؤْذُونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنَعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور ان کے بعد ابو بکر خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بننا تھا وہ کافر بن گئے (تو ابو بکرؓ نے اُن سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو بکرؓ آپ اُن سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کر لے تو اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا۔ ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی۔ رہی یہ بات کہ اس کا یہ اقرار دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد۔ ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی عبادت ہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ دینے سے انکار کر دیں گے جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے بھی جنگ کروں گا۔ عمرؓ کہتے ہیں خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ ان سے جنگ کے معاملہ میں ان کو پورا پورا شرح صدر ہو گیا ہے بلا آخر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ حق بات یہی ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:- قطعیات اور متواترات دین میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے منکر کا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کو منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو ابتداء اس معاملہ میں جو تردد رہا اس کا مبنی حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ کے نزدیک صورت واقعہ کی تشخیص میں اختلاف تھا۔ وہ

یہ سمجھ رہے تھے کہ منع زکوٰۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ باغیوں سے جنگ چھیڑ دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک یہ ارتداد کی دفعہ میں آتا تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ منکر صلوٰۃ اور منکر زکوٰۃ میں آخر کیا فرق ہے۔ اگر منکر صلوٰۃ پر ارتداد کی دفعہ عائد ہوتی ہے تو منکر زکوٰۃ پر کیوں عائد نہیں ہوتی۔ وہ عبادت بدنیہ ہے یہ عبادت مالیہ حافظ زیلعی تحریر فرماتے ہیں۔ وقد یقال ان عمر لم یتحقق ردّہم یدل علی ذلک فی القصۃ ان ابابکر لما استشار فیہم قال لہ عمر یا خلیفۃ رسول اللہ انہم قوم مومنون وانما شحوا باموالہم الخ یعنی اس اختلاف کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ابھی تک ان کا مرتد ہونا ہی ثابت نہ ہوا تھا جیسا کہ اس قصہ میں ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خدا کے رسول کے خلیفہ یہ تو مومن لوگ ہیں صرف اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جماعت مومن تھی اور حضرت ابوبکرؓ کو حالات کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ان کا جرم ارتداد کی حد تک پہنچ چکا ہے جب بحث و تمحیص کے بعد یہ واقعات و حالات حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اسی درجہ واضح ہو گئے تو انہیں بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں فعمرو وافق ابابکر علی قتال اهل الردۃ ما نعی الزکوۃ وكذلك سائر الصحابة (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۳۲) آخر کار حضرت عمرؓ اور سب صحابہ نے ان مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ (منہاج السنہ) حضرت قبصہؓ فرماتے ہیں ہم المرتدون الذین ارتدوا علی عہد ابوبکر فقاتلہم ابوبکر۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے اور اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کی تھی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۰)

اس بحث سے یہ روشن ہو گیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن کا منکر اسلام ہی کا منکر ہے۔

عَنْ دَيْلَمِ الْحَمِيرِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ نَعَالِجُ فِيهَا عَمَلًا شَدِيدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هَذَا الْقَمْحِ نَتَّقَوِي بِهِ عَلَى أَعْمَالِنَا وَعَلَى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوهُ قَالَ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُنَا رَكِبِيهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَقَاتِلُوهُمْ. (رواه ابو داؤد)

دیلیم حمیری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور وہاں سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کاج کرتے ہیں اس لئے ہم گہوں کی شراب بنا کر استعمال کر لیتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ کر سکیں، آپ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ پہلی حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور اس حدیث میں براہ راست ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ منع

زکوٰۃ یا اقامتہ صلاۃ، استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے خلاف ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی قطعی فرض کا انکار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان میں سے کسی ایک کے انکار کا۔

یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض احتمالانہ ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر بھی موجب کفر نہیں رہتا۔ گویا کوئی شخص کھلے ہوئے اسباب کفر کے ارتکاب کے بعد بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان ہر سہ اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم پایہ شمار ہوتا ہے۔ (البیہاقیۃ والجواہر ج ۲ ص ۲۶۹)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ جَنَى بِالْأَسَارِيِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُولُونَ فِي هَؤُلَاءِ الْأَسَارِيِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُنْفَلِتَنَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ فَإِنَّهُ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الْإِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا رَأَيْتُنِي فِي يَوْمٍ أَخَوْفَ أَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ مِثْلِي فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ حَتَّى قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ قَالَ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ بِقَوْلِ عُمَرَ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْحَنَ فِي الْأَرْضِ إِلَى آخِرِ الْآيَاتِ. (رواه الترمذی)

ابن مسعود بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہو چکی تو جو قیدی تھے آپ کے سامنے لائے گئے آپ نے فرمایا بولوان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ آپ نے فرمایا ان میں فدیہ یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ عبد اللہ بن مسعود نے عرض کیا صرف ایک سہل بن بیضاء کا استثناء منظور کر لیا جائے کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر آ پڑے جتنا اس دن محسوس ہوا یہاں تک کہ آپ نے اپنی زبان سے فرمادیا اچھا بجز سہل بن بیضاء کے۔ یہ کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرآن کریم نازل ہو گیا (اور وہ یہ آیت ہے) یہ بات نبی کی شایان شان نہیں کہ وہ قیدیوں کو قبول کرے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی زمین کافروں کے خون سے رنگین نہ کرے (آخر آیت تک) (ترمذی)

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مُبْرُورٌ. (بخاری شریف)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کونسا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا اس کے بعد فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے۔ (بخاری) تشریح:- حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام

اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

دین اسلام تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارَى مَتَمَسِّكًا بِالْإِنْجِيلِ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ مَتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَةِ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِي مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِي فَهُوَ فِي النَّارِ. (اخرجه الدارقطني في الافراد)

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ایک نصرانی شخص انجیل پر تو عمل کرتا ہے اور اسی طرح یہودی اپنی تورات پر تو عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ کے دین کی پیروی نہیں کرتا۔ تو فرمائیے اس کا کیا حکم ہوگا آپ نے فرمایا جو نصرانی اور یہودی میری خبر سن پائے پھر میرے دین کی پیروی نہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ (دارقطنی)

تشریح:- اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمسک بالانجیل اور تمسک بالتورات بھی نجات کے لئے کافی نہیں۔ اگر ایک یہودی یا ایک نصرانی اللہ اور اپنے رسول پر ایمان رکھتا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی کر لیتا ہے مگر آپ کے دین کی اتباع کا عہد نہیں کرتا تو اس کا ایمان بھی غیر معتبر رہے گا۔ کسی رسول کی تصدیق کے معنی ہی اس کے اتباع کرنے کے ہیں، اسی لئے یہاں ایمان کو اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ تصدیق کی اصل حقیقت اتباع کرنی ہے یہ صرف علم کا مرتبہ نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعِمَهُ قُلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ يَقُولُونَ إِنَّا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الْجَزَعُ لَا قَرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ فَانْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں اس کی گواہی تو دے سکوں انہوں نے کہا اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا داغ نہ لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور (آپ کا حکم مان لیتا اور) آپ کی آنکھیں ٹھنڈی

کر دیتا (یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہو گئی انک لا تہدی الخ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے چاہے ہدایت نصیب فرما دے۔ (مسلم شریف)

تشریح:- ابوطالب کی علمی تصدیق میں کسے شبہ ہو سکتا ہے اور ان کا اقرار بھی ان کے اشعار سے ظاہر ہے پھر وہ کس بات کا انکار کر رہے تھے؟ صرف آپ کے دین اختیار کرنے کا اور آپ کی اطاعت کرنے کا اور اسی عمل کے فقدان کی وجہ سے جمہور امت نے ان کو مسلمان قرار نہیں دیا۔ قلب جب تک اپنے اختیار سے عہد و وفاداری کیلئے تیار نہیں ہوتا اس کی اضطراری تصدیق کارآمد نہیں ہوتی۔

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُورِ صَاحِبُ إِبِلِيَاءَ وَهَرَقْلُ سُقْفًا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِبِلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِثَتِ النَّفْسُ فَقَالَ بَعْضُ بِطَاقَتِهِ قَدِ اسْتَكْرَنَّا هَيْئَاتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكُ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ لِمَنْ يَخْتَنُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَنُ إِلَّا الْيَهُودُ فَلَا يَهْمُنُكَ شَأْنُهُمْ وَانْكُتُبْ إِلَى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ فَبَيَّنَّا لَهُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أَنِّي هِرَقْلُ بَرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ إِذْهَبُوا فَانظُرُوا أَمْخَتَيْنِ هُوَ أَمْ لَا فَانظُرُوا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوا أَنَّهُ مُخْتَنٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَنُونَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبِ لَهُ بِرُومِيَّةٍ وَكَانَ نَظِيرُهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمَصَ فَلَمَ يَرْمِ حِمَصَ حَتَّى آتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يَوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمَصَ ثُمَّ مُلْكُكُمْ فَبَايَعُوا هَذَا النَّبِيَّ فَخَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفَرَتَهُمْ وَآيَسَ مِنَ الْإِيمَانِ قَالَ رُدُّوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي إِنِّي أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ. (بخاری شریف)

ابن الناطور ایلیاء کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لحاظ سے شام کے نصرانیوں کا سردار تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا اور اس کے بعض خواص نے پوچھا ہم (آج) آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کا ہن بھی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو (حساب سے) مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ختنے کرنے والا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سوائے یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔ ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے جب اس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے

ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ یہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم و فضل میں ہرقل ہی کے ٹکڑا تھا (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا، بھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا۔ اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لئے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لئے جائیں وہ (حسب الحکم) بند کر دیئے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور یہ تقریر کی اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو، کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کر لو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے۔ بالآخر ہرقل نے جب (اس درجہ) ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انہیں میرے پاس واپس بلاؤ۔ (جب وہ حاضر ہو گئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی مضبوطی کے امتحان کے لئے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہو گئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔ ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَالٍ قَالَ قَالَ يَهُودِيٌّ لِّصَاحِبِهِ إِذْ هَبَّ بَنَّا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ إِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهُ أَرْبَعُ أَعْيُنٍ فَآتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ آيَاتِ بَيْنَاتٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تُسْرِفُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوا بَیْرِي إِلَى ذِي سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ وَلَا تَسْخَرُوا وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْلِبُوا مُحْصِنَةً وَلَا تَوَلُّوا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزُّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةُ الْيَهُودِ وَلَا تَعْتَلُوا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبِلَا يَدَيْهِ وَرَجُلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ إِنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَتَّبِعُونِي قَالَا إِنَّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَا يَزَالَ مِنْ خُرَيْتِهِ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ أَنْ تَبْعَنَّاكَ أَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُودُ. (رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

صفوان بن عسال مرادی بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے رفیق سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم ان سے اس آیت کی مراد دریافت کریں گے ولقد آتینا موسیٰ الخ وہ بولا ایسا غضب نہ کرنا انہیں نبی نہ کہنا اگر کہیں انہوں نے تمہاری زبان سے نبی کا لفظ سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ یہ مشورہ کر کے دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور ان آیات کے متعلق آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر ضابطہ میں، جادو نہ چلاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو کسی صاحب اقتدار کے پاس پکڑ کر نہ لیجاؤ تا کہ وہ اسے مار ڈالے، کسی پاکباز عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور جہاد میں پشت نہ پھیرو، اور اے یہود خاص تمہارے لئے یہ حکم اور ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کے بارے میں اپنی شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یہ جوابات سن کر دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم

گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے (اس کے جواب میں انہوں نے یہ جھوٹا بہانہ بنا دیا اور) کہا اس لئے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہے گا اگر ہم آپ کی تابعداری قبول کر لیں تو اس کا خوف ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیر نے سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے وہو حدیث مشکل وعبداللہ بن سلمہ فی حفظہ شیء وقد تکلموا فیہ۔ اس حدیث کے مضمون میں کچھ الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو تسع آیات سے معجزات مراد ہیں۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مصداق احکام ہیں وہ بھی بجائے نو کے یہاں دس ذکر کئے گئے ہیں۔ حافظ موصوف نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کو صحیح الفاظ کے بیان کرنے میں کچھ التباس پڑ گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل تذکرہ تورات کے وصایا عشرہ کے متعلق فرمایا ہوا اور اس کی بجائے انہیں تسع آیات کا مغالطہ لگ گیا ہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے وفود کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ومن تأمل ما فی السیرو الاخبار الثابتة من شهادة کثیر من اهل الكتاب والمشرکین له صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالة انه صادق فلم تدخلهم هذه الشهادة فی الاسلام علم ان الاسلام امروراء ذلك وانه ليس هو المعرفة فقط ولا المعرفة والاقرار فقط بل المعرفة والاقرار والانقياد والتزام طاعته ودينه ظاهراً وباطناً. (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵) یعنی جو شخص سیرت کے صحیح واقعات و مشرکین اور اہل کتاب کی ان شہادتوں پر غور کرے گا جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق دی ہیں اور اس کے باوجود ان کو مسلمان نہیں سمجھا گیا وہ یہ بات بخوبی سمجھ جائے گا کہ اسلام تصدیق کے ساتھ اور بھی کسی چیز کا نام ہے۔ صرف رسول کی معرفت یا اس کی صداقت کے اقرار کر لینے کا نام نہیں بلکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے آپ کے دین میں داخل ہونے کا عہد کرے۔ ورنہ بہت سے اہل کتاب نے آپ کی تصدیق کی ہے آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا ہے مگر آپ کا دین اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی نکتہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں کہا گیا۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵)

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ ضَرَّارٍ الْخَزَاعِيِّ قَالَ قَدِمْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِي إِلَى الْإِسْلَامِ فَدَخَلْتُ فِيهِ وَأَقْرَرْتُ بِهِ وَدَعَانِي إِلَى الزَّكَاةِ فَأَقْرَرْتُ بِهَا وَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْجِعْ إِلَى قَوْمِي فَأَدْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ فَمَنْ اسْتَجَابَ لِي جَمَعْتُ زَكَاةَهُ فَرُسِلُ إِلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَسُولًا إِبَّانَ وَقْتُ كَذَا وَإِيَّاكَ بِمَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكَاةِ فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّكَاةَ مِمَّنْ اسْتَجَابَ لَهُ وَبَلَغَ الْإِبَّانَ الَّذِي أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَّعَ إِلَيْهِ اخْتَبَسَ الرَّسُولُ فَلَمْ يَأْتِ فَظَنَّ الْحَارِثُ أَنْ قَدْ حَدَّثَ فِيهِ سَخَطٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَدَعَا سَرَوَاتِ قَوْمِهِ فَقَالَ لَهُمْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقْتُ لِي وَقْتُا يُرْسِلُ إِلَيَّ رَسُولُهُ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِي مِنَ الزَّكَاةِ وَلَيْسَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ وَلَا أَرَى حَبْسَ رَسُولِهِ إِلَّا مِنْ سَخَطِهِ

كَانَتْ فَأَنْطَلِقُوا فَنَاتِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيدَ
 بَنَ عُقْبَةَ إِلَى الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكَاةِ فَلَمَّا أَنْ سَارَ الْوَلِيدُ حَتَّى بَلَغَ بَعْضَ
 الطَّرِيقِ فَرَّقَ فَرَجَعَ فَاتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِي مِنَ
 الزَّكَاةِ وَأَرَادَ قَتْلِي فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُعْثَ إِلَى الْحَارِثِ وَأَقْبَلَ الْحَارِثُ
 بِأَصْحَابِهِ حَتَّى إِذَا اسْتَقْبَلَ الْبُعْثَ وَفَصَلَ مِنَ الْمَدِينَةِ لَقِيَهُمُ الْحَارِثُ فَقَالُوا هَذَا الْحَارِثُ فَلَمَّا
 غَشِيَهُمْ قَالَ لَهُمْ إِلَى مَنْ بُعِثْتُمْ قَالُوا إِلَيْكَ قَالَ وَلِمَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ
 إِلَيْكَ الْوَلِيدَ بَنَ عُقْبَةَ فَرَعَمَ أَنْكَ مَنَعْتَهُ الزَّكَاةَ وَأَرَدْتَ قَتْلَهُ قَالَ وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُهُ بَتَّةً وَلَا آتَانِي فَلَمَّا دَخَلَ الْحَارِثُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ مَنَعْتَ الزَّكَاةَ وَأَرَدْتَ قَتْلَ رَسُولِي قَالَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُهُ وَلَا رَأَيْتُهُ وَمَا
 أَقْبَلْتُ إِلَّا حِينَ اخْتَبَسَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَشْيَةً أَنْ تَكُونَ كَانَتْ
 سُخْطَةً مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ فَزَلَّتِ الْحُجَرَاتُ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا
 أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ) إِلَى هَذَا الْمَكَانِ فَضَلَّاهُ مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (رواه احمد)

حارث بن ضرار خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی
 دعوت دی۔ میں نے آپ کی دعوت اسلام قبول کر لی اور اسلام میں داخل ہو گیا پھر آپ نے مجھے زکوٰۃ دینے کے لئے فرمایا میں
 نے اس کا بھی اقرار کر لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور ان سے زکوٰۃ دینے
 کے لئے کہتا ہوں پھر جو شخص ان میں میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوٰۃ جمع رکھوں گا آپ میرے پاس اپنا کوئی قاصد
 فلاں فلاں وقت پر بھیج دیں تاکہ جو زکوٰۃ میں جمع کر لوں وہ آپ کی خدمت میں پہنچا دے۔ حارث جب ان لوگوں سے زکوٰۃ
 وصول کر کے جمع کر چکے جنہوں نے دعوت اسلام قبول کر لی تھی اور وہ مقرر کردہ وقت بھی آ گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس وقت مقرر پر آپ کا قاصد نہ پہنچا۔ حارث کو یہ خطرہ ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان
 سے کوئی ناگواری تو پیش نہ آ گئی ہو (جس کی بناء پر آپ نے اپنا قاصد نہ بھیجا ہو) اس لئے انہوں نے اپنی قوم کے چند سربراہان اور وہ
 اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ نے میرے پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تاکہ زکوٰۃ کا جو مال میرے
 پاس جمع ہو جائے وہ وصول کر لے۔ (مگر قاصد وقت مقرر پر نہیں آیا اور) وعدہ خلافی تو آپ کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لئے
 ہونہ ہو میرا خیال یہی ہے کہ آپ نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب آپ کی خدمت میں
 چلیں۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث کے پاس روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوٰۃ
 وصول کر لیں جب ولید روانہ ہو گئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ خطرہ محسوس ہوا اور ڈر کر وہ واپس لوٹ گئے اور آپ کی
 خدمت میں حاضر ہو کر بولے یا رسول اللہ حارث نے مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ آپ نے

حارث سے انتقام کے لئے ایک لشکر روانہ فرمایا ادھر حارث اپنی جماعت کو لئے ہوئے مدینہ روانہ ہو چکے تھے جب اس لشکر سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لئے بھیجے گئے ہو انہوں نے جواب دیا آپ ہی کے لئے۔ یہ بولے آخر کیوں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے ولید کو تمہارے پاس بھیجا تھا ان کا بیان یہ ہے کہ تم نے ان کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور (اُلٹا) ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے، انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے۔ جب حارث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا، حارث کہو تم نے زکوٰۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے قتل کا بھی ارادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے تو ان کو اور انہوں نے مجھ کو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار کر کے) اس وقت چلا ہوں جب آپ کا قاصد میرے پاس نہیں آیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ اسی پر سورۃ حجرات نازل ہو گئی۔ یا ایہا الدین امنوا الخ مسلمانو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ۔ الخ۔ (مسند احمد) تشریح:۔ اس حدیث میں ”دخلت فی الاسلام“ کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ دراصل دین میں داخل ہو جانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے اس لئے اسلام میں داخلہ کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص حقانیت اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی بجا آوری کا عہد نہیں کرتا وہ اسلام کا حلقہ بگوش شمار نہیں ہو سکتا۔ اسی نکتہ کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے بہت سے اشخاص مسلمان شمار نہیں کئے گئے۔

ایمان کیا ہے؟

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصِمَ الزُّبَيْرِ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ يُسْقَى بِهَا النَّخْلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْقِ يَا زُبَيْرُ فَأَمَرَهُ بِالْمَعْرُوفِ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى جَارِكَ قَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَن كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوْنَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ إِسْقِ ثُمَّ أَحْبَسَ حَتَّى يَرْجِعَ الْمَاءُ إِلَى الْجَدْرِ وَاسْتَوْعَى لَهُ حَقَّهُ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللَّهِ إِنَّ هَذِهِ الْآيَةَ أَنْزَلَتْ فِي ذَلِكَ فَلَا وَدَّيْتُكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. (رواه البخاری)

عروہ بن زبیر بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنکستان کی نالی کے بارے میں زبیر کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیر پہلے تم آبپاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو، اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مد نظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیر آپ کے چچا زاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور

آپ نے فرمایا زیرِ ثواب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ نے زیرِ ٹکا پورا پورا حق دلویا (اور پچھلے فیصلہ میں آپ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زیرِ ٹکتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی فلا وربک الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصلہ نہ بنائیں پھر اس پر فراخ دلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

عَنْ ضَمْرَةَ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِلْمُحِقِّ عَلَى الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمَقْضَى عَلَيْهِ لَا أَرْضَى فَقَالَ صَاحِبُهُ فَمَا تُرِيدُ قَالَ أَنْ لَذَهَبَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَذَهَبَا إِلَيْهِ فَقَالَ الَّذِي قَضَى لَهُ قَدْ اخْتَصَمْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ ائْتَمَّا عَلَى مَا قَضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبَى صَاحِبُهُ أَنْ يَرْضَى فَقَالَ نَأْتِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمَقْضَى لَهُ قَدْ اخْتَصَمْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِي عَلَيْهِ فَأَبَى أَنْ يَرْضَى فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ كَذَلِكَ لَدْخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهُ وَخَرَجَ وَالسَّيْفُ فِي يَدِهِ قَدْ سَلَّهُ فَضَرَبَ بِهِ رَأْسَ الَّذِي أَبَى أَنْ يَرْضَى فَقَتَلَهُ. فَاَنْزَلَ اللَّهُ فَلَارِبَكَ لَا يُؤْمِنُونَ الْإِيه. (تفسير ابن كثير)

ضمرة روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لیکر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو، اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہو گئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے رونداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (رونداد مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا، کیا واقعہ اسی طرح ہے اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سراڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی فلا وربک لا يؤمنون الخ (تفسیر ابن کثیر)

تشریح:- حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابوالفتح کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا، اس کو ماننا، اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بالآخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا کہ

روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمان کامل۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَذُوكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتَ

الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَسْلَمَ عَبْدِي وَاسْتَسْلَمَ. (رواه البيهقي)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے۔) (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہو گیا اور پورا پورا مسلمان ہو گیا۔

تشریح:- اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا گیا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کر دے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ استسلام (حوالہ کرنا) وہ نہیں ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب اذلم یکن الاسلام علی الحقیقة وکان علی الاستسلام میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الہیہ کے قہر و غلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت و طاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے۔ یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گزارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتیٰ کہ نہ کسی نقل و حرکت کا اس کی ہر حرکت و سکون اور اس کا ایک ایک نطق و سکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امر و نہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی۔ جس طرح ایک غلام اپنے نفع و نقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندہ مومن کا حال ہو جانا چاہئے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر لا حول ولا قوۃ الخ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہئے۔ زمین و آسمان کے خزان سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں واللہ خزائن السموات والارض لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک درکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان رضا کی چند مثالیں

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنُ أَبِي حَذَرٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ

فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ

اِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا وَأَوْمَأَ اِلَيْهِ اَنَّى الشُّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ قُمْ فَأَقْضِهِ.

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ ابن ابی حدرد پر ان کا کچھ قرضہ چاہئے تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آکر اس کا تقاضہ کیا اس پر دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں یہاں تک کہ آپ نے گھر میں سے سن لیا۔ آپ اُن کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا کر آواز دی کعب؟ وہ بولے یا رسول اللہ حاضر ہوں، آپ نے فرمایا اتنا قرض معاف کر دو اور نصف کا اشارہ کیا انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا ابن ابی حدرد اٹھو اور اس کو اداء کر دو۔ (بخاری شریف)

تشریح:- آپ کا یہ حکم بطور کسی قضاء شرعی کے نہ تھا بلکہ صرف باہم مصالحت پر مبنی تھا۔ کعب کے لئے اتنی گنجائش تھی کہ وہ عذر و معذرت کرنا چاہتے تو کر دیتے لیکن صحابہ کی شان تسلیم و رضا کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک ضابطہ اور بے ضابطہ حکم کا فرق ہی باقی نہ رہا تھا ان کے نزدیک آپ کا قلبی میلان اور حکم ناطق دونوں برابر تھے اسی لئے دین ان کے نزدیک اپنی مجموعی شکل کا نام تھا جب اسلام کا دور انحطاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونی شروع ہو گئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آ جاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف یہی ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔

اگر کلمہ لا الہ الا اللہ کا عقیدہ رکھنے اور اس کا ورد کرنے والے اتنی بات سمجھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس نفی و اثبات میں راہ عشق کے کیسے کیسے دقیق رموز پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہو جاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں، صرف التزام طاعت اور انقیاد باطن بھی نہیں، بلکہ تسلیم و رضا کی اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیات نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدائے تعالیٰ کی ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءً مِنْ دِيْبَاجٍ أُهْدِيَ لَهُ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ نَزَعَهُ فَأُرْسِلَ بِهِ إِلَى عُمَرَ فَقِيلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا أَنْتَزَعْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ نَهَانِي عَنْهُ جِبْرِئِيلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَرِهْتَ أَمْرًا وَأَعْطَيْتَنِيهِ فَمَالِي فَقَالَ إِنِّي نَمَّ أَعْطَيْتُكَ تَلْبِسَهُ إِنَّمَا أَعْطَيْتُكَ تَبِيعُهُ فَبَاعَهُ بِالْفَى دِرْهَمٍ. (رواه مسلم)

جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبازیب تن فرمایا جو آپ کے لئے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا بات تھی کہ) آپ نے اس قباء کو اتارنے میں بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرمادیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو آپ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دیدیا۔ بھلا جب آپ اسے برا سمجھتے ہیں تو میں اسے برا کیوں نہ سمجھوں۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس لئے تو دیا نہیں تھا کہ تم اسے پہن لو، میں نے تو اس لئے دیا تھا کہ بیچ لینا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ (مسلم)

تشریح:- حضرت عمرؓ کی شانِ رضا و تسلیم نے یہاں محبوب و مکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپ کو محبوب ہو اور مکروہ وہ تھا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہوتی کہتا ہے۔

ما الخل الامن اود بقلبه واری بطرف لا یری بسوائه

فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بیع و شراء کے جواز کا مسئلہ استعمال کی اباحت و حرمت پر موقوف نہیں بلکہ ملکیت پر موقوف ہے یعنی جس چیز کا کوئی مالک بن سکتا ہے تو اس کی بیع جائز ہے اور جس چیز کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اس کی بیع بھی جائز نہیں۔ اس کی مثال آزاد آدمی کو بیچنا درست نہیں اس لئے کہ اس کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اور اسی طرح دیکھئے ریشمی کپڑا مردوں کیلئے پہننا حرام ہے اس کے باوجود اس کی بیع درست ہے کیونکہ اس کی ملکیت میں کوئی نقصان نہیں۔ کلیات دین معلوم کرنے کیلئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے اس کے لئے دین کے تمام اصول و ضوابط کا پیش رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے اس ایک ہی مسئلہ سے کلیات نہ بنائے جائیں۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَنَحْنُ مَعَهُ فَرَأَى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هَذِهِ قَالَ أَصْحَابُهُ هَذِهِ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِي نَفْسِهِ حَتَّى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذَلِكَ مِرَارًا حَتَّى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيهِ وَالْأَعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى أَصْحَابِهِ وَقَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا نَكُرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ فَرَأَى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ إِلَى قُبَّتِهِ فَهَدَمَهَا حَتَّى سَوَّاهَا بِالْأَرْضِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فَعَلْتَ الْقُبَّةُ قَالَ شَكَى إِلَيْنَا صَاحِبُهَا إِعْرَاضَكَ فَأَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٍ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا يَغْنَى إِلَّا مَا لَا بُدَّ مِنْهُ. (رواه ابو داؤد)

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھے آپ نے ایک اونچا سا قبہ دیکھا تو فرمایا یہ قبہ کس کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا فلاں انصاری کا ہے آپ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب اس کا مالک آیا اور اس نے سب لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا آپ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا چند بار اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ شخص آپ کا غصہ اور اپنی جانب سے آپ کی بے التفاتی سمجھ گیا اس نے اپنے رفقاء سے اس پر اظہارِ افسوس کیا اور کہا بخدا آپ کی یہ بات تو میں کچھ نئی سی دیکھتا ہوں انہوں نے کہا (ہمیں کچھ اور تو معلوم نہیں) بس اتنی بات ہوئی ہے کہ آپ باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا قبہ دیکھا تھا وہ شخص فوراً اپنے قبہ کی طرف واپس آیا اور اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن کبھی پھر آپ (اس طرف) تشریف لے گئے تو اس قبہ کو نہ دیکھا پوچھا قبہ کیا ہوا عرض کیا اس کے مالک نے آپ کی بے التفاتی پر ہم سے افسوس ظاہر کیا تھا تو ہم نے جو واقعہ تھا وہ اس سے کہہ دیا تھا بس اس کے بعد ہی اس نے یہ قبہ گرا دیا تھا آپ نے فرمایا۔ سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لئے وبال ہوگی مگر جو بقدر ضرورت ہو۔ (ابو داؤد)

تشریح:- بلند قبہ بنانا بھی حرام نہ تھا مگر جس دور میں حب دنیا کا تخم قلوب سے مٹایا جا رہا تھا اور جب آخرت کا تخم بکھیرا جا رہا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ حب دنیا کے اسباب ترقی کو بخوشی گوارا کر لیا جاتا اس لئے اس مصلح اعظم نے اپنے چشم و ابرو کے اشاروں سے

اپنی بے التفاتی کا اظہار ضروری سمجھا۔ آپ پر قربان ہونے والے صحابی کے لئے یہ ادنیٰ سی بے التفاتی ناقابل برداشت بن گئی۔ واضح رہے کہ اس قبہ کی اہمیت اس ماحول اور اس دور زندگی کے حالات کے اعتبار سے محسوس کی گئی تھی ہمارے دور ترقی میں اب اس قبہ کے حکم میں وہ عمارات داخل ہو سکتی ہیں جو اس زمانہ میں دوسری عمارتوں میں وہی نسبت رکھتی ہوں جو اس زمانہ کی عمارتوں میں قبہ کی نسبت تھی مسئلہ کبھی نہیں بدلتا مصلحت ہمیشہ بدل سکتی ہے اس نے کسی مزید تحقیق کے بغیر قبہ کو گرا دیا اور اتنی بڑی قربانی کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ آپ کی محفل میں آ کر اپنی سرخروئی کے لئے اس کا ذکر ہی کر دیتا۔

عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحَقِّقْنَ الطَّرِيقَ عَلَيْكُنَّ بِخَافَاتِ الطَّرِيقِ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْصِقُ بِالْجِدَارِ حَتَّى أَنْ تَوْبَهَا لِيَتَعَلَّقَ بِالْجِدَارِ. (رواه ابو داؤد البیہقی فی شعب الایمان)

ابو اسید انصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے اس وقت آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے دیکھا تو مرد اور عورتیں سب راستہ میں ایک دوسرے کیساتھ خلط ملط ہو گئے تھے فرمایا تم مردوں کے پیچھے چلا کرو۔ راستہ کے بیچ میں چلنے کا تمہارا کوئی حق نہیں ہے تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہئے اس کے بعد حالت یہ ہو گئی کہ ایک عورت دیوار سے اتنا مل کر چلا کرتی تھی کہ اس کا کپڑا دیوار سے رگڑا کرتا تھا۔ (ابوداؤد)

تشریح:- عام راستہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا مگر آپ کا حکم سننے والی عورتوں نے اپنا حق صرف اتنے ہی حصہ میں سمجھ لیا تھا جتنے حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلنے کیلئے حکم دیدیا تھا بقیہ حصہ سے وہ کسی بحث کے بغیر دستبردار ہو چکی تھی اور اس حکم کی تعمیل بھی اس مبالغہ سے کی جاتی تھی جس کا نقشہ حدیث میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک طبیعت رضاء و تسلیم کی خوگر نہیں ہو جاتی شریعت پر پورا عمل بھی میسر نہیں آتا۔

قَالَ عُمَرُو كَانَ هَهُنَا رَجُلٌ اسْمُهُ نَوَاسٌ وَكَانَتْ عِنْدَهُ اِبِلٌ هَيْمٌ فَلَحَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرَى بِتِلْكَ الْاِبِلِ مِنْ شَرِيكَ لَهُ فَجَاءَ اِلَيْهِ شَرِيْكُهُ فَقَالَ بَعْنَا بِتِلْكَ الْاِبِلِ فَقَالَ مِمَّنْ بَعْتَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَّابٍ وَكَذَّابًا فَقَالَ وَيَحْكُ ذَاكَ وَاللَّهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهُ فَقَالَ اِنْ شَرِيْكِيْ بِاعَكَ اِبِلًا هَيْمًا وَلَمْ يَعْرِفْكَ قَالَ فَاَسْتَقْبَهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَأْذِنُهَا قَالَ دَعْنِيَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عُلُوِي. (البخاری)

عمر بن دینار کہتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اور اس کے پاس بیمار اونٹ تھے، ابن عمرؓ گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے۔ جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا (آج) تو میں نے وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے۔ اس نے کہا بھلا کس کے ہاتھ بیچے اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں تھے، اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو، خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے، انہوں نے فرمایا تو ان کو لیجاؤ جب وہ انہیں لیجانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی

ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی مرض اڑ کر نہیں لگا کرتا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ نہایہ میں ہے اہم اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پئے اور سیراب نہ ہو۔ یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی۔ ابن عمرؓ چاہتے تھے تو اس اونٹ کو بیع و شرا کے ضابطہ سے بائع کو واپس کر سکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے برقرار رکھنے میں اس کا استیصال ہوتا تھا اس لئے انہوں نے اونٹ کو واپس نہیں کیا۔ اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شانِ رضاء و تسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لیکر اسی کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

عَنْ قَسٍّ قَالَ كَانَ لِي ذُوْبَةٌ قَالَتْ لِي لَا أَجْزُهَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلُهَا وَيُخْلُهَا. (رواه ابو داود)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر زلفیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ازراہِ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہ ان کی والدہ کا صرف ایک جذبہ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپ کے دست مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے۔ اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی نفسہ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بناء پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان اشیاء تک محدود ہوگا جو مباح ہوں۔ منکرات اور منہیات کسی وقت بھی قابلِ مدح نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑ رہی ہے اور اسی جنس کی وہ معذرت ہے جو آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي جُمَّةً أَفَارَجِلُهَا قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَآكُرِمُهَا. قَالَ فَكَانَ أَبُو قَتَادَةَ رُبَّمَا ذَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ

مَرَّتَيْنِ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَآكُرِمُهَا. (رواه مالک)

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر زلفوں والے بال ہیں کیا میں ان میں شانہ کر لیا کروں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں اس کا لحاظ بھی رکھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے ابوقتادہؓ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بارتیل ڈال لیا کرتے تھے۔ (مالک)

تشریح:۔ یعنی اگرچہ آپ کے ارشاد ”واکرمها“ کا (بالوں میں دو دو بارتیل ڈالنا) اقتضاء لغوی نہ سہی لیکن ابوقتادہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کر لیا جائے اس کا نام جذباتِ محبت ہے ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ اسی لئے سر میں دو بارتیل ڈالنا سنت نہیں کہا جاسکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی ابوقتادہؓ کے اس فعل کی کچھ معذرت پیش کر رہا ہے۔

شہادتین کے معنی

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ أَعْلَمَهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَأُخْرَى يَرْفَعُ اللَّهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ ذَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا بَيْنَ كُلِّ ذَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. (رواه مسلم)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہو گیا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ ابوسعیدؓ کو یہ خوشخبری بہت امید افزا معلوم ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکرر فرمائیے آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ بات کیا ہے آپ نے فرمایا اللہ کیلئے جہاد کرنا، اللہ کیلئے جہاد کرنا۔ (مسلم)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ وَإِذَا أَمْسَى قَلِيلًا رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه احمد والترمذی)

ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رضیت باللہ رباً الخ (میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضامند ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ لازم کر لیتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کر دے۔ (احمد-ترمذی)

تشریح:- قرآن کریم کی مختصر سی آیت میں اس رضاء کا تذکرہ اس انداز پر کیا گیا ہے ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ.“ صحابہ میں یہ شان رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے مابین رضی اللہ عنہم ان کا ایسا طرہ امتیاز بن چکا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ ایسا ہی جزء لاینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ الفاظ درود کا۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ. (رواه مسلم)

سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مؤذن کو یہ کہتے سنا اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدًا عبده ورسوله پھر اس کے جواب میں یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو اپنا دین مان کر دل سے راضی ہو چکا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح:- انسان میں دین کی تلاش اس کی فطرت ہے۔ پھر دین میں اللہ اور رسول کا تصور لازم ہے۔ شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام کے بعد فطرت میں اب کسی اور دین کا تقاضا نہ رہنا چاہئے وہ تقاضا اب دین اسلام سے پورا ہو جانا چاہئے۔ پھر دین اسلام نے ربوبیت کا ایسا ٹھیک ٹھیک پتہ دیدیا ہے کہ اس کے بعد اب ربوبیت کی تلاش بھی ختم ہو جانی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مقام رسالت کو ایسا پر کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد رسول کی تلاش بھی نہ ہونی چاہئے۔ اگر اسلام کے بعد بھی ان گوشوں میں کچھ تردد و تلاش کا سلسلہ باقی ہے تو یہ شہادتین صرف زبانی ہوں گی۔ جب ان تمام گوشوں میں سکون ہی سکون پیدا ہو جائے اور نظروں میں دوسری جانب اٹھنے کی گنجائش ہی نہ رہے تو اب سمجھنا چاہئے کہ شہادتین دل میں اتر چکے ہیں۔

خوشی اور غم شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں

عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي سَيِّفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظَنُورًا لِإِبْرَاهِيمَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَبَجَعَلْتُ عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذَرُ فَإِنْ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اتَّبَعَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ إِنَّ الْعَيْنَ تَلْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ. (متفق عليه)

انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے یہ حضرت ابراہیم کی دودھ پلائی کے شوہر تھے آپ نے حضرت ابراہیم کو گود میں لیا اور ان کو خوب پیار کیا دوبارہ اس کے بعد پھر ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم دنیا سے سفر کر رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ کی چشم مبارک بہنے لگیں۔ اس پر عبد الرحمن بن عوف بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی روتے ہیں آپ نے فرمایا ابن عوف یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا اثر ہے۔ یہ کہہ کر آپ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا آنکھیں بیشک بہتی ہیں اور بے شبہ دل بھی غمگین ہے لیکن زبان سے صرف وہ نکلے گا جو اس حالت میں خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ اے ابراہیم اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب تمہاری جدائی سے دردمند ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح:- آپ کے یہ مختصر جملے اسرار شریعت و طریقت سے کتنے لبریز ہیں، ان میں آپ نے ہم کو یہ ہدایت کی کہ انسان جامع اس کو سمجھنا چاہئے جس میں قدرت کی جامعیت کا جلوہ نظر آئے اس میں اپنے محل پر شدت و قہر بھی ہو اور رحمت و کرم بھی اگر اپنے لخت جگر کی موت پر بھی اس کا دل غمگین نہیں ہوتا اور اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں تو وہ پتھر ہیں، ان میں قدرت کی بے نہایت شفقت و رحمت کا ایک ذرہ بھی اثر نہیں اس کا نام رضا و تسلیم نہیں قساوت اور بے حسی ہے۔ اس میں فرشتوں کی سی صفت تو ہے مگر بشر کی سی کوئی صفت نہیں۔ درد کی بے چینی سے نہ وہ آشنا ہیں نہ یہ۔ بشر کی شان رضا یہ ہے کہ اس کے دل پر غموں کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی آنکھیں بھی روتے روتے بے نور ہو جائیں۔ وَاَبْيَضَتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ. (یوسف)

مگر وہ ان صبر آزمایا حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاسکے اور اپنے عجز و ضعف کا اس طرح برملا اعتراف کر کے خاموش ہو گئے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہمارا کمزور دل بے شبہ بہت دردمند ہے۔

جلادت و شجاعت اور استغناء و بے نیازی وہ بھی مالک الملک علی الاطلاق کے مقدمات کے سامنے یہ بندہ کے عجز و نیاز کے شایانِ شان نہیں۔ ماسویٰ اللہ سے اعراض کر کے خدا کی جنت سے بھی اغماض کر لینا شانِ اولیاء ہے اور جنت کو خدا تعالیٰ کا ایک انعام سمجھ کر اس کیلئے دستِ سوال پھیلا دینا یہ شانِ انبیاء ہے (علیہم السلام) ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے سوا چشمِ زدن کے لئے بھی کسی غیر کی طرف نظر اٹھائی تو توحید مقصد فوت ہوگئی اور ان کے نزدیک اگر کسی حرکت سے بھی ذرا بے نیازی ٹپکی تو شانِ بندگی پر حرف آ گیا۔ پہلی صورت تقاضائے محبت ہے اور دوسری مقتضائے عبدیت۔ کمال یہ ہے کہ جوش میں بھی عبدیت کا پورا ہوش رہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ غُرْيَانَا فَخَرُّ

عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحِثِّي فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنِيَنَّكَ عَمَّا

تَرَى قَالَ بَلَى وَعِزَّتِكَ وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام (کس مقام پر تھا) برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آ کر گریں فوراً وہ انہیں اپنے کپڑوں میں جمع کرنے لگے۔ پروردگار کی طرف سے نداء آئی ایوب؟ کیا یہ مال و دولت دیکر جو تمہیں بھی نظر آ رہی ہے ہم نے تمہیں غنی نہیں بنادیا تھا انہوں نے عرض کیا تیری عزت کی قسم کیوں نہیں لیکن میں تیری برکت سے بھلا کیسے بے نیاز بن سکتا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- خدائے وحدہ لا شریک لہ کے یہی وہ با کمال بندے ہیں کہ قدرت نے جب کبھی ان کو آزمایا ہے تو ان کی زبانوں سے ہمیشہ ایسے ہی صحیح اور خوبصورت جوابات نکلے ہیں جن پر اس نے خود ہی اپنی صنائی کی داد دی ہوگی یہاں ذرا سوال کی گرفت ملاحظہ کیجئے اور اس بیساختہ جواب کی داد دیجئے کتنا صحیح اور شانِ بندگی میں کتنا ڈوبا ہوا ہے یعنی اے پروردگار مجھے تو نے غنی تو ضرور بنادیا ہے مگر اپنی برکتوں سے تو نہیں۔ میں ساری دنیا سے بے نیاز ہوں مگر تیرے سامنے تو نیاز ہی نیاز ہوں۔ اغناء تیری شانِ غناء تھی اور تیری برکتوں کا محتاج بنا رہنا میری شانِ بندگی ہے۔ یہ وہی ایوب ہیں (علیہ السلام) جن کی ایک بار اور بھی مصائب و آلام میں ڈال کر قدرت نے آزمائش کی تھی مگر وہاں بھی ان کو اپنی شانِ احتیاج برابر یاد رہی آخریوں بول اٹھے رب انی مسنی الضر والنت ارحم الراحمین۔

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مرزا شہید جان جاناں کی سوانح حیات میں کسی جگہ نظر سے گزرا ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ولی نے اپنے مریدین کو جمع کر کے پوچھا دیکھو میرے جسم پر تمہیں کہیں کوئی جگہ ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی زخم نہ ہو انہوں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد فرمایا مگر میں نے اب تک اپنی زبان سے یہ کلمات نہیں کہے رب انی مسنی الضر والنت ارحم الراحمین۔ بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ اس ولی کا صبر اس مقدس رسول کے صبر پر شاید فوقیت رکھتا ہو مگر حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولی نے تو جذبہ محبت میں اپنی شانِ بے نیازی دکھائی مگر اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نیاز حقیقی کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ قرین ادب سمجھا۔ جب تک مشیت الہیہ ابتلاء کی نظر آتی رہی اس وقت تک یہ بھی لبوں پر مہر خاموشی لگائے بیٹھے رہے۔ مگر جب کچھ کچھ علاماتِ صحتِ نظر آنے لگیں تو جھٹ خود آگے بڑھ کر دستِ سوال پہلے پھیلا دیا کہ شانِ بندگی اسی میں نظر آتی تھی کہ صحت ملے تو مانگ کر ملے۔ یہ اپنے مولیٰ کی بے نیازی اور قدم قدم پر اپنے احتیاج کی شان دکھلا رہے ہیں اور وہ اپنے عشق و محبت کی

آن بان نباہ رہے ہیں۔ رضا و تسلیم کا ایک مقام یہ ہے اور دوسرا وہ۔ دونوں قابل تعریف ہیں۔ مگر بھلا اس کو اس سے کیا نسبت۔ اس میں محبت کا مظاہرہ تو ہے مگر وہ شانِ عبدیت کہاں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهُ أَجِبْ رَبِّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوسَى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَقَقَاَهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللَّهِ فَقَالَ إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَكَ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِي قَالَ فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ ارْجِعْ إِلَى عَبْدِي فَقُلِ الْحَيَاةُ تُرِيدُ فَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْحَيَاةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلَى مَتْنِ ثَوْبٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدَكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَإِنَّكَ تَعِيشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ تَمُوتُ قَالَ فَأَلَانَ مِنْ قَرِيبٍ رَبِّ أَذِنَنِي مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمِيَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَوْ أَنِّي عِنْدَهُ لَا رَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَنْبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكُثَيْبِ الْأَحْمَرِ. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کے رب نے آپ کو بلایا ہے چلئے تشریف لے چلئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ جاتی رہی۔ ملک الموت نے واپس آ کر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پروردگار تو نے تو مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کے پاس بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری ایک آنکھ بھی پھوڑ دی ہے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آنکھ بخش دی اور فرمایا جا میرے بندہ کے پاس پھر واپس جا اور ان سے عرض کر کیا آپ کو زندگی زیادہ عزیز ہے۔ اگر عزیز ہو تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی کمر پر رکھ دیجئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے ہی سال آپ اور جنیں گے (فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کر دی) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے عرض کیا پھر یہی موت ہے فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا تو مجھے بیت المقدس سے اتنا تو قریب کر دے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر چہ میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

اُتْرَح :- مادہ پرست اور منکرین حدیث ہر دو کی نظروں میں یہ حدیث ہمیشہ سے قابل مضحکہ بنی ہوئی ہے اور شروع ہی سے ائمہ حدیث بھی اس کی جواب دہی میں مشغول نظر آ رہے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ نے بھی اپنی تالیف مختلف الحدیث میں اس کی طرف تعرض کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کوئی مضمون درحقیقت قابل مضحکہ ہے بھی یا نہیں مادہ پرستوں کے نزدیک تو طبعیات کے سوا الہیات کا سارا باب ہی قابل مضحکہ ہے اور منکرین حدیث کے نزدیک صرف یہی ایک حدیث نہیں بلکہ وہ حدیثیں بھی جو معقول سے معقول مضامین پر مشتمل ہیں قابل اعتبار نہیں پس ان ہر دو فریق کے نزدیک قابل انکار خاص اس حدیث کا مضمون نہیں بلکہ ان کا ایک عام طبعی انحراف اور انکار ایک اصولی انکار ہے اگر ان کے انکار کی بنیاد خاص طور پر اس حدیث کا بعید از عقل ہونا ہوتی تو ان کا دائرہ انکار بھی صرف اسی حدیث تک محدود رہتا مگر یہاں تو اس قسم کی حدیثوں کو دوسری اور معقول حدیثوں کے انکار کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے درحقیقت یہ ایک بڑا مغالطہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص

کی ہزاروں باتوں میں سے دو چار باتیں بھی اپنی نارسائی عقل کی وجہ سے قابل فہم نہ ہوں تو اس کی بقیہ بے شمار معقول باتیں بھی قابل قبول نہ رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کو کوئی انسان بھی معقول نہیں کہے گا۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی طبع کا ظہور کچھ اسی ایک واقعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کی تمام روئداد زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو گھونسا مارا اور اس کا دم نکل گیا۔ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا اور اسی سلسلہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان کا ایک پتھر کی طرف بھاگنا ثابت ہے اور جس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے وہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اصولاً کسی انسان کا فطرۃ نرم دل ہونا معیوب نہیں اور نہ کسی کا فطرۃ غصہ ناک ہونا قابل اعتراض ہے بشرطیکہ اس کا غصہ حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو، آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی حدیثوں میں موجود ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک چور کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے قسم کھا جانے پر فرما دیا کہ میں خدا تعالیٰ کے نام کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتا ہوں۔ پس رقت و شدت بھی حیاء و جرات کی طرح غزائر طبعیہ میں سے ہیں یہ سب اگر اپنی حدود میں اور خدا کی راہ میں ہوں تو اپنی اپنی جگہ قابل ستائش ہی ہیں۔ اگر امت میں ابو بکرؓ کی رحمہ لی ضرب الشل ہے تو اسی کے پہلو بہ پہلو عمر رضی اللہ عنہ کی شدت بھی مشہور ہے۔ اور یہ دونوں ہی شانیں اپنی اپنی جگہ محبوب ہیں۔

دوم یہ کہ حیات طبعاً ہر انسان کو محبوب ہوتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو محبوب کیوں نہ ہو جنہیں اپنی امت کو بندہ خدا بنانے کی تمنا اپنی حیات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس اگر خدا کا فرشتہ کسی لاعلمی کی حالت میں ان کے پاس اچانک آ پہنچتا ہے اور اس پر انہیں غصہ آ جاتا ہے تو یہ غصہ نہ تو ان کی بشریت سے بعید ہے، نہ ان کی نبوت کے منافی ہے۔ ان کی شان رضا کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس آ کر کہے کہ لیجئے آپ ابھی اپنی موت کیلئے تیار ہو جائیے تو وہ انکشاف حقیقت سے قبل اس سے یہ کہہ دیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح قبض کر لیجئے۔ فرشتہ کو ہمیشہ پہچان لینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط کے عذاب کے سلسلہ میں ملائکہ اللہ کا آنا اور ان کو آپ کا شناخت نہ کرنا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان کی لاعلمی میں آپ کے پاس آتا ہے اور ایسے ماحول میں آتا ہے جہاں مخالفین کی جماعت بھی موجود ہو تو کیا اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالی شان کتب سماویہ میں مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کر دینا کچھ قابل اعتراض ہو سکتا ہے یہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدائے تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا۔ حدیثوں میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل صرف ان کی تشریف و تکریم کے لئے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں اور اگر چاہیں تو دار آخرت کو اختیار کر لیں۔ اسی آئین کے مطابق خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے ایک عام مجمع میں بیان بھی کر دیا تھا۔ پس اگر اس تخیر سے قبل خدائے تعالیٰ کا فرشتہ کسی عمیق حکمت کے ماتحت ان کے پاس آ پہنچا ہو اور اس لئے اس وقت ان کی جلالی شان ظاہر ہو گئی ہو اس میں استبعاد کیا ہے اور کونسی بات اس میں شان نبوت کے خلاف ہے۔ پوری حدیث کو پڑھ جائیے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئے گا کہ جب خدائے تعالیٰ کے فرشتے نے

دوبارہ آکر حسب دستور موت و حیات میں آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو اختیار کر لیا اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو شفقت پداری میں آکر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخش دیئے تھے لیکن جب اس میعاد پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آگئے ہو، میری عمر میں سے اتنے سال اور باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں رہا آپ اپنی عمر میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بناء پر نسیان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی چلی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتے کی بیجا جرأت پر تھپڑ مار دینا قابل اعتراض ہے۔ اب رہا یہ کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹنا قابل فہم امر نہیں تو سن لیجئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجر نہیں۔ عالم مادیات اور مجردات کے مابین ایک مخلوق ہیں اجمہ اور پروں کا ہونا ان کے لئے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر اور بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لئے یہ اعضاء حقیقہ ثابت ہیں۔ اگرچہ مادی نہ ہوں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لئے ان میں شکل اور تمثیل کی قوت بھی ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا۔ غصریات میں بھی جو عنصر زیادہ سخت ہے اسی قدر اس میں شکل مشکل ہوتا ہے۔ پانی اور ہوا ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر مٹی میں یہ صفت نہیں، یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملائکہ اللہ اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل انسانی میں جب چاہیں نمودار ہو جائیں۔ جبرئیل علیہ السلام کا تمثیل خود قرآن کریم میں موجود ہے اور وحیہ کلبی کی صورت میں آپ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلا نزاع ثابت ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس تمثیل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج سمریزم کی طاقت کا مشاہدہ کرنے والے کے لئے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ احقر (مولانا بدر عالم) کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہو تو شاید اس تمثیل پر اس کا کوئی اثر ظاہر بھی نہ ہو لیکن نبی صرف مادی نہیں ہوتا اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہاء درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اس ملکی عنصر پر خدائے تعالیٰ کی شان جلالی کا اور غلبہ تھا اس لئے ان کی ضرب کا اثر ملک پر بھی ظاہر ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ وجود ملکی ہی تھا جس کی مثالی صورت میں صرف آنکھ ہی میں نقصان آیا اگر انسان ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لاسکتا اور مر جاتا دیکھئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر آپ کو اپنے قریب کیا اور افاضہ ملکیت کے لئے دبایا بھی اور اتنا دبایا کہ آپ کو ضبط کرنا پڑا۔ لوگوں کو تو اس پر تعجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام کے اس تمثیل اور دبائے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہو سکتا۔ یہ رسول اقدس کی ہی شان مطہر تھی کہ وہ جامہ بشری رکھنے کے باوجود شان ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کرتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس اگر صرف مادیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔ عالم رویا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں اس

میں ایک شیر اگر انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خوابی صورت پر کوئی مادی انسان حملہ آور ہو تو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں وہ صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے متصادم ہو تو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکہ اللہ تو عالم اجسام سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا ہے تو اس کے پر خچے اڑ جاتے ہیں۔ ہاں اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکر مارے۔ ظاہر ہے کہ اسی کا سر زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیت سے ٹکرائے تو اس میں کوئی اثر ظاہر ہونا معقول نہیں لیکن نبی جو کہ ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقع پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہونا معقول نہیں۔ اس لئے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قہر آلود تھپڑ نے فرشتے کی اس مثالی صورت میں کوئی نقص پیدا کر دیا تھا تو یہ عین عقل اور شرع کے مطابق ہے۔ اگر آپ ان حقائق کو سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تو ذرا بازی گروں کے تماشہ ہی میں کبھی آ کر دیکھئے اگر ان کی محفل میں اس فن کا کوئی ان سے بڑھ کر ماہر آ جاتا ہے تو وہ اس کا کھیل چلنے نہیں دیتا اور وہ اپنی قوت نفس سے اس کے اس ساری خیال بندی کی دنیا کو بگاڑ دیتا ہے جو وہ تماشائیوں کو دکھا رہا تھا پہلے انسائیکلو پیڈیا اٹھا کر روح کی بحث اور اس کے احوال کا اس میں مطالعہ کیجئے اور موجودہ عتلاء کے نزدیک جو اس کے عجائبات ہیں ان کو زیر نظر رکھئے اس کے بعد پھر آپ اس واقعہ کو پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان حدیثوں کا مضحکہ آپ کے لئے خود ایک قابل مضحکہ امر تھا۔ آپ کے نزدیک جب عالم روحانیات حدیثوت کو ہی نہیں پہنچتا اور اس لئے نہیں پہنچتا کہ آپ نے اسی کا مطالعہ ہی نہیں کیا تو آپ اگر اس کا مضحکہ نہ اڑائیں تو اور کریں کیا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيُعْدِلُ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلْمَنِي فِيمَا لَا أَمْلِكُ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے درمیان شب باشی میں برابر کی تقسیم کرتے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم میرے اس عمل میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ رہا (میرا قلبی رجحان) جس کا تو مالک ہے اس کا مواخذہ تو مجھ سے نہ فرمانا۔ (ترمذی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْفَرَاشِ قَالَتْ مَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَا فَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أَحْصِي لَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَتْنَيْتُ عَلَى نَفْسِكَ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں آپ کی تلاش کے لئے نکلی (میں نے دیکھا) کہ آپ مسجد میں ہیں اور آپ کے دونوں قدم مبارک (بحالت سجدہ) کھڑے ہوئے ہیں میرا ہاتھ آپ کے دونوں تلووں سے لگا (میں نے سنا) کہ آپ یہ دعا فرما رہے تھے اے اللہ میں تیری نارضائی سے تیری رضا کی پناہ لیتا

ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے بس تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ (مسلم)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تقسیم واجب ہی نہ تھی لیکن جس کو امت کا معلم بنا کر بھیجا گیا تھا اس نے خود اپنے ذمہ اس کو ایک لازم حق بنا لیا تھا تا کہ جن کے ذمہ یہ لازم حق ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کر سکیں۔ قلبی رجحان غیر اختیاری چیز ہے اور تکلیف کا دائرہ صرف اختیار کے حدود کے اندر اندر محدود ہے لیکن جہاں انسان کا نفس کوئی خیانت کر سکتا ہے وہاں صاحب شریعت اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسے کلمات فرما دیتے ہیں گویا زوجہ کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس میں غیر اختیاری رجحانات میں بھی ترجیح پر ڈرنے کی ضرورت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِالْبَيْعِ فَقَالَ أَكُنْتُ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ آتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ اللَّيْلِيَا فَيَغْفِرُ لَأَكْثَرِ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمٍ كُلِّبٍ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپ کو (اپنے بستر) پر نہ پایا۔ تلاش کیا تو آپ بقیع میں تھے آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گزرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کر سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ خطرہ گزرا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بد اعمالی کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے۔ (ترمذی)

تشریح: مثل مشہور ہے عشق است ہزار بدگمانی۔ حضرت عائشہؓ نزاہت اور تقدس کے سارے میدان طے کر جانے کے باوجود بشری خصائل سے مستثنیٰ نہ تھیں۔ جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ پاتیں تو فطرت مضطرب ہو جاتیں۔ اپنے نفس کو ہزار سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے پھر معذور ہو جاتیں۔ آخر تلاش کے لئے نکل جاتیں۔ جب آپ سے ملاقات ہوتی تو معاملہ دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں۔ من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال۔ یہاں حضرت عائشہؓ کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے متعلق نا انصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں نعم (جی ہاں) نہیں فرماتیں۔ بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں اداء کرتی ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں نا انصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل تصور نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں آپ کو نہ دیکھ کر آپ کا کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا أَعْلَمُ إِذَا كُنْتُ عَنِّي رَاضِيَةً وَإِذَا كُنْتُ عَلَى غَضَبِي فَقُلْتُ مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذَلِكَ فَقَالَ إِذَا كُنْتُ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكَ تَقُولِينَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتُ عَلَى غَضَبِي قُلْتُ لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ قَالَتْ قُلْتُ

أَجَلُ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَهْجُرُ إِلَّا إِسْمَكَ. (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے ہیں؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو رب ابراہیم کی قسم کھاتی ہو۔ میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یا رسول اللہ خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسم مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے)۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصائل سے معری ہو جانا نہیں، کسی کسی محل پر ناراضگی کی اداء بھی فطرت کا اقتضاء اور محبوبیت کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی انداز محبوبیت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کمال بلاغت دیکھئے کہ اپنے محبوبانہ ناگواری کی حقیقت صرف ہجران الہی تک محدود کر دینا چاہتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی انداز ناز کے موقعہ پر محبوب زوجہ کا اسی ہجران اس کے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضاء ہے۔ دیکھئے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا حدود زوجیت سے نکل کر حدود شریعت میں داخل ہوتی دیکھ لیتی ہیں تو ہمتن ادب ہی ادب اور طاعت ہی طاعت بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوسًا بِبَابِهِ لَمْ يُؤْذَنَ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَأَذِنَ لِأَبِي بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لَهُ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهُ نِسَاءُ وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَا قَوْلُنَّ شَيْئًا أَضْحَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَأَلَتْنِي النِّفْقَةَ فَقُمْتُ إِلَيْهَا فَوَجَّارَتْ عَنْقَهَا فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى يَسْتَلْنِي النِّفْقَةَ فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ يَجَأُ عَنْقَهَا وَقَامَ عُمَرُ إِلَى حَفْصَةَ يَجَأُ عَنْقَهَا كِلَاهُمَا يَقُولُ تَسْتَلِينَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ فَقُلْنَ وَاللَّهِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا أَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهُ ثُمَّ اغْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا أَوْ ثَمَانًا وَعِشْرِينَ ثُمَّ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكُمْ حَتَّى بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُمُ اجْرًا عَظِيمًا قَالَ فَبَدَأُ بِعَائِشَةَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ عَلَيْكَ أَمْرًا أَحَبُّ أَنْ لَا تَعْجَلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَوَيْكَ قَالَتْ وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ قَالَتْ أَفِيكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَشِيرُ أَبَوَيَّ بَلْ اخْتَارَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالِدَارَ الْآخِرَةَ وَأَسْأَلُكَ إِلَّا تُخْبِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتَ قَالَ لَا تَسْأَلْنِي امْرَأَةً مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَعْثُبْنِي مُعْتَبًا وَلَا مُتَعْتَبًا وَلَكِنِّي بَعْثَنِي مُعَلِّمًا مُبْسِرًا. (رواه مسلم)

جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لئے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی

تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی تو ان کو بھی اجازت مل گئی انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموں اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے ارد گرد آپ کی بیبیاں ہیں یہ دیکھ کر انہوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آ جائے (یہ سوچ کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگتیں تو میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلہ دبا دیتا، ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آ گئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو یہ میری بیبیاں بھی اسی سوال کے لئے میرے ارد گرد بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس پر فوراً حضرت ابو بکرؓ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہؓ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپ کے پاس نہیں انہوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ یا ۲۹ دن تک اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور قرآن کی آیت قل لا زواجکم سے لے کر المحسنات منکن اجرا عظیمًا تک نازل ہو گئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کے لئے کہا گیا تھا۔ یا وہ خدا اور رسول کو اختیار کر لیں تو دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر لیں اور اس تقدیر پر آخرت میں ان کے لئے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیوۃ دنیا کو اختیار کر لیں تو پھر ان کو رسول سے علیحدگی کرنی پڑے گی)۔ راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتداء سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہ! دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے، آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنادی، یہ بیساختہ بولیں یا رسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی، میں کسی استخارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ سے تو ان میں جو بھی دریافت کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہہ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مسلم)

تشریح:- انبیاء علیہم السلام کی اندرونی زندگی میں بھی تکوینی طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ملتا ہے وہ انسانوں کی طرح دنیا میں آتے ان ہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے، کھاتے اور پیتے، جاگتے اور سوتے، شادی بیاہ کرتے اور اس کے بعد ان کے گھروں میں ایک حد تک وہ معاملات بھی پیش آ جاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں عملی طور پر امت کے لئے وہ مسائل سامنے آ جاتے جن کی امت کو ضرورت تھی اور ان نازک مراحل میں آپ کے ازواج کی وہ نمائندگی استقامت بھی عیاں ہو جاتی جس کی بناء پر قدرت نے ان کو آپ کی زوجیت کے لئے منتخب فرما لیا تھا۔ دیکھئے اسی فضاء میں جب معاملہ یہ آ جاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے تو آپ کی سب ہی بیبیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر سکتے ہیں مگر خدا کے

محبوب رسول سے ایک لمحہ کیلئے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے۔ یہ اس لئے کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری دنیا ہماری نظروں میں ہیچ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے کم سن بی بی ہیں مگر ان کے انداز جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس مسئلہ کو قابل سوچ و بچار ہی نہیں سمجھتیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بناء پر نہیں چاہتیں کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہو سکے۔ اس نازک مرحلہ میں رسول کی بزرگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتہ محبوبیت کے باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکا اور بڑی صفائی سے اس نے یہ کہہ دیا کہ میں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا میں معلم کا منصب لیکر آیا ہوں اس میں کسی سے خیر خواہی کی بات چھپانی خیانت ہے۔ اس حدیث کے مضمون..... سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی گویا تھی کہ آپ کی ازواج کہیں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں، لیکن اس کے باوجود آیت تحریر سنا دینے میں آپ نے کوئی تاخیر نہیں کی۔ طبعی جذبات اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا کمال نہیں۔ کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا أَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ كَانِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا

فِي سَكِّ الْمَدِينَةِ يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لَحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا

عَبَّاسُ أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَوْ رَأَيْتُ جَعْتُهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَأْمُرُنِي قَالَ إِنَّمَا أَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا جاتا تھا ان کا وہ نقشہ گویا اب میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے روتے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، عباس کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی الفت ہے اور بریرہ کو ان سے کتنی نفرت ہے، اس کے بعد آپ نے بریرہ سے کہا کاش تم مغیث کی زوجیت میں رہنا قبول کر لیتیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم ہے؟ (یا صرف سفارش) آپ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں (حکم نہیں دیتا) بریرہ نے عرض کیا تو پھر مجھے ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- بریرہ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابقہ نکاح کے قائم رکھنے نہ رکھنے میں شرعاً اختیار دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہ آزاد ہو گئیں تو ان کو بھی اختیار مل گیا اگر وہ چاہیں تو اپنے دیرینہ شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں اور چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ حضرت بریرہؓ اگرچہ ایک باندی تھیں لیکن زمانہ نبوت کے فیض عام کی وجہ سے کتنی حدود شناس ہو گئی تھیں کہ ان کے دو لفظوں میں ساری کتاب الایمان کی روح کھنچی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ اس امر کو خوب پہچانتی تھیں کہ ایک امتی کے حدود اختیارات کہاں تک باقی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں اس لئے وہ نہایت مؤدبانہ استفسار کرتی ہیں کہ یہ آپ کا حکم ہے یا صرف ایک سفارش کا مرتبہ۔ گویا نبی اگر کسی کی طرف سے سفارش کرے تو امتی کے لئے اس کا تسلیم کر لینا ایسی حتمی چیز نہیں ہو جاتی جس کے بعد پھر اس کے لئے کوئی اختیار اور آزادی رائے کا حق ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس صورت میں اس کے لئے شرعی حدود کا نباہ مشکل ہوگا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی آزادی

رائے کو ملحوظ رکھے لیکن جس جگہ پہنچ کر امتی کے تمام اختیارات مسلوب ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے آزادی رائے کا کوئی حق نہیں رہتا وہ صاحب شریعت کا حکم ہے۔ رسول کے امر و نہی کے بعد اطاعت کرنے کے سوا اب کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔ مذہب پر نکتہ چینی کر نیوالے اس نکتہ کو پورے غور سے ملاحظہ کریں کہ مذاہب عالم کی صفوف میں اسلام نے انسانوں میں ایک باندی کی رائے کا بھی کس حد تک احترام کیا ہے یعنی پرائیویٹ معاملات میں اس نے ایک ایسی حد قائم کر دی ہے یہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا حق نہیں ہوتا اور اس کو بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا صرف اظہار کر دے جو مذہب اپنے تسلیم کر نیوالوں پر جبر کرنا پسند نہیں کرتا سو چو کہ وہ خود مذاہب کے اختیار کرنے پر کب جبر کرنا گوارا کر سکتا ہے۔ اس قسم کے واقعات سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بدیہی اور غیر اختیاری سبق ملتا ہے کہ اتنی باختیار ہستی ہو کر وہ کسی انسان پر کوئی دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے اور اگر ایک باندی اپنی جائز آزادی کے ماتحت آپ کی سفارش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کرتی ہے تو اس کا بھی کوئی برا نہیں مانتے۔ کیا ہے کوئی انسان جو اتنے اختیارات کا مالک ہو کر روزمرہ کے معاملات میں اتنی آزادی اور اتنی رواداری کو جائز رکھ سکے جب اس کے کسی شرعی حکم کا خلاف کیا جائے تو اسے برداشت نہ کر سکے اور بیک وقت جب ذاتی معاملات میں اس کی سفارش پر عملدرآمد نہ ہو تو ذرا چپیں بہ جبیں نہ ہو کیا ایسے انسان کی ایک ایک حرکت صرف رضاء الہی کے لئے نہ ہوگی۔

ایمان حقیقت میں قلبی اعتقاد کا نام ہے

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنَ وَضُوءُهُنَّ وَصَلَاهُنَّ لِيُوفِّيَهُنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعُهُنَّ وَخَشُوعُهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدًا أَنْ يُغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدًا إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ. (رواه احمد)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع و خشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (احمد)

تشریح:- یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جز نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء (یعنی فرقہ مرجعہ کا عقیدہ ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں بلکہ انسان مجبور محض ہے) اور دوسری طرف اعتزال (یعنی فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے) ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گزر چکا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغَيِّرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْتَمِعُ الْأَذَانَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِلَّا أَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَتْ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ رَاعِي مَعْزَى. (رواه مسلم)

انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آ جاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے، جب اس نے یہ کہا اشہدان لا الہ الا اللہ تو فرمایا جاتے آتش دوزخ سے نجات مل گئی صحابہ نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

تشریح:- حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتیں سن کر جنت کی بشارت دیدی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دی جاتی۔

عَنْ أَبِي حُجَيْفَةَ قَالَ إِنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَسَمِعَ مُؤَذِّنًا يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ الْأَنْدَادَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ خَرَجَ مِنَ النَّارِ الْحَدِيثُ. (رواه البزار وقال الهيثمي رجاله ثقات)

ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک مؤذن کو آپ نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اشہدان لا الہ الا اللہ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اشہدان محمد رسول اللہ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔ (مسند بزار)

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي. (رواه الحاكم في المستدرک وهو مروي غير مسلم وغيره)

جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر اسی کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لئے ہوگی جنہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہوں۔ (حاکم)

تشریح:- اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مومن نہ ہوتا اور نہ اس کے لئے شفاعت ہو سکتی۔

عَنِ الْحَسَنِ لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ إِذْ ذَاكَ وَنَحْنُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِي الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِي الصَّلَاةُ فَتَقُولُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّلَاةُ فَيَقُولُ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ فَتَجِي الصَّدَقَةُ فَتَقُولُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُولُ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِي الصِّيَامُ فَيَقُولُ أَيُّ رَبِّ أَنَا الصِّيَامُ فَيَقُولُ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِي الْأَعْمَالُ عَلَى ذَلِكَ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِي الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ اخذوك بَكَ أُعْطِيَ فَقَالَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ (وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) (لفرد به احمد)

حسنِ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی، نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں، ارشاد ہوگا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں روزہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام ”السلام“ ہے اور میرا نام اسلام، ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے، آج گرفت اور انعام دونوں کا دار و مدار تیری ہی ذات پر ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) (احمد)

تشریح:- اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جدا گانہ مذکور ہے حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہوتا ہم وہ اس کے اجزاء نہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین و فقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مومن عاصی سب کے نزدیک آخر کار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ لَقَدْ عَشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرِنَا وَإِنْ أَحَدُنَا يُؤْتِي الْإِيمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ وَيَنْزِلُ السُّورَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ فِيهَا كَمَا تَعْلَمُونَ أَنْتُمْ الْقُرْآنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يُؤْتِي أَحَدَهُمُ الْقُرْآنَ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهِ إِلَى خَاتِمَتِهِ مَا يُدْرِي مَا أَمْرُهُ وَلَا زَاجِرُهُ وَلَا مَا يَنْبَغِي أَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ مِنْهُ يَنْشُرُهُ نَشْرَ الدُّقْلِ. (رواه الحاكم)

قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جبکہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال و حرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب و احترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنہیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر و نہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لا پرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لا پرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَلَا أَجِدُ قَلْبِي يَعْقِلُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

قَلْبَكَ حُشِيَ الْإِيمَانُ وَإِنَّ الْإِيمَانَ يُعْطَى الْعَبْدَ قَبْلَ الْقُرْآنِ. (رواہ احمد وفی اسنادہ ابن لہیعہ)

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دلجمعی نہیں ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

تشریح:- اس مضمون کو ابن عمرؓ نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آ جاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا۔ جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے سمجھ سمجھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبہ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں۔ جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جز نہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْإِسْلَامُ عِلَاقِيَّةٌ وَالْإِيمَانُ

فِي الْقَلْبِ قَالَ ثُمَّ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ يَقُولُ التَّقْوَى هُنَا. (رواہ احمد)

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

تشریح:- اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمال جوارح ایمان کا جز کیسے ہو سکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤَجَّبَاتُ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ

لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ يُشْرِكُ بِهِ دَخَلَ النَّارَ. (رواہ مسلم)

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا

شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)
تشریح:- بقول امام غزالی انسان اگر چہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لئے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ۔ تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے، اس لئے مومن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے ہی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا۔ اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان و کفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نية المراء خیر من عملہ اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے ص ۱۸۵ پھر اسی کا خلاصہ شیخ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبدالوہاب شمرانی نے ایواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیوة کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہئے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دو گنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جئے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی تصور ہوتا نہیں اسلئے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام و خلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔ (عمدة القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لئے حدود شناسی لازم ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

نور ایمان کے اخروی ثمرات

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلِيَّ قَلْبِهِ وَزُنْ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلِيَّ قَلْبِهِ وَزُنْ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلِيَّ قَلْبِهِ وَزُنْ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. (رواه البخاری)

انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے

دل میں جو برابر بھی نور ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجود خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط۔ اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خُرْدٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرِجُونَ مِنْهَا قُلْدَ إِسْوَدُؤَا فَيُلْقُونَ فِي نَهْرِ الْحَيَاةِ أَوْ الْحَيَاةِ (شَكُّ مَالِكٍ) فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي حِمِيلِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً. (رواه البخاری و مسلم)

ابو سعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سڑگل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد و بدل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:۔ اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجعہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مومن دوزخ میں نہ جاتا لہذا مرجعہ کے خیال کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہو گئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مومن ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہاء درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدا ان اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخر کار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لئے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَآجَ النَّاسِ بَعْضُهُمْ فِي

بَعْضُ قِيَاتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ اِشْفَعْ اِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِابْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ قِيَاتُونَ اِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللَّهِ قِيَاتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ قِيَاتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ قِيَاتُونِي فَاَقُولُ اَنَا لَهَا فَاسْتَاذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَآخِرُهُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَسَلْ تُعْطَاهُ وَاشْفَعْ تُشْفَعُ فَاَقُولُ يَا رَبِّ اُمَّتِي اُمَّتِي فَيَقَالُ اِنْطَلِقْ فَآخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقْ فَاَفْعَلْ ثُمَّ اَعُوذُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ آخِرُهُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَسَلْ تُعْطَاهُ وَاشْفَعْ تُشْفَعُ فَاَقُولُ يَا رَبِّ اُمَّتِي اُمَّتِي فَيَقَالُ اِنْطَلِقْ فَآخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقْ فَاَفْعَلْ ثُمَّ اَعُوذُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ آخِرُهُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَسَلْ تُعْطَاهُ وَاشْفَعْ تُشْفَعُ فَاَقُولُ يَا رَبِّ اُمَّتِي اُمَّتِي فَيَقَالُ اِنْطَلِقْ فَآخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَذْنَى مِثْقَالِ حَبَّةٍ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَآخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَانْطَلِقْ فَاَفْعَلْ ثُمَّ اَعُوذُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ آخِرُهُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَسَلْ تُعْطَاهُ وَاشْفَعْ تُشْفَعُ فَاَقُولُ يَا رَبِّ اِئْذَنْ لِي فَيَمْنُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ لَكَ وَلَكِنْ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَا أَخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فَيَقُولُ اللَّهُ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قُبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيَخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهْرٍ فِي أَقْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيَاةِ فَيَخْرُجُونَ كَمَا تَخْرُجُ الْحَبَّةُ فِي حِمِيلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُونَ كَاللُّوْلُو فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ هَؤُلَاءِ عِتَقَاءُ الرَّحْمَنِ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوا وَلَا خَيْرَ قَلَمُوهُ فَيَقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلَهُ مَعَهُ. (متفق عليه) وفي حديث انس عند البخاري قَالَ لَيَصِيْنَنَّ أَقْوَامًا سَفَعُ مِنَ النَّارِ بِذُنُوبٍ أَصَابُوهَا عَقُوبَةٌ ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ فَيَقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّونَ.

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرمادیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں

گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا (بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو، میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھا لو (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، میں عرض کروں گا خدا یا میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر ان کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھا لو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدا یا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کمتر نور ایمان ہو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھا لو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا۔ اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت و جلال، کبریاء، اور بزرگی کی قسم۔ جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا۔ اور ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے، خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے، لہذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے، جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں (غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے۔ اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمکدار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہوں گی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی، ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

تشریح:- انس کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کوئی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحابِ فترۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لئے ایمان بالرسالت کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لئے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کے توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیانِ سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی بعثت کا دور نہ ہونے یا اس کی دورِ بعثت سے لاعلمی کی بناء پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دورِ بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابلِ معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کئے جاسکتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالت گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیرِ غور آسکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آسکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر گرد و پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیۃ کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جبکہ بساطِ عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاستِ شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پاسکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لیکر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے مابین کیسے کیسے خوشنما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر ادیانِ سماویہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہئے کہ نجات کے لئے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادتِ رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لئے ان کی نجات کا مشترکہ نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔ رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ رحمن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی۔ جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی سفارش کی۔ قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون۔ ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ

سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لئے رسولوں کی سفارش کر لینے کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہو گئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہئے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کیلئے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضی پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ

بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُسَمُّونَ الْجَهَنَّمِيِّينَ. (رواه البخاری)

عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کئے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

ایمان کے ساتھ فرائض کی بجا آوری پر کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقِلٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ

الْمَكْتُوبَةَ وَحَرَمْتُ الْحَرَامَ وَأَحَلَلْتُ الْحَلَالَ أَذْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. (رواه مسلم)

جابر بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے؟ جب میں فرض نمازیں ادا کروں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ

عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ وَفِي حَدِيثِ اسَامَةَ غَيْرِكَ قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمَّ. (رواه مسلم)

سفیان بن عبد اللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرمادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا آمنا باللہ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

تشریح:- استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ”استقيموا ولن تحصوا“ دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا الخ جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ سفیانؒ کی یہ حدیث جابرؓ کی اوپر والی حدیث سے زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصاً من قلبہ کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یتغی بذلك وجہ اللہ کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا حاصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکان اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آ جاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجہ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کر دے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائے گی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں

عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي مَسِيرٍ إِنَّا مُذْلِبُونَ اللَّيْلَةَ فَلَا يَرْجَلُنَّ مَعَنَا مُضْعَفٌ وَلَا مُضْعَبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ صَعْبَةٍ فَسَقَطَ فَأَنذَقْتُ عَنْقَهُ فَمَاتَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْفَنَ ثُمَّ أَمَرَ بِلَا لَا فَنَادَى أَنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواه الحاكم)

ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے اندھیرے روانہ ہو جائیں گے لہذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو، اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ آپ نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلالؓ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لئے حلال نہیں ہے۔ انہوں نے حسب الحکم یہ اعلان کر دیا۔ (حاکم)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كَرْكُرَةٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَلَهُبُوا يَنْظُرُونَ فَوَجَدُوا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (رواه البخاری)

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لئے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام کرکرہ تھا اس کا انتقال ہو گیا آپ نے یہ سن کر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مال غنیمت کا) ایک عبا ملا جو اس نے خیانت کر کے چھ لیا تھا۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوَلَّى يَوْمَ خَيْبَرَ فَلَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبَكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وَجُوهُ النَّاسِ لِذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غُلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَفَتَقْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُودَ لَا يُسَاوِي دِرْهَمَيْنِ. (رواه مالك وأبو داود والنسائي)

یزید بن خالد سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا (نماز جنازہ کے لئے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے کنارہ کشی دیکھ کر) لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے، آپ نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے اس کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے متکوں میں کا ایک منکلا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

تشریح:- آخر تو حید و رسالت کے ان معترضین سے بھی دو دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بناء پر کہ انہوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدائے تعالیٰ کی رحمت کا فیاض ہاتھ تو کون پکڑ سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دائرہ میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہو سکتی ہے مرجعہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لا کر جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اب خدائی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں اس کو شرعی اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہو گا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کر کے اپنے اقرار و فاداری کا امتحان بھی دینا ہو گا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما ياتكم مثل الذين خلوا من قبلكم.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَهْدَى رَجُلٌ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَهُمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِئْنَا لَهُ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشُّمْلَةَ الَّتِي أَخْلَعَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلْ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكِ أَوْشَرَ أَكْبَنَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرْكَانٍ مِنْ نَارٍ. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ یہ مدعم اونٹ سے آپ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم سمت سے ایک تیرا کر لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لوگ بولے لو اس کے لئے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اونٹنی سی چادر جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ کی خدمت میں چڑے کے ایک یا دو تسمے لیکر آیا آپ نے فرمایا یہ ایک یا دو تسمے درحقیقت آگ کے تسمے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح:- یہ غلام رفاعہ بن زید نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متصل ہی آپ کو یہ غزوہ پیش آ گیا اور اسی میں یہ بھی شہید ہو گیا (بخاری شریف ص ۹۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی فیض صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا تھا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا فَلَانٌ شَهِيدٌ وَفُلَانٌ شَهِيدٌ حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ فَقَالُوا فَلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ. فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْعْبَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ إِلَّا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا. (رواه مسلم)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آ کر کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے، اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عباء (راوی کو شک ہے) چر لیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے ابن الخطابؓ جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کرو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمرؓ مارتے ہیں میں نے باہر آ کر اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ لَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَسْلِمُكَ عَلَى أَهْلِكَ فَمَنْ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْإِسْلَامِ يَدْعُهُ وَمَنْ تَرَكَهُنَّ كُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (رواه الحاكم في المستدرک ص ۲۱)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ، باضابطہ نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو، بھلی بات بتایا کرو، بری بات سے روکا کرو (گھر میں آ کر) گھر والوں کو سلام کیا کرو جو شخص ان باتوں میں کوئی بات نہیں کرتا وہ اسلام کا ایک جزء ناقص کرتا ہے اور جو ان سب ہی کو چھوڑ دے، اس نے تو اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔ (حاکم)

تشریح:- یہ حدیث محدثین کے مذاق کے موافق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ جزمیہ کا تعلق ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیثوں میں اصل مسئلہ مختلف نہیں ہونا چاہئے اس لئے بعضوں نے تو اسلام کے دو اطلاق مان لئے ہیں ایک صرف شہادتین پر دوم مجموعہ دین پر۔ اور کسی نے اس کو اعمال کی اہمیت بتانے کا صرف ایک اسلوب بیان قرار دیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِلَّا شَقِيٌّ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ الشَّقِيُّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلَّهِ بِطَاعَةٍ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهُ بِمَعْصِيَةٍ. (رواه ابن ماجہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کوئی نہ جائیگا مگر بد بخت، دریافت کیا یا رسول اللہ بد بخت کون ہوگا فرمایا جو اللہ کے واسطے کوئی نیک کام نہ کرے اور اس کے ڈر سے کوئی گناہ نہ چھوڑے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- یہ تمام تعبیرات کسی بات پر زور دینے کیلئے فقط ایک اسلوب بیان ہوتی ہیں گویا جو شخص ظلم کی مدد کیلئے اپنے گھر سے باہر قدم نکال رہا ہے وہ یہ سمجھ کر قدم نکالے کہ وہ گویا اب اسلامی احکام کے دائرہ سے قدم نکال رہا ہے۔

عَنْ أَوْسِ بْنِ شَرْحَبِيلَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيه وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے جو شخص جان بوجھ کر کسی ظالم کے ساتھ اس کے ظلم کا ساتھ دینے کے لئے گیا وہ اسلام کی سرحد سے باہر ہو گیا۔ (شعب الایمان)

عَنْ بِهِزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسْلَ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غصہ ایمان کی حلاوت اس طرح برباد کر دیتا ہے جیسا ایلاوا شہد کی۔ (شعب الایمان)

تشریح:- بعض اعمال کی زد تو اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اس کی صرف ظاہری زیبائش بد نما ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اسلام کی شیرینی ختم ہو جاتی ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن سے اس کے ذائقہ میں تلخی آ جاتی ہے غصہ ایسی صفت ہے جس سے صرف انسان کا ذائقہ حس برباد نہیں ہوتا بلکہ ذائقہ ایمان بگڑ جاتا ہے عام حالات میں غصہ ایسی ہی خراب چیز ہے لیکن اگر اپنے مولیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہو تو یہ عین ایمان ہے اس سے ایمان کی چاشنی دوئی ہوتی ہے جس کو خلاف شرع امور پر غصہ نہیں آتا اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ اس کا ایمان پہلے سے بے ذائقہ ہے اس میں مدہنت اور مسابہت کا زہر پہلے سے شامل ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَاسْكُثْنَ الْإِسْتِغْفَارَ فَإِنِّي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزَلَةٌ وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتُكْفِرْنَ الْعَشِيرَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِدَيْ لُبٍّ مِنْكُمْ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالِدِينِ قَالَ أَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهَذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَتَمَكُّتُ اللَّيَالِي مَا تُصَلِّي وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَهَذَا نُقْصَانُ الدِّينِ. ولفظ البخارى أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تُصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا. (رواه الخمسة)

ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے (ایک بار) فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گے آپ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانشمند شخص پر غالب آ جانے والا کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے عرض کیا ہمارے عقل و دین کے نقصان کی تشریح فرما دیجئے آپ نے

فرمایا تمہارے عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی برابر سمجھی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گزر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں یہ دین کا نقصان ہوا۔ اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپ نے فرمایا تو پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

تشریح:- حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعہ آئین پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کے لئے لیکر آئے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں اس لئے جو شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اس کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائے گا۔ عورت اپنے فطری عذر کی بناء پر کچھ مدت نماز اور روزہ سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص ہونا چاہئے جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے عورت کے دینی نقصان کی ٹھیک شرح یہ ہے (کتاب الایمان ص ۹۳)

رہا یہ سوال کہ صنف نساء کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہے تو بیشک نا انصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کئے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازوئے پرواز نہیں دیئے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے ناقص بنایا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کر سکے اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک نہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے۔ شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال و نقصان کی اس تقسیم سے اس پر اعتراض مت کرو۔ ولا تتموا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض واسالو اللہ من فضله۔ اللہ سے ان فضیلتوں کی تمناست کرو جن کی بناء پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایت مانگا کرو (جو تمہارے مقدر کا ہے تم کو مل جائیگا)۔

جنت کیلئے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدْعِي الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَأُثْبِتَتْهُ فَبَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ الَّذِي تُحَدِّثُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَكَأَدَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَرْتَابُ فَبَيْنَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى كَنَانَتِهِ فَأَنْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَأَنْتَحَرَ بِهِ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ

اللَّهُ صَدَقَ اللَّهُ حَدِيثَكَ قَدْ انْتَحَرَ فَلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ
قُمْ فَإِنَّ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ فَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (رواه البخاری ص ۹۷۷)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ بھی کرتا تھا آپ نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ یہ سہا دیکھ کر آپ کے صحابہ میں ایک شخص نے (آ کر) کہا یا رسول اللہ فرمائیے جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو (آج) اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں سے اس کا جسم چور چور ہو گیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں شبہ پڑنے لگا۔ ابھی وہ اسی جیسے وہیں میں تھے کہ اس شخص کو زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی (اور وہ اس پر صبر نہ کر سکا) آخر اس نے اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکال کر اپنے سینے کے پار کر دیا یہ دیکھ کر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ پڑے اور بولے یا رسول اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیشگوئی سچی کر دی، فلاں شخص نے اپنے سینے میں تیر مار کر خودکشی کر لی آپ نے فرمایا، بلال؟ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:- اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت وحی الہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اسی لئے صاحب نبوت کو یہ تنبیہ کرنی ضروری ہو گئی کہ دنیا اعانت و نصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے۔ قبولیت کا اصلی مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے اگر یہ نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خواہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو مگر وہ بھی نظر رب العزہ میں کچھ نہیں۔ یہاں قدرت کا ایک آئین اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے۔ مگر آج اس کے برعکس دنیا کی نظروں میں فیصلہ عمل پر رہ گیا ہے اور روح ایمانی سے کوئی بحث نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُمَا آتَيَا أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَسَأَلَاهُ عَنِ الْحُرُورِيَّةِ أَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أَدْرِي مَا الْحُرُورِيَّةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَخْرُجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ وَلَمْ يَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ خُلُوقَهُمْ أَوْ حَنَاجِرَهُمْ يَمُرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمُرُوقِ السُّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَنْظُرُ الرَّامِي إِلَى سَهْمِهِ إِلَى نَضْلِهِ إِلَى رِصَافِهِ فَيَتَمَارَى فِي الْفُوقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدِّمِ شَيْءٌ. (رواه البخاری ص ۱۰۲۴)

ابو سلمہ اور عطاء دونوں ابوسعید خدری کے پاس آئے اور حروریہ (خوارج) کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقہ حروریہ کے متعلق کچھ سنا ہے انہوں نے کہا میں تو یہ نہیں جانتا کہ حروریہ کیا فرقہ ہے ہاں میں نے آپ کو یہ فرماتے تو سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے (اور فی ہذہ الامۃ کی بجائے راوی نے منہا کا لفظ نہیں کہا) اس درجہ عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں ہیچ نظر آئیں گی۔

قرآن کی تلاوت بھی کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے تیر انداز اپنے تیر کی لکڑی دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پروں کو دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح: قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مقدس کتاب نہیں اور اس کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی مقدس عمل نہیں مگر دین صرف اتنے ہی حصہ کا نام نہیں اس کے اصول و ارکان کچھ اور بھی ہیں جن کے بعد اعمال کے حسن و قبح سے بحث ہو سکتی ہے۔ فروعی اعمال میں تو ایک کافر بھی مسلمان سے فوقیت لے جاسکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کی بلندی صرف ایک بے بنیاد تعمیر ہی کی مثال ہوگی۔

پل صراط پر لوگوں کی رفتار ان کے اعمال کے مطابق ہوگی

عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتَّى تَزْلِفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُونَ أَدَمَ فَيَقُولُونَ يَا أَبَانَا اسْفُتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ وَهَلْ أَخْرَجَكُم مِّنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيئَةٌ إِيَّيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ إِذْهَبُوا إِلَى ابْنِي إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللَّهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِّنْ وَرَاءَ وَرَاءَ ائْمَنُوا إِلَى مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللَّهُ تَكَلِّمًا فَيَأْتُونَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُولُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ إِذْهَبُوا إِلَى عِيسَى كَلِمَةِ اللَّهِ وَرُوحِهِ فَيَقُولُ عِيسَى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا فَيَقُولُ فَيُؤْذَنُ لَهُ وَتُرْسَلُ الْآمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُومَانِ جَنَّتِي الصِّرَاطِ يَمِينًا وَشِمَالًا فَيَمُرُّ أَوْلَاكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ يَا بِي أَتَيْتُ وَأُمِّي أَيْ شَيْءٍ كَمَرِ الْبَرْقِ قَالَ أَلَمْ تَرَوْا إِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِ الرِّيحِ ثُمَّ كَمَرِ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرَّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ وَنَبِيِّكُمْ قَاتِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتَّى تَعْجِزَ أَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتَّى يَجْئِيَ الرَّجُلُ لَا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ إِلَّا زَحْفًا وَقَالَ وَفِي حَافِي الصِّرَاطِ كَلَا لَيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَّامُورَةٌ تَأْخُذُ مَنْ أُمِرَتْ بِهِ فَمَخْلُوشٌ نَاجٍ وَمُكَرَّدَسٌ فِي النَّارِ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ إِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِينَ خَرِيفًا. (رواه مسلم)

حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور ان کے سامنے جنت قریب کر دی جائے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار چلئے ہم لوگوں کے لئے جنت کا دروازہ کھلوادیتے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں، اپنے والد کی ایک فروگزاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو، جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس خدمت کے قابل کہاں۔ میں تو بس دور دور ہی سے خلیل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے لائق کہاں، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں۔ اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ

شفاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائے گی) کہ ان کو ایک حسی شکل دیدی جائے گی یہ (پل صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی) تاکہ اپنی رعایت کرنے والوں کی سفارش اور نہ رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں (پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گزر جائیگا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، بجلی کی طرح تیز گزرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح پل بھر میں گزر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گزرنا ہوگا) پھر ہوا کی طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر انسانوں کی دوڑ کی طرح غرض کہ جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لیجائیں گے اور تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گزار، ان کو سلامتی سے گزار، یہاں تک کہ اب ضعیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آئیگا حتیٰ کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھروچ آئے گی وہ تو نجات پا جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائے گا۔ (ابو ہریرہ ہضم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔ اعمال کو ایمان کا جزء نہ ہوں مگر مرجعہ کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال میں شدت و ضعف پر ہی منحصر ہے۔

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَذْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ لَا يَذْرِي مَا صِيَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسُكٌ وَيُسْرَى عَلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ وَيَبْقَى طَوَائِفٌ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْعَجُوزُ الْكَبِيرَةُ يَقُولُونَ أَذْرَكْنَا آبَاءَنَا عَلَى هَذِهِ الْكَلِمَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَتَحْنُ نَقُولُهَا فَقَالَ صَلِّ مَا تُغْنِي عَنْهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَذْرُونَ مَا صِيَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسُكٌ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ فَرَدَّدَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يَعْرِضُ عَنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ يَا صَلِّ تَنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ تَنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ. (رواه الحاكم)

حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نور اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز۔ ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ متفرق طور پر کچھ بوڑھے مرد اور کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الہ الا اللہ سنا تھا اس لئے ہم بھی یہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انہیں روزہ، صدقہ، اور افعال حج کا بھی علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انہیں کیا سودمند ہوگا۔ حذیفہ نے اس کا جواب نہ دیا انہوں نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ ہر بار حذیفہ اعراض ہی کرتے رہے ان کے

تیسرے بار اصرار کے بعد فرمایا اے صلہ یہ کلمہ ہی ان کو عذاب دوزخ سے نجات دلا دے گا۔ تین بار فرمایا۔ (حاکم)

تشریح:- وہب بن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے انسان سے یعنی کنجی کے دند انوں سے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ نہ کنجی دند انے گھس جانے کے بعد زیادہ کارآمد رہتی ہے نہ کپڑا پرانا ہونے کے بعد قابل استعمال ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہو جائے ان کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے۔ رسالت کی شہادت ہونے نہ ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں گذرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جہاں منکظم خود ہی کلام کرتا تھا۔ آج ذرا سے حجاب نے بد ذوق ذہنوں میں بلا وجہ یہ سوال پیدا کر دیا ہے۔ اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے بسیط ارض پر خدا کی توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک دن آئیگا کہ وہی اس سے اتنی جاہل ہو جائے گی کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک نشانی بن کر رہ جائے گا۔ ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادہ مغفرت کا حکم سن کر پست طبائع میں اور سہل انگاری پیدا ہو جائے لیکن جب ان کو مجبور کیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انہیں واضح کر دینی پڑی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مدار نجات صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بناء پر اس کو مفتاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ عقیدہ صرف تقلیدی طور پر بھی قائم رہے جب بھی نجات کے لئے کافی ہے اور یہ بھی کہ اعمال ایمان کا جز نہیں اور یہ کہ ایمان کے بغیر اعمال بے قیمت ہیں مگر ایمان اعمال کے بغیر بھی بے قیمت نہیں وہ یوں بھی نصیب ہو جائے تو بھی زہے نصیب۔ مومن بے عمل کی مثال ایک غیر مہذب دوست کی ہے اور نیک عمل غیر مومن کی مثال ایک مہذب دشمن کی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَخْلُقُ فِي

جَوْفِ أَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلُقُ الثَّوْبُ الْخَلِيقَ فَاسْتَلُوا اللَّهَ أَنْ يُجَدِّدَ الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ. (رواه المستدرک)

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان تمہارے سینوں میں اسی طرح پرانا اور کمزور

ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کرو کہ تمہارے دلوں میں ایمان پھر از سر نو نیا اور مستحکم کر دے۔ (متدرک)

تشریح:- امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں حضرت معاذ کا قول نقل کیا ہے قال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعة۔

آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان لائیں۔ حافظ ابن حجر نے ابن عربی سے اس کی شرح یہ نقل کی ہے انما اراد تجديد الايمان

لان العبد يؤمن في اول مرة فرضائهم يكون ابدا مجددا كلما نظر او فكرا۔ حضرت معاذ کا مطلب یہاں

ایمان سے تجدید ایمان ہے کیونکہ بندہ ایمان ایک ہی مرتبہ لاتا ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے ثواب و عذاب آیات

و عبر میں غور کر کر کے اپنے ایمان کی تجدید کیا کرتا ہے (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱) صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اگر کسی کی زبان

سے غلطی سے لات و عزی کی قسم نکل جائے تو اسے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ لینا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی دامن ایمان پر

داغ معصیت یا کسی اور ناشایاں کلمہ کا دھبہ لگ جائے تو اسے اسی طرح چھوڑ نہ دینا چاہئے بلکہ فوراً صاف کر دینا چاہئے

تاکہ اس کے اثرات اور نہ بڑھنے پائیں یا کم از کم اس کے اسلام کی بدنمائی کا باعث نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدُّوْا إِيْمَانَكُمْ قَبْلَ يَارَسُوْلَ اللَّهِ وَكَيْفَ نَجِدُ إِيْمَانَنَا قَالَ اكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (الخروج الحاکم فی کتاب التوبة وقال صحيح

الاسناد قال الذهبي وفيه صدقة وضعفه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ایمانوں کی تجدید کر لیا کرو۔ آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ (حاکم) تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور بالخصوص تکرار کلمہ طیبہ کو تجدید ایمان میں بڑا دخل ہے اب انصاف کیجئے کہ اس ایمان کا حال کیا ہوگا جو ہر لحظہ پرانا تو ہو رہا ہے مگر اس کی تجدید کا سامان کچھ نہیں ہے۔ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تار تار ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ صحیح بخاری میں بھی یہ مضمون صحابہ کی زبان سے موجود ہے۔

گناہ کبیرہ پر نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبَطَ عَمَلُهُ. (رواه البخاری)

بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اسکے عمل اکارت ہوئے۔ (بخاری)

عَنْ حُلَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ الْمُحْصَنَةُ يَهْلِكُ عَمَلُ مِائَةِ سَنَةٍ. (رواه البزازی)

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاکیزہ عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ (ابو بکر)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ

اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا الْخ. (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن

تک..... اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

عَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيقَ

فَبَعَثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِي أَنْ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ. (رواه ابوداؤد)

معاذ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے (جلد بازی میں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کر دی اور آمد و رفت کے لئے راستے بند کر دیئے (جب آپ کو یہ خبر ملی) تو آپ نے ایک منادی بھیج دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِجَزْئِيَّتِهَا فَقَدْ

اسْتَيْقَالَ هِجْرَتَهُ وَمَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (ابوداؤد)

ابودرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی

اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کر دیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کر دی۔ (ابوداؤد)

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَا تَكُ فَحَدَّابِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ السَّائِقِ قَالُوا عَامِرُ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَّا هُمْ أَمْتَعَتْنَا بِهِ فَأَصِيبَ صَبِيحَةَ لَيْلَتِهِ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ فِذَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ إِنْ نَبِيَّ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَأَيُّ قَتْلٍ يَزِيدُهُ عَلَيْهِ. (رواه البخاری)

سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہل خیبر سے جنگ کیلئے نکلے رفقاء میں سے ایک شخص بولا اے عامر ہمیں بھی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ عامر گا گا کر انہیں سنانے لگے اور ان کی مستانہ آواز سے اونٹوں نے بھی تیز تیز قدم اٹھا دیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹوں کو حدی پڑھ کر یہ تیز چلانے والا کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا عامر ہیں آپ نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش عامر کی صحبت سے آپ ہمیں کچھ اور لطف اندوزی کا موقع دیتے۔ اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ اسی شب کی صبح (انہوں نے ایک کافر پر حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ لوٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی اور وہ اپنی ہی شمشیر سے زخمی ہو گئے) اور شہید ہو گئے صحابہ نے (یہ دیکھ کر کہ یہ اپنی ہی شمشیر سے ہلاک ہوئے ہیں اس کو خودکشی سمجھا اور) کہا عامر نے خودکشی کر لی اور ان کی سب نیکیاں اکارت ہو گئیں۔ جب میں واپس ہوا تو وہ یہی گفتگو کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آکر آپ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو گئے آپ نے فرمایا کون کہتا ہے جس نے کہا غلط کہا اس کو دو ہر ا ثواب ملے گا وہ بڑا پکا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کون سا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:- صحابہ کو یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ جنگ کے موقع پر جب کسی شخص کی نسبت آپ ”رحمہ اللہ“ کا کلمہ ارشاد فرما دیتے تو وہ ضرور شہید ہو کر رہتا اس لئے عامر کے متعلق یہ کلمہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لئے انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیتے۔

واضح رہے کہ شرک و کفر تو سب کے نزدیک حقیقۃً حبط عمل کا موجب ہیں لیکن کبار کے حبط عمل کے مفہوم میں ذرا اختلاف سے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے۔ اور کسی نے ظاہری معنی پر ہی محمول کر لیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ صواب ہے وہ سورہ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ

مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کرنے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی کسی عمل کا گناہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا ثواب اس کی تلافی نہیں کر سکتا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس وقت گفتگو صرف اس میں رہے گی کہ اس کو حقیقۃً حبط کہنا بھی چاہئے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تو گناہ کبیرہ سے نیکیوں کا برباد ہو جانا لازم اور ضروری امر ہے اور اہل حق کے نزدیک ضروری اور لازم نہیں ہے درحقیقت یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی بخشش جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ بحث تو عام کبار کے متعلق تھی اب رہے وہ گناہ جو کسی خاص عمل سے متعلق ہیں۔ جیسے صدقہ دے کر اترانا، یا احسان جتنا اور بات مارنا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اس قسم کے گناہ سے خاص اس عمل کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی)

ہمارے نزدیک اعمال مکفرہ (یعنی وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں) میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ کونسا عمل کس گناہ کے لئے کفارہ بنتا ہے اسی طرح کبار محبطہ (یعنی وہ گناہ جو نیکیاں برباد کر دیتے ہیں) میں بھی یہ تفصیل ہونی چاہئے کہ کس گناہ سے کس قسم کے نیک عمل کا ثواب برباد ہوتا ہے۔ نہ تکفیر علی الاطلاق ہے اور نہ حبط عمل علی الاطلاق ہونا چاہئے۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ کلیہ حدیثوں میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے تو صرف اسی ایک نیک عمل کا ثواب حبط ہوتا ہے جس سے وہ گناہ متعلق ہوتا ہے جیسے جہاد میں تصبیق منازل یا صدقہ کے بعد من و اذی (احسان جتنا اور بات مارنا) اور بعض گناہوں سے متعدد اعمال بھی حبط ہو سکتے ہیں پھر کبھی یہ تعلق ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اندرونی جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار شراب نوشی سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہاں شراب نوشی اور نمازوں کے درمیان کوئی اندرونی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر خاص نمازوں ہی پر پڑتا ہے۔ چالیس کے عدد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبط عمل کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں جتنا کہ معتزلہ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مقام پر نماز اور شراب کے مابین جو تناسب ہے اس کا ایضاح منظور نہیں ہے ورنہ اس عمیق ربط کی طرف قرآن کریم کی متعدد آیات میں اشارات ملتے ہیں۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مَغْنَقًا صَالِحًا مَا لَمْ

يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَغَ. (رواہ ابو داؤد)

ابو الدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایماندار آدمی اپنے دین میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جب تک کسی کا خون ناحق اپنے سر نہیں لیتا جو نبی اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح:- قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطے سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیاً پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے اعمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرما لیتی ہے اس کو بھی دفعۃً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرما لیتی ہے یہ ہر دو راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جائے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے

اس لئے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بداطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اونچ پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوش مند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عدا قاتل کے لئے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعید یوں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہاء کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو اور آخر کار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہو جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہئے بعض قسم کے گناہوں سے سوء خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عدا خون ناحق ہے۔ اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے اعلان جنگ کا لفظ آیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ

بِنَفْسِهِ حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ. (رواه الترمذی)

سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی بڑائی کے تصور میں بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام دنیا کے اور متکبرین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور آخر اس کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو دوسرے متکبروں کو ملی۔ (ترمذی)

تشریح:- اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وما یزال الرجل یصدق ویتحرى الصدق حتی یکتب عند الله صدیقاً۔ آدمی راست گوئی کی صفت اختیار کرتے کرتے خدائے تعالیٰ کے یہاں صدیقیوں کی فہرست میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثوں میں خیر و شر کے اسی تدریجی رفتار اور انکے نتائج پر تنبیہ کی گئی ہے۔

عذر کی ایک صورت

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهُ بِأَرْضِ قَلَاةٍ فَأَنْفَلَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَأَيْسَ مِنْهَا فَأَتَى شَجَرَةً فَأَضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ آيسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخَطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأُ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ. (رواه مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ رہے، وہ ابھی

اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعہ وہ اپنی سواری اپنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑے پھر مارے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

تشریح:- خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اس کا برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا حالانکہ اس کے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَلَفَ فَقَالَ فِي خَلْفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَى أَقَامِرُكَ فَلْيَتَصَدَّقْ. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر بلا ارادہ لات اور عزی کا نام آ گیا تو اسے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہئے اور جس نے اپنے دوست سے کہا آؤ جو اٹھیلیں اسے صدقہ دینا چاہئے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح مسرت و غم میں انسان کی زبان قابو میں نہیں رہا کرتی اور کچھ کا کچھ کہہ ڈالتی ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں پر وہ رواں ہو چکی ہے ان میں بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات و عزی کی قسمیں کھانے کا عادی تھے۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے اس قسم کے مواقع پر بے اختیار لغزش ہو جائے۔ دین حنیف نے ان کی اس غلطی پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس کفر نما حرکت کی فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی اور کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیدیا تاکہ اگر اس کی اس سبقت لسانی پر شیطان ایک مرتبہ خوش ہوا ہو تو اس کی زبان سے کلمہ توحید سن کر ہزار بار جل بھی جائے۔

دوسرے فقرہ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ شریعت نے قمار بازی کی بد خصلت ترک کرانے کے لئے نفسیاتی طور پر اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کچھ صدقہ دیدے اس کے نفس کے لئے یہ تعزیر بہت نتیجہ خیز ہوگی۔

لیکن امام خطابی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جتنا مال اس نے قمار بازی کے لئے لگایا تھا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرے۔ قال معناه فليتصدق بقدر ما جعله خطراً في القمار۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُكْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَا ضَرَّ مُذْبَعَثِي اللَّهِ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ أَخْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الدُّجَالُ لَا يَبْطُلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ. (رواه ابو داؤد)

انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں اسلام میں داخل ہیں۔ (۱) جو لا الہ الا اللہ کا

اقرار کر لے اس سے جنگ ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ۔ (۲) جب سے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آ کر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لیکر جہاد ختم نہیں کیا جاسکتا (۳) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا۔ (ابوداؤد)

تشریح:- واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال کی بناء پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں تا وقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بد اعمالی اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں تا وقتیکہ وہ کسی عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کر دے۔ اسلام میں کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت یکساں ہے اس حدیث میں مقصد مومن عاصی کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا ہے نہ کہ کافر صریح کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا۔ حیرت ہے کہ متواترات دین کے منکرین کو اس حدیث سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جبکہ اس حدیث میں لفظ ذنب کی صاف تصریح موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذنب اور معصیت کی بناء پر کسی شخص کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں اختلاف کس کو ہے۔ بحث طلب یہ ہے کہ صریح کفر کے عقائد کے بعد بھی کیا یہ حدیث کسی کو کافر کہنے سے روکتی ہے اگر ایک شخص نماز پڑھ کر قبلہ کا استقبال کر کے ذبیحہ مسلم کھا کے کسی قسم کے عقائد کفریہ سے بھی کافر نہیں ہوتا تو پھر یا تو اس قسم کے عقائد کو عقائد کفریہ کہنا ہی غلط ہو گا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تین افعال کوئی ایسا مضبوط قلعہ ہیں جس کو کفر و شرک کی بمباری بھی مضرت رساں نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت بہت کمزور ہے وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکتی ہے اس میلان میں قدرت نے بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک و کفر کی طرف میلان انسان کی فطرت نہیں یہ خلاف فطرت ہے۔ اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جاسکتا یہ اپنے خالق سے کھلی مخالفت اور اعلان بغاوت ہے اس لئے اس کے بعد اس کا شمار دشمنوں کی صف میں ہونے لگتا ہے یہ کمزوری نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اس اہم حدیث پر صحیح طور پر غور نہیں کیا گیا اس لئے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھاڑ شروع کر دی اور کسی نے متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی۔

حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی گئی تھی کہ جن افعال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے وہ عقائد کفریہ، ضروریات دین کا انکار اور دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگزاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب کہا جاتا ہے۔ فقہ میں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ جنہیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں گویا قبلہ اصول اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس میں متفق ہو گیا اس کا بقیہ اصول میں بھی متفق ہونا ضروری ہے لہذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعیات ہی میں ہوگا۔ صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار دینا صحیح نہیں۔ احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے۔ پس جس طرح احادیث میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے۔ اسی

طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک حدیث و استقبال قبلتنا ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال میں اسلامی زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے۔ کھلے ہوئے کافروں سے نہ اس حدیث کا تعلق ہے نہ اس کا۔ مسلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھا گیا، کیا جن لوگوں نے صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اگرچہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے۔ ہمارے ذبیحہ کھانے سے بھی انہیں کوئی استنکاف نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہر گز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی اور اس بناء پر کی گئی کہ اس وقت جماعت صحابہ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کے کسی اور منکر فرض قطعی کو مرتد شمار نہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کی بناء پر کسی کو کافر نہ کہنا چاہئے اسلامی زبان میں اس کا لقب فاسق ہے کافر نہیں۔ یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر امت اس پر عمل کرتی تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا۔

خودکشی کرنے والا کافر نہیں

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرِوٍ وَالدَّوْسِيَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ لَكَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ وَمَنْعَةٍ قَالَ كَانَ لِلدَّوْسِ حِصْنٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَبَى ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلدَّوْسِ دَخَرَ اللَّهُ لِلْأَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرِوٍ وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَوْا الْمَدِينَةَ فَمَرَضَ فَجَزَعَ فَأَخْلَعَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَا جِمَةً فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ فَرَأَاهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرِوٍ فِي مَنَامِهِ فَرَأَاهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةً وَرَأَاهُ مُعْطِيًا يَدَيْهِ فَقَالَ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرْتُ لِي بِهَجْرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَا لِي أَرَاكَ مُعْطِيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نُصْلَحَ مِنْكَ مَا أَلَسَدْتُ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (رواه مسلم)

جابر سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو والدوسی (اپنے قبیلہ کی طرف ہجرت کرنے کی درخواست لیکر) رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ایک مضبوط قلعہ اور محافظ جماعت کی طرف ہجرت کرنا منظور فرما سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیبی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انصار کیلئے مقدر فرمادی تھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو طفیل بن عمرو اور ان کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی ساتھ ساتھ ہجرت کی۔ اتفاق یہ کہ مدینہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی ان کا رفیق بیمار پڑ گیا اور تکلیف برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنے تیر کا پیکان نکال کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہہ نکلا یہاں تک کہ اس کی وفات ہو گئی۔ طفیل بن عمرو نے انہیں خواب میں دیکھا تو صورت ان کی بہت اچھی تھی مگر

ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے۔ دریافت کیا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی برکت سے مجھے بخش دیا گیا پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہو، اس نے کہا مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تم نے جو خود بگاڑا..... ہم اسے نہیں سنواریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعاء فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرمادے۔ (مسلم)

تشریح:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغفرت میں بھی تجزیہ ہو سکتا ہے یہاں مغفرت نے طفیل کے رفیق کے سارے جسم کو تو گھیر لیا تھا مگر امانت الہیہ میں بیجا دست اندازی کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا یہ شخص کیا ہی خوش نصیب تھا کہ اس کا مقدمہ رحمۃ للعالمین کے سامنے آ گیا اور آپ کے مبارک ہاتھ اس کی سفارش کیلئے اٹھ گئے پھر کیا تھا رحمت نے اس کی رگ رگ کو گھیر لیا۔

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ آتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِي تَرْعَى غَنَمًا لِي فَبَجْنْتُهَا وَقَدْ فَقَدْتُ شَاةَ مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذِّئْبُ فَأَسْفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَى رَقَبَةٍ أَفْأَعَيْتُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَنَ اللَّهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَيْتُهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٌ إِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

معاویہ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑیے نے پھاڑ کھائی۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لئے) ایک غلام آزاد کرنا بھی ہے۔ کہتے تو اسی باندی کو (اس کے عوض میں) آزاد کر دوں آپ نے اس باندی سے پوچھا بتا اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں، آپ نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول، فرمایا اچھا اسے آزاد کر دو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مومنہ ہے۔ (موطائک)

تشریح:- ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موٹا کٹیاں قطعاً غیر ضروری ہیں مثلاً یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت موزوں ہے، اگر اس کو فلسفی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے۔ یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلف بنایا نہیں جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے جو تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہو، اس لئے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگرچہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ ٹھیک تشبیہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظی تشبیہ اسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو یا کم از کم نفی و اثبات اس سے کوئی بحث نہ ہو۔ لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہو جائے تو اب یہ حدود ایمان نہیں رہیں۔ مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہو سکتا ہے جب

تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود رہے کہ اس نسبت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم پہلے بھی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں بتائی کہ ایک مادی انسان کے لئے اس کی ذات و صفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دیدی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی جاویدیت اس کو مقتضی ہو سکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی لیس کمثلہ شیء وهو السميع البصير۔ اس آیت میں یہی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ و مبرا ضرور ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع و بصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع و بصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لئے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکانی کی طرح نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں ہمیں صرف اجمالی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہو سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آئے لگتی ہے۔ سوچو کہ اگر اس کے لئے صفت سمیع و بصیر ثابت کرنا چاہیں تو اگر اسے سمیع و بصیر نہ کہیں تو اور کیا کہیں اس لئے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کر لی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلود نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا نازک موقعہ ہے جہاں اسلام و کفر کی سرحدیں بہت ہی نزدیک ہو جاتی ہیں نصاریٰ نے خدا کے رسول کے لئے اپنے زعم میں صرف ایک پر عظمت کلمہ سمجھ کر ان کو ابن اللہ کہہ دیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمہ تشبیہ کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے اسی لئے فرمایا اَنْیَ یَکُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَکُنْ لَهُ صَاحِبَةً۔ بھلا خدا کے بیٹا کہاں سے ہو سکتا ہے جب کہ اس کے لئے بی بی نہیں۔

پس نہ ہر تشبیہ قابل اغماض ہے اور نہ ہر شخص قابل معافی ہے اسی لئے علماء اللہ تعالیٰ پر معشوق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو ارباب سکر نے اپنے عالم بخودی میں بڑے ذوق کے ساتھ استعمال کر لیا ہے۔ ان احوال و مواجید سے خالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ جَاءَ بِأَمَةٍ سَوْدَاءَ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَإِنْ كُنْتُ تَرَى هَذِهِ مُؤْمِنَةً أَعْتِقْهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْهَدِينَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتُؤْمِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَعْتِقْهَا. (رواه احمد)

عبید اللہ بن عبد اللہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک سیاہ باندی لیکر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مومنہ ہو تو میں اسے ہی آزاد کر دوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر سکتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح:- حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث پر حجتہ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر میں ومنها ان الشارع لم يخاطبهم الا على ميزان العقل المودع في اصل خلقتهم قبل ان يتعاونوا دقائق الحكمة والكلام والاصول والابتدأ لنفسه جهة فقال الرحمن على العرش استوى. وقال النبي صلى الله عليه وسلم لامرأة

سوداء ابن اللہ فاشارت الی السماء فقال هی مؤمنة (ج ۱ ص ۸۹) اصول تیسیر میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقائق فلسفہ و علم کلام پڑھنے سے پہلے قدرۃ صلاحیت موجود ہو مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے۔ ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کر لیا ہے اسی لئے قرآن و حدیث میں بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الرحمن علی العرش استوی۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا آپ نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔ دوسری جگہ باب طبقات الامت باعتبار الخروج الی الکمال المطلوب اوضده میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقوم نقصت عقولهم کاکثر الصبیان والمعتوہین والفلاحین والارقاء وکثیر یزعمهم الناس انهم لا یاس بہم واذنا نقح حالهم عن الرسوم بقوال اعقل لهم فاولئک ینکفی من ایمانهم بمثل ما ینکفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الجاریۃ السوداء سألہا ابن اللہ فاشارت الی السماء (ہم اصحاب الاعراف) انما یراد منهم ان یتشبهوا بالمسلمین لئلا تتفرق الکلمۃ (ج ۱ ص ۹۲ حجتہ ۲) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلیں قدرۃ ناقص ہوتی ہیں جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا مجمل سا ایمان کافی سمجھ لیا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمالیا تھا جس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان ہر دو تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دو صورتوں میں معتبر ہوتا ہے۔ کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے اور کہیں مکلفین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے مثلاً جہت علو کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ دقائق فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لئے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لئے اس جہت کا اجمالاً انتساب جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں جا بجا اسی نسبت کو استعمال کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے تاکہ موجب تفریق و تشنہ نہ ہو۔ مثلاً یہی ناخواندہ باندی اگر اسے تشبیہ و تنزیہ کے مابین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر ہوتی اس لئے آپ نے اس کا اتنا اجمالی سا ایمان ہی کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو پوری عقل و فہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا ہے وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے لئے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہو سکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے۔ (والعیاذ

باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی پس جس طرح اجمالی ایمان میں مسئلہ کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے اسی طرح ایک بے عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے۔ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ہر دو صورتوں کی مثال بن سکتا ہے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الشَّرِيدِ (بن سوید) أَنَّ أُمَّهُ أَوْصَتْ أَنْ يُعْتَقَ عَنْهَا رَقَبَةٌ مُؤْمِنَةٌ فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ عِنْدِي جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ نُوبِيَّةٌ فَأَعْتَقْتُهَا فَقَالَ إِنَّتِ بِهَا فَدَعَوْتُهَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَهَا مَنْ رَبُّكَ قَالَتْ اللَّهُ قَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْتَقْتُهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ. رواه أحمد قال الهيثمي ورواه البزار والطبرانی في الأوسط إلا أنه قال لها من ربك فإشارت برأسها إلى السماء فقالت الله. ورواه أبو داود والنسائي أيضا.

ابو سلمہ شریذ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب سے ایک مومن بردہ آزاد کر دیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبہ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کر دوں، آپ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آزاد دی وہ آگئی۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ وہ بولی اللہ۔ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں وہ بولی اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا جاؤ آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔ (مسند احمد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةً رَحْمَةٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْئَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کر دیئے تھے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لئے رکھ دیا تھا اس لئے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ رہیں اور اگر مومن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ رہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی ہی تصور ہو سکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی طاقتوں کا اس کو علم ہو جائے تو اس کی کمزور و ناتواں فطرت کا توازن بگڑ جائے وہ رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے۔ اس کے عمل کی کشتی اسی وقت تک چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجاء کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ، نعمت کے ساتھ قہمت اور عذاب کے ساتھ ثواب کا ذکر کیا ہے۔ نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی هو العذاب الالیم۔ دیکھئے دونوں تعبیروں میں کتنا زور ہے پھر ان میں کتنا توازن ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَقْرَأْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّي وَاشْتَدَّ قَلْبِي وَغَلِظَ لِسَانِي قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ

ذَوَاتِ حَمٍّ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ قَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْرَأْنِي سُورَةَ جَامِعَةٍ فَأَقْرَأَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زُلْزِلَتْ حَتَّى فَرَّغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيدُ عَلَيْهِ أَبَدًا ثُمَّ أَذْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الرَّؤُوبُ جُلُّ مَوْتَيْنِ. (رواه احمد و ابو داؤد)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیجئے آپ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف۔ لام۔ راء ہے۔ اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہو چکی ہے اور میرا قلب و زبان سخت پڑ چکے ہیں آپ نے فرمایا اچھا تو جن تین سورتوں کے شروع میں حم ہے ان کو پڑھ لیا کرو، اس پر اس نے پھر وہی پہلا عذر کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تو کوئی جامع اور مختصر سی سورت بتا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس کو سورۃ اذ از لزلت پڑھا دی یہاں تک کہ آپ اسے پوری پڑھا کر فارغ ہو گئے اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دیکر بھیجا ہے میں کبھی اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کروں گا یہ کہہ کر پشت پھیر کر چل دیا آپ نے دوبارہ فرمایا یہ بیوقوف بیچارہ کامیاب ہو گیا۔ (احمد۔ ابو داؤد)

تشریح:- ضمام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلے تھے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمانبرداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل بھی نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادات کے بارے میں اپنی امی امت کے لئے اجمالی ایمان کافی سمجھا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی دین کا بوجھ نہیں ڈالا ایک غیر تعلیم یافتہ باندی کا تو حید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرمانا اسی طرح ایک نو مسلم کو صرف فرائض دین پر عمل پیرا ہو جانے سے فلاح کی بشارت سنادی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورت پر فوز و فلاح کی خوشخبری دیدی الروتجل کی تصغیر میں اس کی اسی معذوری کی طرف اشارہ تھا گویا غیر معذور شخص کے لئے تو اتنی سہولت پسندی نامناسب ہے مگر وہ معذور جس کی حقیقت ایک ناقص انسان رہ گئی ہو قابل اغماض ہو سکتا ہے اس کا نام دین حنیف ہے اس کی بنیاد تمام تر سہولت پر ہے یہاں معذور سے معذور شخص کے لئے بھی جنت میں جانے کا راستہ نکل آتا ہے مقصود ایزدی جہد و مشقت نہیں اظہار عبدیت ہے۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ فَأَنَاخَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ أَتَى رَاحِلَتَهُ فَأَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِكْ فِي رَحْمَتِنَا أَحَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَقُولُونَ هُوَ أَضَلُّ أَمْ بَعِيرُهُ أَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَى مَا قَالَ قَالُوا بَلَى. (رواه ابو داؤد)

جندب بیان کرتے ہیں کہ ایک دھقانی آدمی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اس کا زانو باندھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب سلام پھیر کر فارغ ہو گیا تو اپنی اونٹنی کے پاس آیا اس کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہو گیا اور بلند آواز سے کہا اے اللہ مجھ پر رحم فرما دے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہم دو کے سواء اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں اور اس کے اونٹ میں زیادہ تاہم

کس کو کہو گے تم نے بھلا سنا اس نے کیا کلمہ کہا ہے صحابہ نے عرض کیا جی ہاں سنا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس روایت میں آپ نے اس کے اس شدید کلمہ کا عذر اس کی کم فہمی اور بے عقلی قرار دی ہے۔ یہی کلمہ اگر کسی اور تربیت یافتہ صحابی کے منہ سے نکلتا تو شاید قابل سرزنش ہو جاتا لیکن آپ کو ہر شخص کی مقدار صحبت اور علم و فہم کی رعایت بھی رہتی تھی۔ اس لئے اگر کسی ناواقف کے منہ سے محبت و عظمت کے انداز میں کوئی نامناسب کلمہ نکل گیا ہے تو گوٹو کے بغیر تو آپ نے اس کو بھی نہیں چھوڑا مگر اس انداز کی سخت گیری بھی نہیں فرمائی۔ کسی اونچے علم و فہم کے شخص سے کی جاتی۔ اور اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک اجمالی تصور قابل اغماض سمجھ لیا ہے۔

کب اجمالاً ایمان لانا کافی ہے؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا. (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات و صفات کے جن مسائل میں بھی حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ آئندہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہئے۔

جب علم تو حید و عقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آ جائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اسی پر ہمارا اعتقاد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا۔ جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق و تفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں علم تو حید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک و شبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لئے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے یعنی ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لئے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لئے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ إِلَى قَوْلِهِ وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولَئِذَا الْأَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَى اللَّهُ (عَزَّ وَجَلَّ) فَأُخَذُوا بِهِمْ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ہو الٰہی الخ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دو قسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہئے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو اس سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زانغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ إِنَّ أَنَسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمْ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمْنًا وَقَرَّبَنَا وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سِرِّيَرِهِ شَيْءٌ. اللَّهُ مُحَاسِبُهُ فِي سِرِّيَرِهِ وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنَهُ وَلَمْ نَصْدَقْهُ وَإِنْ قَالَ أَنْ سِرِّيَرُهُ حَسَنَةٌ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اب وحی تو منقطع ہو گئی اس لئے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کریں گے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے افعال کرے گا اس کو تو امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خدا تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ عِثْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُبِعَتْ الْمَدِينَةُ فَلَقِيتُ عِثْبَانَ فَقُلْتُ حَدِّثْ بَلْغَنِي عَنْكَ قَالَ أَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيْءِ فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي تُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي فَاتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ فَاتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ شَاءٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ أَسْنَدُوا عَظَمَ ذَلِكَ وَكُتِبَ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُخْشِمٍ قَالَ وَدُّوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ وَوَدُّوا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

ذَلِكَ وَمَا هُوَ فِي قَلْبِهِ قَالَ لَا يَشْهَدُ أَحَدٌ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ أَوْ تَطْعُمُهُ قَالَ

أَنَسَ فَأَعَجَبَنِي هَذَا الْحَدِيثُ فَقُلْتُ لِأَبْنِي أَلَكْتُبُهُ فَكُتِبَ. (رواه مسلم والبخاری مع تغایر)

انس روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتبہ بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انہوں نے فرمایا (جی ہاں سنئے) میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آ کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپ کے ہمراہ آ گئے۔ آپ میرے گھر میں نماز ادا فرمانے لگے اور ادھر صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن خثم کو قرار دیا وہ چاہتے یہ تھے کہ آپ اس کے حق میں بددعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اس کا رسول ہوں انہوں نے عرض کیا یہ گواہی تو دیتا ہے لیکن دل سے نہیں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اس بات کی گواہی بھی دے، پھر دوزخ میں بھی داخل ہو سکے یا یہ فرمایا کہ آتش دوزخ اس کو جلا سکے انس کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے قلمبند کر لو اس نے قلمبند کر لی۔ (مسلم)

عَنْ ابْنِ عَائِدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّهُ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَأَاهُ أَحَدٌ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَتَّى الثَّرَابَ وَقَالَ أَصْحَابُكَ يَظُنُّونَ أَنَّكَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَا عُمَرُ إِنَّكَ لَا تُسْأَلُ عَنْ أَعْمَالِ النَّاسِ وَلَكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ابن عائذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کیلئے باہر تشریف لائے جب جنازہ نیچے رکھ دیا گیا تو حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فاسق و فاجر آدمی ہے آپ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں آپ نے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا تم میں کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے ایک شب خدا کی راہ میں پہرہ داری کی ہے۔ (یہ سن کر) آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے خود اس کو مٹی بھی دی اور فرمایا تیرے ساتھی تو تیرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہوگا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے پھر فرمایا عمر! قیامت میں لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔ (شعب الإيمان)

تشریح:- اگر رحمۃ للعالمین امت کے اس عاصی پر نماز ادا نہ فرما دیتے تو امت محمدیہ کے سارے عاصی اس سعادت عظمیٰ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتے اس لئے آپ نے سمجھایا کہ کسی کی عملی کوتاہی کی بناء پر نماز جیسی سعادت سے اس کو محروم کر دینا

میری شریعت کا آئین نہیں۔ کلمہ اسلام پڑھ لینے کے بعد کسی معمولی فسق و فجور سے اسلام کا عہد و فاداری نہیں ٹوٹتا۔ پس جب تک یہ عہد قائم ہے اپنے بھائی کے لئے دعاء مغفرت کرنا ہم پر اس کا ایک آخری حق ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي فَقَالَ حَبِيبُ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أُؤْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقُّ بُطُونَهُمْ. (متفق عليه وهو في البخاري مفصلاً ايضاً).

ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا (دیکھو) کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو، خالد بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کر کے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک ایک شخص اسلامی احکام بجالا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لئے آپ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آ سکتا ہے اور اگر خدا نہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلاشبہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ رواداری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو دماغوں میں لاقانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے۔ وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیاد باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیاد باطن کی روح پیدا کر کے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنادینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

شرط فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے

عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَلَمَ عَلَى أَنْ لَا يُصَلِّيَ إِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ مِنْهُ. (رواه احمد وسنده جيد و جهالة الصحابي لا تضر)

نصر بن عاصم لیسٹی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو نمازیں پڑھا کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ شرط بھی قبول کر لی۔ (مسند احمد)

عَنْ فَضَالَةَ اللَّيْثِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي أُرِيدُ الْإِسْلَامَ فَعَلِمْنِي شَرَائِعَ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ فَذَكَرَ الصَّلَاةَ وَشَهْرَ رَمَضَانَ وَمَوَاقِيتَ الصَّلَاةِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تَذَكُرُ سَاعَاتٍ أَنَا فِيْهِنَّ مَشْغُورٌ وَلَكِنْ عَلِمْنِي جُمَاعًا مِنَ الْكَلَامِ قَالَ إِنْ شُغِلْتُ فَلَا تَشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَيْنِ قُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ وَلَمْ تَكُنْ لُغَةً قَوْمِي قَالَ الْفَجْرُ وَالْعَصْرُ. (رواه الحاكم في المستدرک)

فضالہ لشی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے کچھ احکام اسلام سکھائیے۔ آپ نے ان کو رمضان کے روزے اور نماز کے اوقات تعلیم کر دیئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو مجھے ایسے اوقات بتا رہے ہیں جن میں مجھے بڑی مصروفیت رہتی ہے مجھے تو کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ فرمایا اچھا تو کم از کم عصرین میں غفلت نہ کرنا۔ عصرین ہمارے قبیلہ کا محاورہ نہ تھا اس لئے میں نے پوچھا یا رسول اللہ عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ (مسدک)

تشریح:- بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ نصر بن عاصم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نمازوں کی مطلقاً معافی دیدی تھی لیکن حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ کے نزدیک نمازوں کے معاملہ میں کبھی کسی کا کوئی استثناء گوارا نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ صبح و عصر کی نمازوں کا اہتمام بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم نے بھی ان دو نمازوں کا کئی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی خاص طور پر ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس طرح ان آیات و احادیث میں دو نمازوں کی تخصیص سے بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح نصر بن عاصم کی حدیث میں بھی بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کرنا چاہئے۔ فضالہ کی ان دو مفصل روایتوں سے حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ کی رائے کی صریح تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک جو صحابی نصر بن عاصم کی حدیث میں مبہم رہ گئے ہیں وہ یہی فضالہ ہیں اور اس بناء پر ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فضالہ ہی کا ایک واقعہ ہوگا۔ ان کی روایتوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ آپ نے ان کو بھی پہلے پانچ ہی نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان اوقات میں اپنی مصروفیت کا عذر کیا تو آپ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان کو زیادہ مقید کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا بلکہ جس طرح ایک مشغول انسان کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے اہم مقاصد کی زیادہ تاکید کر دی جاتی ہے اسی طرح ان کو بھی ان دو نمازوں کی تاکید زیادہ فرمادی جن میں بڑی سے بڑی مشغولی کے بعد بھی کوئی فروگزاشت قابل برداشت نہیں ہو سکتی۔ یہاں کسی نماز کی معافی کا کوئی تصور نہ تھا پھر اس مفصل روایت کو کئی راوی نے نصر بن عاصم کی حدیث میں اتنا مختصر کر ڈالا ہے کہ اس کے الفاظ سے تین نمازوں کی معافی کا ہی وہم پیدا ہونے لگا۔ لیکن جب نصر اور فضالہ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا تذکرہ ہے تو پھر کسی راوی کے صرف لفظی اختصار کی وجہ سے اس کو دو علیحدہ علیحدہ واقعہ کی صورت دیدینا بالکل خلاف واقع ہوگا۔ یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ دو نمازوں کے متعلق آپ نے محافظت کا لفظ استعمال فرمایا ہے لغت عربی کے لحاظ سے یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ جماعت، خشوع و خضوع اور رعایت آداب سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس بناء پر دو نمازوں کی زیادہ تاکید اور تین نمازوں میں توسیع کا دائرہ ان ہی امور تک محدود سمجھنا چاہئے۔ یہاں نمازوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ نمازوں میں آداب و ارکان کی زیادہ رعایت و عدم رعایت کا ذکر ہے پس آپ کی توسیع کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کو ان اوقات میں فرصت نہ ملے تو اور نمازوں میں جماعت کی پابندی اور وقت معین کی اتنی قید نہیں ہے جتنی ان دو نمازوں میں ہے۔

عَنْ فَضَالَةَ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا عَلَّمَنِي وَحَافِظُ

عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ إِنَّ هَذِهِ سَاعَاتُ لِي فِيهَا أَشْغَالٌ فَمُرْنِي بِأَمْرٍ جَامِعٍ إِذَا
أَنَا فَعَلْتُهُ أَجْزَاءَ عَنِّي فَقَالَ حَافِظٌ عَلَى الْعَصْرَيْنِ وَمَا كَانَتْ مِنْ بُغْتِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ؟
فَقَالَ صَلَوةٌ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَوةٌ قَبْلَ غُرُوبِهَا. (رواه ابو داؤد)

فضالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلامی احکام کی تعلیم دی منجملہ ان کے ایک بات یہ
فرمائی کہ پنج وقتہ نماز کی نگرانی رکھنا میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑے کام رہتے ہیں کوئی ایسی مختصر بات بتا
دیجئے کہ جب وہ کر لوں تو وہی میرے لئے کافی ہو جائے آپ نے فرمایا تو پھر عصرین کی نگہداشت رکھنا۔ عصرین کا لفظ
ہماری قوم کا محاورہ نہ تھا اس لئے میں نے پوچھا عصران کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا دو نمازوں کا نام ہے ایک طلوع
آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ابو داؤد)

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْ لَا أَخِرُّ إِلَّا قَائِمًا. (رواه احمد)
حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں اس کی
کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ (مسند احمد)

تشریح:- اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے لا اموات الا مصلیاً یعنی
میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ امام احمد اس کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نماز میں رکوع کئے بغیر سجدہ کیا
کروں گا۔ نسائی نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے ”باب کیف یجنی للسجود“ یعنی سجدہ کیلئے کیسے جانا چاہئے۔ اس عنوان
سے یہ نکتہ ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ میں سجدہ کے لئے پورا کھڑا ہونے کے بعد جایا کروں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عَنْ السُّدُوسِيِّ يَغْنِي ابْنُ الْخَصَّاصِيَّةِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبَايَعَهُ
فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنْ أُقِيمَ الصَّلَاةَ وَأَنْ أُؤَدَّى
الزَّكَاةَ وَأَنْ أُحْجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ وَأَنْ أَصُومَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَأَنْ أَجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.
فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا إِنَّتَ إِثْنَانِ فَوَاللَّهِ مَا أَطِيقُهُمَا الْجِهَادَ وَالصَّدَقَةَ فَإِنَّهُمْ زَعَمُوا أَنَّ مَنْ وَلَّى
الدُّبَرَ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ فَآخَافُ إِنْ حَضَرْتُ تِلْكَ جَشِعْتُ نَفْسِي وَكَرِهْتُ الْمَوْتَ
وَالصَّدَقَةَ فَوَاللَّهِ مَا لِي إِلَّا غَنِيمَةٌ وَعَشْرُ دَوْدِهِنَّ رِسْلُ أَهْلِي وَحُمُولَتُهُمْ قَالَ فَقَبَضَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ ثُمَّ حَرَّكَ يَدَهُ ثُمَّ قَالَ فَلَا جِهَادَ وَلَا صَدَقَةَ فَلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِذَا
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَبَايَعُكَ قَالَ فَبَايَعْتُ عَلَيْهِنَّ كُلَّهِنَّ. (رواه احمد)

سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوا، آپ نے یہ شرط لگائی کہ
میں گواہی دوں کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ نماز باضابطہ
پڑھا کروں گا زکوٰۃ ادا کیا کروں گا، اسلامی طریقہ پر حج کروں گا، ماہ رمضان شریف کے روزے رکھا کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں

جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں دو باتوں کی تو مجھ میں ہمت نہیں ایک جہاد، دوسرے صدقہ (جہاد کی تو اس وجہ سے) کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد میں بھاگ جائے اس پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں جہاد میں شریک ہوں تو میرا نفس کہیں بے صبری نہ کرے، اور موت سے ڈرنہ جائے۔ رہا صدقہ تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ بخدا میرے پاس صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں ان ہی کے دودھ پر میرے بچوں کی گذران ہے اور وہی ہم لوگوں کی سواریاں بھی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ کو حرکت دیکر فرمایا (واہ) جہاد بھی نہیں اور صدقہ بھی نہیں تو پھر جنت میں کیسے جاؤ گے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھا تو پھر میں ان شرائط ہی پر بیعت کئے لیتا ہوں اور ان سب باتوں پر بیعت کر لی۔ (مسند احمد)

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی فہم کے اختلاف اور ان کی مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے اپنا پیرایہ گفتگو بھی مختلف رکھا ہے یہاں ابن الخصاصیہ کی معقول پسند طبیعت دیکھی اور اس کو جہاد اور صدقہ کی ادائیگی پر آمادہ پایا تو چند کلمات ترغیب ارشاد فرما کر اس کو ذرا ابھار دیا اور فضالہ کی حدیث میں جب وفد ثقیف کی مشہور درشت فطرت پر نظر کی تو ان سے کوئی حجت کرنی مناسب نہ سمجھی اور جن شرائط پر انہوں نے چاہا ان ہی پر بے تامل ان کو بیعت فرمالیا۔ مبادا افہام و تفہیم کی تنگی ان کو اسلام کی اتنی آمادگی سے بھی برگشتہ کر دے۔ بالخصوص جبکہ قرآن سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد احکام اسلامی کے ادائیگی میں جو پس و پیش سردست ان کو تھا وہ آئندہ خود بخود جاتا رہے گا۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمة کی تفسیر میں ان جیسے واقعات کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا. أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنِ النَّيَاحَةِ فَقَبَضْتُ امْرَأَةً مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فَلَانَةَ أَسْعَدْتَنِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعْتُ فَمَا وَفَّتْ امْرَأَةً إِلَّا أُمُّ سُلَيْمٍ وَأُمُّ الْعَلَاءِ وَابْنَةُ أَبِي سُبْرَةَ امْرَأَةٌ مُعَاذٍ أَوْ ابْنَةُ أَبِي سُبْرَةَ وَأُمْرَأَةٌ مُعَاذٍ. (رواه البخاری)

ام عطیہ روایت کرتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی کہ خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور ہم کو نوحہ کرنے سے بھی روکا۔ اس پر ایک عورت نے (بیعت کرنے سے اپنا) ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلانی عورت ایک مرتبہ میرے یہاں نوحہ کر گئی تھی میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں یہ سن کر آپ نے کچھ نہ فرمایا وہ گئی اور نوحہ کر کے واپس آ گئی پھر (ان عورتوں میں جو اس وقت بیعت میں شریک تھیں) کسی عورت نے اس عہد کو پورا نہ کیا۔ بجز ام سلیم، ام العلاء اور ابوسبرہ کی دختر کے جو معاذ کی بیوی تھیں یا ابوسبرہ کی دختر اور معاذ کی بیوی کے (شک راوی ہے)۔ (بخاری شریف)

تشریح:- نوحہ کرنا اور اس کا بدلہ اتارنا عرب میں ایک ایسی لازمی رسم شمار ہوتی تھی کہ اس کو بخوشی ترک کر دینا ان کے لئے غیر ممکن تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکروہ فعل کی گوصرتح طور پر یہاں اجازت تو نہیں دی مگر اتنا اغماض ضرور فرمالیا کہ اگر کوئی چاہے تو اسلام لانے سے قبل اپنی اس حسرت کو بھی ایک بار اور نکال لے تاکہ اسلام کے بعد اس کے دل میں پھر کوئی خزعہ ہی

باقی نہ رہے۔ یہاں اس عورت کی اسی صاف گوئی کی تعریف منظور ہے کہ اگر انہوں نے ایک بار نوحہ کی آپ سے اجازت حاصل کر ہی لی تو کیا ہوا اس عہد کو اس طرح پورا بھی تو انہوں ہی نے کیا جس کی مثال بجز چند عورتوں کے اور پیش نہیں کر سکیں۔ صفائی کے موقعہ پر اس طرح عذر کرنا عرب کی فصاحت اور ان کا صرف ایک زور تعبیر تھا ان الفاظ سے یہ اخذ کرنا کہ دوسری عورتوں نے نوحہ کی عادت گویا ترک ہی نہ کی تھی اسالیب کلام سے بدذوقی کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام واقعات سے یہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت اسلام کے وقت خلاف شرع شرطیں لگانے کی عام طور پر آئینی اجازت دے رکھی تھی بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے آپ نے اسلام قبول کرنے سے کسی کو اس لئے نہیں روکا کہ اسلام ایک عقد ہی ایسا ہے جو فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا وہ شرطیں ہی خود فاسد ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ہونے کے لئے یہ شرط لگائے کہ وہ شراب برابر پیتا رہے گا تو اس کو مسلمان ہونے سے روکنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ حرمت خمر کا معترف ہو کر شراب پیتا ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ فسق ہے محض کافر سے تو پھر بہتر رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کی حلاوت اس کی زبان سے شراب کا ذائقہ فراموش کرا دے تو پھر ایک گناہ کی وجہ سے اس کو ظلمات کفر میں ڈوبتا ہوا چھوڑ دینا کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۵۹)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ لَمَّا قَلِعُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزَلَهُمُ الْمَسْجِدَ لِيَتَكُونُوا أَرْقَ لِقُلُوبِهِمْ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُحْشَرُوا وَلَا يُعْشَرُوا وَلَا يُجَبُّوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ أَنْ لَا تُحْشَرُوا وَلَا تُعْشَرُوا وَلَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ. (رواه ابوداؤد)

عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں مہمان ٹھہرایا تا کہ یہ ان کے دلوں پر اور زیادہ اثر انداز ہو، انہوں نے اسلام لانے کیلئے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ تو کبھی جہاد کے لئے بلایا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھنے کیلئے زور دیا جائے گا آپ نے فرمایا تم کو جہاد اور عشر کی تو معافی دی گئی۔ رہی نماز تو جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:- خطاب فرماتے ہیں کہ تحیہ لغت عرب میں جسم کا اگلا حصہ پست کرنے اور پچھلا بلند کرنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے نماز پڑھنا مراد ہے۔ امام موصوف کا خیال ہے کہ جہاد اور زکوٰۃ کا استثناء بھی یہاں صرف صورت تھا کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا، زکوٰۃ بھی نصاب اور حولان حول پر موقوف ہوتی ہے اس لئے سردست ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جاسکتا تھا، رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار اداء کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ اس کا استثناء کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اس وفد ثقیف کے متعلق آپ کو یہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیر ضروری تھا۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ اشْتَرَطْتُ ثَقِيفَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا صَدَقَةٌ عَلَيْهِمْ وَلَا جِهَادٌ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَتَصَلُّونَ وَيُجَاهِدُونَ. (رواه احمد)

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ (ہم مسلمان تو ہوتے ہیں) مگر ہمارے اوپر نہ صدقہ لازم ہوگا نہ جہاد آپ نے (ان کا اسلام قبول کر لیا) اور فرمایا آئندہ یہ لوگ خود بخود صدقہ بھی اداء کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

تشریح:- یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر کی حدیث میں ابھی گزر چکا ہے اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں آپ کا جہاد اور صدقہ کا استثناء فرمانا اس علم پر مبنی تھا کہ یہ لوگ اسلام کے رسوخ کے بعد اپنے شوق سے جہاد بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لئے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور محض تعبیری اور لفظی مناقشات کرنا نامناسب ہے۔ بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَلْدِيمَةَ فَدَعَا هُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوا أَنْ يَقُولُوا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوا يَقُولُونَ صَبَانًا صَبَانًا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيرَةً حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمَ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلَّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيرَةً فَقُلْتُ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا لَهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ.

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جلدیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی انہیں لفظ اسلمنا تو (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صبا نا صبا نا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا۔ (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کر دیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا نہ تو میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے سن کر فوراً اپنے دست مبارک اٹھا دیئے اور دوبارہ فرمایا اے اللہ! خالد نے جو غلطی کی میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَأَغَارُوا عَلَى قَوْمٍ فَشَدَّ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِّنَ السَّرِيَّةِ مَعَهُ السَّيْفُ شَاهِرٌ فَقَالَ الشَّاذُّ مِنَ الْقَوْمِ إِنِّي مُسْلِمٌ فَلَمْ يَنْظُرْ فِيهَا فَضْرَبَهُ فَقَتَلَهُ فَتَمَى الْحَدِيثُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَوْلًا شَدِيدًا قَبْلَ الْقَاتِلِ فَبَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِذْ قَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ مَنْ قَبْلَهُ مِنَ النَّاسِ وَأَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ مَنْ قَبْلَهُ مِنَ النَّاسِ وَأَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ أَنْ قَالَ الثَّالِثَةُ وَاللَّهُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعَرِّفُ
الْمَسَاءَةَ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبِي عَلِيٍّ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا قَاتِلًا ثَلَاثًا. (رواه الحاكم)

عتبہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا ایک مختصر دستہ بھیجا
انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا ان میں ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی نے کھینچی ہوئی تلوار لیکر اس کا پیچھا
کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر اسی سپاہی نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ٹھنڈا ہی کر
دیا۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ آپ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو
معلوم ہوئی تو (وہ حاضر ہوا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم
اس نے صرف اپنی جان بچانے کیلئے اسلام قبول کیا تھا آپ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے، سب
سے اپنا روئے مبارک پھیر لیا، اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی
جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ ادھر تھے ان سے اپنا
چہرہ مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس شخص سے رہا نہ گیا اس نے پھر سہ بار کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس
نے صرف جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا تھا اب کی بار آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثار ناگواری چہرہ انور پر
نمایاں تھیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی، تین بار فرمایا۔ (حاکم)

تشریح:- قسطانی نقل کرتے ہیں کہ یہ فوجی دستہ دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو لفظ
اسلام کہنے کا سلیقہ بھی نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سوچنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھ لیا گیا تھا۔

عَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي
فَصَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَا مَنِيَّ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلَّهِ أَنَا أَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
بَعْدَ أَنْ قَاتَلَهَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلُهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ
يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا أَفَأَقْتُلُهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلُهُ فَإِنْ
قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَةَ الَّتِي قَالَ. (رواه مسلم)

مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر کافروں میں سے کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ
مجھ سے جنگ کرنے لگے اور میرا ہاتھ تلوار سے کاٹ دے پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ
کے واسطے اسلام قبول کرتا ہوں تو یا رسول اللہ کلمہ کے بعد کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے کہا یا
رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ اس وقت کہا ہے جب پہلے میرا ہاتھ کاٹ لیا ہے پھر میں اسے کیسے قتل نہ کروں آپ نے فرمایا ہرگز قتل
نہ کرنا کیونکہ اگر اسے قتل کرو گے تو اب وہ ایسا ہی قابل احترام مسلمان ہو گیا ہے جیسا تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم

اب اسی طرح مباح الدم ہو جاؤ گے جیسا وہ اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یعنی تم اس کے قتل کرنے سے پیشتر ایک معصوم الدم مسلمان تھے اور اب اس کے قتل کے بعد ایک مباح الدم انسان ہو جاؤ گے جیسا وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے قبل ایک مباح الدم کافر تھا اور اب اس کلمہ کی بدولت ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الرَّجُلِ يَقْتُلُ الرَّجُلَ وَهُوَ يَقُولُ أَنَا مُسْلِمٌ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَاتِلُهَا مُتَعَوِّذًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا وَكَرِهَ مَقَالَتَهُ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ عَنْهُ فَقَالَ أَبِي اللَّهِ عَلَى مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَبِي اللَّهِ عَلَى مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا. (رواه الحاكم)

عقبہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا اس شخص کا بھی کیا حال ہے جو ایسے شخص کو بھی مار ڈالتا ہے جو برابر اپنی زبان سے یہ اقرار کر رہا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (یہ سن کر) قاتل نے عذر کیا یا رسول اللہ یہ کلمہ تو اس نے صرف پناہ لینے کے لئے کہہ دیا تھا، آپ کو اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا چہرہ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کیلئے مجھ سے انکار فرما دیا ہے۔ (دوبار فرمایا) (حاکم)

تشریح:۔ ظاہر ہے کہ جنگ کے ان حالات میں دلائل پر غور کرنے کی کسے فرصت ہو سکتی ہے اس لئے ان حالات میں صرف تقلیدی اسلام ہو سکتا ہے پھر جب اس پر بھی نظر ڈالی جائے کہ جنگ کے بعد ان نو مسلموں کا حال کیا رہا تو نہ خود ان کی طرف سے دلائل حقانیت معلوم کرنے کا کوئی ذوق و شوق ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی گردن پر اس کا بار ڈالا جاتا ہے کیا اس سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایمان کے لئے دلائل کا حاصل کرنا کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف اطمینان قلبی اور آئندہ اطاعت کا عزم کر لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذکر کرا سلام لے آنا ہی معتبر ہے۔

أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ يَقُولُ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحَرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَا هُمْ وَلِحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَكَفْتُ الْأَنْصَارِيَّ فَطَعَنْتُهُ بِرُمَحِيٍّ حَتَّى قَتَلْتُهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا فَمَا زَالَ يُكْرِرُهَا حَتَّى تَمَنَيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ (متفق عليه) وَفِي طَرِيقٍ عَنْ مُسْلِمٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَاتِلُهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ قَالَ أَفَلَا شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ قَاتِلُهَا أَمْ لَا وَفِي طَرِيقٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا أَسَامَةَ فَسَأَلَهُ إِلَى إِنْ قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَغْفِرْ لِي قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہم نے صبح ان پر جا کر چھاپہ مارا اور ان کو شکست دیدی۔ میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے

کہا لا الہ الا اللہ (یہ سن کر) وہ انصاری تورک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ مار ہی دیا، جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہ! کیا لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا، میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانہ سے اپنی جان بچا رہا تھا، آپ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا (تاکہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخش دیا جاتا)۔ مسلم کے ایک طریقہ میں یہ اور ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے صرف زبانی پڑھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ ایک اور طریقہ میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے استغفار فرمائیے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے، آپ ان کے اصرار پر بھی یہی ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔

تشریح:- شارح عقیدہ سفارینی نے امام بخاری جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کی طرف یہ نسبت کر دی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا۔ (شرح عقیدہ سفارینی ج ۱ ص ۳۶۸) حضرت استاد مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے نزدیک یہ نسبت خلاف واقع ہے وہ فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف نمائشی طور پر ہو، قلب کو اذعان و سکون کا اس میں ایک ذرہ بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک و تردید کی خلش باقی رہے۔ تو بے شبہ یہ اسلام معتبر نہ ہونا چاہئے اور اسی قسم کا اسلام امام بخاریؒ کی مراد ہو سکتا ہے لیکن اگر قلب یقین و اذعان سے معمور ہو چکا ہے شک و تردید کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے۔ امام بخاریؒ ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے اور کیسے مخالف ہو سکتے جبکہ تاریخ اسلام ایسے افراد سے بھری پڑی ہے جو شمشیروں کی جھنکاروں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے باوجود ان کا اسلام قبول کرنے میں ذرا تردد نہیں کیا گیا اور اسی لئے جب خوف و ہراس کی فضاء چھٹ گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا۔ کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ خوف کی فضاء میں قبول کر چکے تھے وہ صرف نمائشی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کر دیتے اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ خوف کی حالت میں یا دلائل کے بغیر یقین و اذعان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اسی طرح طمع دنیوی یا کسی خوف و ہراس کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور ہر صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور دین اسلام کے اختیار کر لینے پر راضی ہو چکا ہے تو گو اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جاسکتا۔ وفد عبد القیس کے حق میں آپ کے مدحیہ کلمات غیر خزا یا و لاند امی۔

اسی طرف اشارہ تھا کہ ان کا اسلام کسی خوف و طمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کے سوا جن بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا وہ ہر چند کہ قابل تعریف نہ تھا مگر تاہم معتبر تھا۔

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ أَسْلِمَ قَالَ أَجِدُنِي كَارِهًا
قَالَ أَسْلِمَ وَإِنْ كُنْتَ كَارِهًا. (رواه احمد)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اسلام قبول کر لو اس نے کہا میں تو اپنے دل میں کچھ کراہت سی محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسلام قبول کر لو اگرچہ کراہت محسوس ہو۔ (رفتہ رفتہ یہ کراہت نکل جائے گی۔) (احمد)

تشریح:- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر وہ طبعی کراہت جو مدت دراز تک کفر کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی رہ گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمان ہیں جن کو زکوٰۃ ادا کرنا، نماز باجماعت اور دیگر ارکان اسلام بجالانا بارگراں ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ گرائی غیر اختیاری ہوتی ہے اس لئے ان کے اختیاری اسلام کے منافی نہیں سمجھی جاتی پھر نور اسلام میں جتنا انفساح جتنی کشادگی پیدا ہوتی جاتی ہے اتنی ہی یہ گرائی، خود بخود کم ہوتی جاتی ہے۔ دور اول میں اکثری طور پر تو اسلام کی صداقت کا یقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا تھا، انکار و انحراف جو کچھ بھی ہوتا وہ صرف ضد، عصیت اور غیرت قومی کی بناء پر ہوتا اس لئے جب کبھی وہ کسی باعث سے اسلام قبول کرتے تو ان کا اسلام قلبی طور پر ہی ہوتا تھا۔ اگر کسی کو طبعی کراہت ہوتی تو یہ بھی بہت شاذ و نادر تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں ذکر کراہت کا ہے اکراہ کا نہیں۔ بعض نادان اس حدیث میں اکراہ اور کراہت میں فرق نہیں کرتے۔

قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيفٌ حَلِيفًا لِبَنِي عُقَيْلٍ فَأَسْرَتْ ثَقِيفٌ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ
فَأَوْثَقُوهُ فَطَرَحُوهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيمَا
أَخَذْتُ قَالَ بِجَرِيرَةٍ خُلَفَاءِ كُمْ ثَقِيفٌ فَتَرَكَهُ وَمَضَى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفَلَحْتَ كُلُّ
الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذِينَ أَسَرْتَهُمَا ثَقِيفٌ. (رواه مسلم)

عمران بن حصین روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے، ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی پکڑ لئے تھے، اس لئے آپ کے صحابہ نے بھی بنی عقیل کا ایک شخص پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر مدینہ کے سنگستان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو اس نے آپ کو او محمد صلی اللہ علیہ وسلم او محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کے آواز دی اور کہا بھلا مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم میں (انہوں نے ہمارے دو شخص گرفتار کر رکھے ہیں) آپ نے اسے پڑا رہنے دیا اور تشریف لے گئے اس نے پھر او محمد صلی اللہ علیہ وسلم او محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کے

آواز دی آپ کو اس پر رحم آ گیا آپ واپس ہوئے اور فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے (وہ بولا میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو گرفتار نہ ہوا تھا تو پورے طور پر کامیاب ہو جاتا راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو ان دو شخصوں کے بدلہ میں دیدیا جن کو ثقیف نے پکڑ لیا تھا۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ يَأْتُونَ بِهِمْ فِي

السَّلَاسِلِ فِي أَغْنَائِهِمْ حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ. (بخاری)

ابو ہریرہؓ سے کنتم خیر امة کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کے حق میں تمہاری بہتری اور خیریت یہ ہے کہ تم کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال ڈال کر انہیں قید کر کے لاتے ہو یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت سما جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اخْضُلُوْنِي كَمْ يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ

قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ اتَّخَفَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِائَةٍ إِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ قَالَ إِنَّكُمْ لَا تَذَرُونِ

لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلُوا قَالَ فَأَبْتَلِينَا حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّي إِلَّا سِرًّا. (رواه مسلم والبخاری)

حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

تشریح:- نووی کہتے ہیں کہ لفظ الست مائۃ مخوی قاعۃ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ست مائۃ الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ) کے نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی دردسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لئے جائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جاسکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جاسکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جان بازی کی منزل آ جاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہئے اس لئے مصلحت کے وقت

اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دیدی ہے۔ حتیٰ کہ بصورتِ اکراہ دبی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دیدی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کر دے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلمات کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کر سکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فِيهَا الْمُقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ فَلَمَّا اتُّوا الْقَوْمَ وَجَدُوهُمْ قَدْ تَفَرَّقُوا وَبَقِيَ رَجُلٌ لَهُ مَالٌ كَثِيرٌ لَمْ يَبْرَحْ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَهْوَى إِلَيْهِ الْمُقْدَادُ فَقَتَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَقَتَلْتَ رَجُلًا شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهِ لَا ذِكْرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ رَجُلًا شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَتَلَهُ، الْمُقْدَادُ فَقَالَ أَدْعُوا لِي الْمُقْدَادَ يَا مُقْدَادُ أَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَدَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَائِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ لَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُقْدَادِ كَانَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ يُخْفِيُ إِيْمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيْمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ وَكَذَلِكَ كُنْتَ تُخْفِيُ إِيْمَانَكَ بِمَكَّةَ. (رواه البزار)

سعید بن جبیر بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) ادھر ادھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا، وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، مقداد اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا اور ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا یا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیدی تھی اس کے باوجود مقداد نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ (مقداد آئے تو آپ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو جب کہیں سفر کے لئے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لئے آئندہ

تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدادؓ سے کہا یہ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

کافر کا اسلام قبول کرنا کب معتبر ہے؟

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى خَضْعَمَ فَأَعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُودِ فَأُسْرِعَ فِيهِمُ الْقَتْلُ فَلَبَّغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيٌّ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ قَالَ لَا تَتْرَأَى نَارَ أَهْمًا. (رواه ابو داؤد)

جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خضعم کی سمت روانہ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی (لشکر اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی) اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہئے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔ (ابو داؤد)

تشریح:- اسلام قبول کرنے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد ہی جان و مال دونوں کی عصمت فوراً نصیب ہو جاتی ہے فقہاء کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ۔ جس کے ازالہ سے صرف گناہ ہو اس کو عصمت مؤثمہ کہتے ہیں اور جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے۔ پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری دارالاسلام کی سکونت سے۔ اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دارالحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت مؤثمہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں پس اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں قتل کر دیا جائے تو اس کے قاتل کو صرف گناہ ہو گا مگر اس پر دیت لازم نہ آئے گی لیکن بایں ہمہ چونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دارالاسلام کی اختیار کر لی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب کی سکونت مسلمان کے لئے موزوں نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ کسی خطہ پر دارالاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بد نصیبی سے صفحہ ہستی پر دارالاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی مسلسل غفلت کی وجہ سے دارالحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ دارالاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ہی ماحول میں رہ کر ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی میں لگے رہیں جس میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ

باقی رہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ لیں۔ مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جائے گی۔ منتشر افراد و اشخاص یا مختصر جماعتیں تو ”مستضعفین فی الارض“ (ملک میں کمزور اور بے بس) ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن مقتدر اور بڑی بڑی جماعتوں کے لئے یہ عذر کرنا بھی غلط ہے اس لئے ان کا ایک یہی نصب العین ہو جانا چاہئے کہ وہ ایک مقہور زندگی سے نکل کر ایسی زندگی کے لئے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے، یہ مقصد اگر دفعۃً حاصل نہ ہو سکے تو باقسط سہی لیکن اس سے قبل کسی نا تمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا ناقابل عفو جرم ہوگا جس کی پاداش بھگتنا ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کفار سے دور دور رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے وہ صرف اسی لئے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر نہ ہو۔ یہ خطرہ اسی مقام پر پیدا ہو سکتا ہے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو، جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور نفسیاتی کسی لحاظ سے بھی تاثر کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ حدیث مذکور میں لا ترا ای الخ کا فقرہ ایسے ہی ماحول میں ارشاد فرمایا گیا تھا جہاں مسلمان مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے پس معاشرتی اور معاشی بعد کا حکم اسی جگہ ہے جہاں کفر کا اقتدار ہو۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایسی فضا میں گھس کر رہنا اسلامی اسپرٹ کو فنا کر دینے کے مرادف ہے اس لئے اگر علیحدہ ہونے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس زندگی کی کراہت سے کسی وقت قلب خالی نہ رہنا چاہئے اور صرف کراہت ہی نہیں بلکہ عملاً اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنا بھی زندگی کا نصب العین بنانا چاہئے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ جُلٌّ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ بَنَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُرْعَى غَنَمًا لَهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا لَا يُسَلِّمُ عَلَيْنَا إِلَّا لِيَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمِدُوا إِلَيْهِ فَقَتَلُوهُ وَآتَوْا بِغَنَمِهِ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (رواه احمد والترمذی)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چراتا چراتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اس نے سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر سلام کر رہا ہے پھر اس کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت اتر آئی، اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اگر کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں الخ۔ (احمد ترمذی)

تشریح:- نماز اور باہم ملاقات کے وقت لفظ السلام علیکم اسلام کا شعار ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ان اشخاص نے اپنے اسلام کا ثبوت اسلام کا لفظ صریح طور پر ادا کرنے کی بجائے اس کے شعار کو ادا کر کے پیش کرنا چاہا تھا مگر ابتداء عہد میں مسائل کی پوری واقفیت نہ تھی اس لئے اس کو نا کافی سمجھا گیا یہاں تک کہ قرآن و حدیث نے بتایا کہ جس طرح اسلام پر جبر و اکراہ کرنا صحیح نہیں اسی طرح کسی کے اسلام میں بے سبب شک و شبہ پیدا کرنا بھی صحیح نہیں۔ تم مسلمان ہونے پر کسی کو مجبور مت کرو اور اگر کوئی شخص از خود مسلمان ہوتا ہے تو بے وجہ اس کے اسلام کو شک کی نظر سے بھی نہ دیکھو گویا اسلام کے معاملہ میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو بسر و چشم اسے قبول کر لو اور نہیں لاتا تو اس کی مرضی پر چھوڑ دو۔ کیا اس سے بڑھ کر آزادی رائے کا کوئی اور مفہوم ہو سکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لئے مجبور نہیں کیا

عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ فَأَذَرَ كَتِفَهُمُ الْقَائِلَةَ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِصَاهِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَقَ بِهَا سَيْفَهُ وَنَمْنَا نَوْمَةً فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُونَا وَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ إِنَّ هَذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقِظْتُ وَهُوَ فِي يَدِي صَلَاتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي فَقُلْتُ اللَّهُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ أَلَا سَمْعِيلِي فِي صَحِيحِهِ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي قَالَ اللَّهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ فَآخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي فَقَالَ كُنْ خَيْرًا اخِذْ فَقَالَ تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ قَالَ لَا وَلَكِنِّي أُعَاهِدُكَ عَلَى أَنْ لَا أَقَاتِلَكَ وَلَا أَكُونَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُونَكَ فَخَلَّى سَبِيلَهُ فَأَتَى أَصْحَابَهُ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ. (هكذا في كتاب الحميدى وفي الرياض، مشكوة)

جابر بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف غزوہ کرنے کیلئے گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ کے ہمراہ یہ بھی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکادی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہوئی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود ہے آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے ارادہ سے کھینچ لی اتفاقاً میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا (بولو) اب تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے میں نے کہا اللہ۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا (متفق علیہ) ابوبکر اسمعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا تو میں نے کہا اللہ (یہ جواب سن کر ہمت کے مارے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپ نے اٹھالیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا تلوار پر قبضہ کرنے والوں میں افضل آپ ہی بن جائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں عمر ایک اللہ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپ سے جنگ کرونگا اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے۔ (کتاب الحمیدى۔ الرياض)

تشریح:- امام بخاری نے غزوہ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غوث بن الحارث نقل کیا ہے۔ قسطلانی و اتندی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن اپنی قوم کے پاس واپس جا کر

مسلمان ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی مشرف باسلام ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں اکراہ جائز ہوتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کرنے کا اور کونسا موقع بہم پہنچ سکتا تھا جبکہ دشمن کی تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر اقدام قتل کی دفعہ بھی عائد ہو چکی ہو، وہ تنہا ہو اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت ہو لیکن اس تمام اقتدار کے باوجود خدا کا رسول صرف اسکے سامنے اسلام کی تبلیغ تو کر دیتا ہے مگر اس کے صاف انکار کر دینے پر بھی کوئی باز پرس نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اقدام قتل پر نہ کوئی سزا دیتا ہے نہ اس کا انتقام لیتا ہے اور یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عرب کی فطرت اگر کسی کا جبر و تشدد برداشت کر سکتی تو اس سے زیادہ بے بسی کا وقت کسی پر اور کون سا آ سکتا تھا مگر یہاں بھی اس اعرابی کی درشت فطرت نے اس کیلئے بھی اسے آمادہ نہ کیا کہ وہ صرف زبانی طور پر ہی اسلام کا اقرار کر لیتا۔ پس آنحضرت کی سیرت اور قوم کے حالات دونوں اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اسلام کے لئے کبھی اکراہ نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی جاتا تو ہرگز کارگر نہ ہوتا۔ پس اسلام پر یہ ایک زبردست افترا ہے کہ اسلام جبر و اکراہ سے پھیلا ہے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِي قُرَيْشٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُلْقِيَ فِي قَلْبِي الْإِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وَاللَّهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا قَالَ إِنِّي لَا أَحْبِسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرْدَ وَلَكِنْ إِرْجِعْ فَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِكَ الْبُذَى فِي نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْلَمْتُ. (رواه ابوداؤد)

ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھے آنحضرت کے پاس بھیجا جب میں نے آپ کے روئے انور پر نظر ڈالی تو اسی ساعت میرے قلب میں اسلام کی صداقت سما گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو میں ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا میں عہد کے معاملہ میں دغل فصل نہیں کروں گا اور نہ ان کے قاصد کو اپنے پاس روکوں گا لہذا اب تو تم واپس چلے جاؤ ہاں اگر یہاں سے جا کر بھی تمہارے دل میں یہی بات باقی رہے جواب ہے تو پھر لوٹ آنا۔ وہ کہتے ہیں میں گیا اور آپ کی خدمت میں واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یہاں کس طرح ایک شخص اسلام لانے کے لئے مضطرب ہے مگر آپ بدعہدی کے ذرا سے شبہ سے اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور وہ دوبارہ غور و خوض کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں آزادی رائے کا عالم یہ ہو وہاں بھلا اکراہ کا کیا تصور کیا جاسکتا ہے اس قسم کے واقعات سے یہ بدعت ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نہ شمشیر کی طاقت سے پھیلا ہے نہ دلائل کی طاقت سے بلکہ ہمیشہ صاحب وحی کے متواتر صداقت اور ان وجدانی قرائن کی وجہ سے پھیلا ہے جو قلوب میں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم طور پر خود بخود جم جاتے تھے قرآن کریم نے آپ کے اس اضطراب کو جو کفار کے اسلام کے متعلق آپ کے سینہ میں موجزن تھا ناگواری کے انداز میں اکراہ سے تعبیر فرمایا ہے اَفَأَنْتَ تَكْرَهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ تو کیا آپ لوگوں پر اتنی زبردستی کریں گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہی ہو جائیں یعنی ان کے اسلام کے متعلق آپ کا اضطراب و شوق اس حد پر نہ بڑھنا چاہئے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ گویا آپ ان کو زبردستی مسلمان بنالینا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگانا چاہئے کہ قرآن میں تبدیل مذہب کے لئے کبھی اکراہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صاف لفظوں میں لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے۔ رہا کسی صداقت کو قبول کرنے کی ترغیب دینا تو یہ بالکل جداگانہ بات ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قَبْلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أَثَالٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سِوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ تَقْتُلْنِي تَقْتُلُ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمَ تُنْعِمَ عَلَيَّ شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمَ تُنْعِمَ عَلَيَّ شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ فَقَالَ أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلَى نَحْلِ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهَكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ وَاللَّهُ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ وَاللَّهُ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ وَإِنْ خِيلَكَ أَخَذْتَنِي وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَمَا ذَاتَرَى فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَاتِلْ صِبْوتَ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللَّهِ لَا تَأْتِيكُمْ مِنَ الْإِمَامَةِ حَبَّةٌ حِنْطِيَّةٍ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو (گرا پڑا نہیں) اپنی قوم کا سردار ہے (اس کے خون کا بدلہ لیا جائیگا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان فراموش نہیں، اگر تم کو مال درکار ہو تو بولو کیا چاہتے ہو آپ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ بولو اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں، اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گزار رہے گا۔ آپ پھر اسی طرح اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ قید سے رہا ہو کروہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین میں آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب چہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم پہلے مجھے تمام دینوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی اور دین نہ تھا اور آج مجھے سب میں پیارہ دین آپ ہی کا دین ہے۔ خدا کی قسم مجھے تمام شہروں میں آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا لیکن آج سب شہروں میں عزیز تر شہر آپ ہی کا شہر ہو گیا ہے۔ (عرض یہ ہے) کہ آپ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کر لیا تھا میں

اس وقت عمرہ کرنے کے لئے جا رہا تھا فرمائیے مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے ان کو اسلام پر بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کر لیں جب یہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا ارے کیا اپنے دین سے پھر گیا، انہوں نے جواب دیا دین سے۔ پھرنا کیا ہوتا ہے میں خدا کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ قسم ہے خدا کی جب تک آپ اجازت نہ دیں گے اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آسکے گا۔

تشریح:۔ علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلے دن ان تَقْتُلْنِي تَقْتُلُ ذَادِم (اگر آپ قتل کریں گے تو یاد رکھئے یہ ایک سردار کا قتل ہوگا کسی معمولی شخص کا نہیں) کا فقرہ کہنا اور دوسرے دن ان تَنَعَم تَنَعَم عَلٰی شَاكِر سے (اگر آپ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکر گزار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی بڑی بلاغت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان بخشی نہیں جائے گی۔ لیکن جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کا سماں دیکھا تو انہیں یہ امید لگ گئی کہ اگر وہ رحم کی کوئی درخواست پیش کریں گے تو وہ ضرور منظور ہو جائے گی اس لئے دوسرے دن انہوں نے آپ کے احسان اور اپنی شکر گزاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کا آغاز کرنا مناسب سمجھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب ثمامہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اسیری کی حالت ہی میں اپنے اسلام کا اعلان کیوں نہ کر دیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس حالت میں میرا اسلام قبول کرنا میری بزدلی اور پست ہمتی کا عنوان بن جاتا اس لئے میں نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ میرا اسلام کسی کے جبر و اکراہ یا کسی سے خوف کی بناء پر نہیں تھا۔ جہاں طبیعت کا یہ زور موجود ہو وہاں تلوار کا زور بھلا کیا کارآمد ہو سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحات کی صحبت بھی کیا کیمیاء اثر تھی کہ ادھر آپ نے کھڑے کھڑے ثمامہ سے چند کلمات کہے ادھر اس کے باطن میں وہ انقلاب برپا ہو گیا کہ جو سینہ ابھی ابھی آپ کی عداوت سے لبریز تھا وہ آپ کی محبت سے معمور ہو گیا اور ایسا معمور ہوا کہ آپ کی ذات مبارک ہی نہیں بلکہ آپ کا دین حتیٰ کہ آپ کا وطن بھی تمام وطنوں سے زیادہ محبوب بن گیا نہ یہاں کوئی شمشیر کھینچ رہی تھی نہ دلائل کا زور تھا صرف آپ کی فیض صحبت کا ایک دریا تھا جو کفر و شرک کے بڑے بڑے پتھروں کو اپنے ریلے میں بہائے لئے جا رہا تھا۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هَذَا عَدِيٌّ وَكَنتُ جِئْتُ بِغَيْرِ أَمَانٍ وَلَا كِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ إِلَيْهِ أَخَذَ بِيَدِي وَقَدْ كَانَ بَلَّغْنِي أَنَّهُ كَانَ قَالَ إِنِّي لَا رَجُؤُ أَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ يَدَهُ فِي يَدِي قَالَ فَقَامَ لِي قَالَ فَلَقِيْتُهُ امْرَأَةً مَعَهَا صَبِيٌّ فَقَالَا إِنَّ لَنَا إِلَيْكَ حَاجَةً فَقَامَ مَعَهَا حَتَّى قَضَى حَاجَتَهُمَا ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي حَتَّى أَتَى دَارَهُ فَأَلَقْتُ لَهُ الْوَلِيدَةَ وَسَادَةً فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَآلَنِي عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِي يَا عَدِيٌّ مَا يَغُرُّكَ مِنَ الْإِسْلَامِ أَنْ تَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنَ إِلَهٍ سِوَى اللَّهِ قُلْتُ لَا ثُمَّ تَكَلَّمْتُ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا تَفِرُّ أَنْ تَقُولَ اللَّهُ أَكْبَرُ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرُ مِنَ اللَّهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنَّ الْيَهُودَ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارَى ضَلَالٌ قُلْتُ فَأَنِّي حَنِيفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ تَبَسُّطًا فَرَحًا ثُمَّ أَمَرَنِي فَأَنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَعَلْتُ أَغْشَاهُ أُنْيَةَ طَرْفِي النَّهَارِ. (رواه الترمذی)

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما

تھے لوگوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم (آ گیا) آپ کی خدمت میں میں اچانک آ پہنچا تھا نہ پہلے امن کی کوئی درخواست پیش کی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہو گیا تھا جب میں پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (یہ اسی مشہور سنی حاتم کے لڑکے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے (اکرام) کے لئے کھڑے ہو گئے، اس اثناء میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لئے ہوئے آ گئی اور عرض کیا ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپ ان کی بات سننے کے لئے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کی ضرورت کو پورا کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپ اس پر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد مجھ سے فرمایا عدی؟ اسلام سے کیوں منکر ہو آ خر لا الہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو پھر آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپ نے فرمایا (موجودہ ادیان میں) یہود تو قہر الہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہ گئے نصاریٰ تو وہ پرلے درجہ کے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دین حنیف کا تابعدار بنتا ہوں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا۔ میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک نصاریٰ کے یہاں مہمان ٹھہرا دیا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہو گیا) اور صبح و شام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ (ترمذی شریف)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاسْلَامِ اَبِي ذَرٍّ قُلْنَا بَلَىٰ قَالَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ فَلَبَغْنَا اَنْ رَجُلًا خَرَجَ بِمَكَّةَ فَرَزَعَهُ اَنَّهُ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لَا اُخِي اِنْطَلِقُ اِلَىٰ هَذَا الرَّجُلِ وَكَلِمَةُ وَاَتَيْتُ بِخَبْرِهِ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ لَمَّا بَلَغَ اَبَا ذَرٍّ مَبْعَثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اُخِيهِ اِرْكَبْ اِلَىٰ هَذَا الْوَادِي فَاعْلَمْ لِي عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ يَاتِيهِ الْخَبْرُ مِنَ السَّمَاءِ وَاسْمَعُ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ اَتَيْتُ فَاِنْطَلَقَ الْاَخُ حَتَّىٰ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْمَعُ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلَىٰ اَبِي ذَرٍّ فَقَالَ لَهُ رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَكَلَامًا مَّاهُوَ بِالشَّعْرِ فَقَالَ مَا شَفَيْتَنِي مِمَّا ارَدْتُ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهُ فِيهَا مَاءٌ حَتَّىٰ قَدِمَ مَكَّةَ فَاتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَعْرِفُهُ وَكَرِهَ اَنْ يَسْأَلَ عَنْهُ حَتَّىٰ اَذْرَكَ بَعْضُ اللَّيْلِ فَاضْطَجَعَهُ فَرَأَاهُ عَلِيٌّ فَعَرَفَ اَنَّهُ غَرِيبٌ فَلَمَّا رَأَاهُ تَبِعَهُ فَلَمْ يَسْأَلْ وَاحِدًا مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ اَصْبَحَ ثُمَّ اَحْتَمَلَ زَادَهُ وَقَرَّبَتْهُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَظَلَّ ذَالِكَ الْيَوْمَ وَلَا يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّىٰ اَسَىٰ فَعَادَ اِلَى مَضْجَعِهِ فَمَرَّ بِهِ عَلِيٌّ فَقَالَ اَمَّا نَالَ الرَّجُلُ اَنْ يَعْلَمَ مَنْزِلَهُ فَاَقَامَهُ فَلَمَّا فَارَقَهُ بِهِ مَعَهُ وَلَا يَسْأَلُ وَاحِدًا مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ اِذَا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ فَعَلَّ مِثْلَ ذَلِكَ فَاَقَامَهُ عَلِيٌّ مَعَهُ فَقَالَ لَهُ اَلَا تُحَدِّثُنِي مَا الَّذِي اَقْدَمَكَ هَذَا الْبَلَدَ قَالَ اِنْ اَعْطَيْتَنِي

عَهْدًا وَمِيثَاقًا لَتُرْشِدَنِي فَعَلْتُ فَفَعَلَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ إِنَّهُ حَقٌّ وَهُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَاتَّبِعْنِي فَإِنِّي إِن رَأَيْتُ شَيْئًا أَخَافُهُ عَلَيْكَ قُمْتُ كَأَنِّي أُرِيقُ الْمَاءَ فَإِن مَضَيْتُ
فَاتَّبِعْنِي حَتَّى تَدْخُلَ مَدْخَلِي فَفَعَلَ فَاَنْطَلَقَ يَقْفُوهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَدَخَلَ مَعَهُ فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ وَأَسْلَمَ مَكَانَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْجِعْ إِلَى قَوْمِكَ
فَأَخْبِرْهُمْ حَتَّى يَأْتِيَكَ أَمْرِي وَفِي رِوَايَةٍ أُكْتُمُ هَذَا وَارْجِعْ إِلَى بَلَدِكَ فَإِذَا بَلَغَكَ ظُهُورُنَا فَأَقْبَلْ
فَقَالَ وَاللَّيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَا صُرْخَنُ بَيْنَ ظَهْرَانِيهِمْ فَخَرَجَ حَتَّى أَتَى الْمَسْجِدَ فَتَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَثَارَ الْقَوْمِ فَضْرَبُوهُ حَتَّى أَضْجَعُوهُ وَآتَى الْعَبَّاسُ
فَاكَبَ عَلَيْهِ وَقَالَ وَيْلَكُمْ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ مِنْ غِفَارٍ وَأَنَّ طَرِيقَ تُجَارِكُمْ إِلَى الشَّامِ عَلَيْهِمْ فَأَنْقَذَهُ
مِنْهُمْ ثُمَّ عَادَ مِنَ الْعَدِ لِمِثْلِهَا وَثَارُوا إِلَيْهِ فَضْرَبُوهُ فَاكَبَ عَلَيْهِ الْعَبَّاسُ فَأَنْقَذَهُ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابوذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں۔ ہم نے عرض کیا ضرور سنائیے۔ فرمایا کہ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کرو اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پر مذکور ہے کہ جب ابوذرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ۔ ان کے بھائی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر آپ کی گفتگو سنی اور ابوذرؓ کے پاس واپس آ کر بیان کیا کہ میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو اقسام شعر نہیں۔ انہوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی۔ اس کے بعد کچھ توشہ سنبھالا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے (مشکل یہ تھی) کہ نہ تو یہ آپ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا۔ یہ لیٹ رہے۔ حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے مگر اس دن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہو گئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آ گئے یہ دن بھی گزر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نظر نہ آئے یہاں تک کہ شام کا وقت آ گیا پھر یہ اپنی آرام گاہ پر آ گئے (آج) پھر حضرت علیؓ گزرے اور فرمایا کیا اب تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا اور اٹھا کر پھر انہیں اپنے ہمراہ لے گئے مگر آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا یہاں تک کہ تیسرا دن ہو گیا تو پھر ایسا ہی ہوا اور حضرت علیؓ ان کو ہمراہ لے گئے اور ان سے کہا مجھے بتاؤ تو آخر اس شہر میں کیسے آنا ہوا انہوں نے کہا اگر آپ مجھ سے اس بات کا پکا پکا عہد کریں کہ مجھے ٹھیک بات بتادیں گے تو میں ضرور اس راز کو کھول سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے عہد کیا اس کے بعد ابوذرؓ نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بلاشبہ

یہ شخص سچے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اچھا تو جب صبح ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آنا، جہاں مجھے تمہارے متعلق دشمنوں سے کوئی خطرہ نظر آئے گا وہیں میں ایسے ٹھہر جاؤں گا جیسے کوئی پیشاب کرنے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ اگر میں چلا آؤں تو تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے تا آنکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے۔ یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ آپ کا کلام سنا اور اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بالفعل تو تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ اور انہیں بھی اس کی اطلاع کر دو اور وہاں ہی رہو یہاں تک کہ تم کو ہمارے عروج کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے اس وقت پھر آ جانا انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں گا یہ کہہ کر باہر نکلے اور مسجد میں آ کر بآواز بلند کہا اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدًا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ آ گئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کم بخنوا! تم کو خبر نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تاجروں کے جانے کا راستہ ان ہی کی طرف ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن پھر انہوں نے یہی حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو خوب مارا اس دن پھر حضرت ابن عباسؓ ان کے اوپر لیٹ گئے اور ان کو پھر بچا لیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ بِمَقْلَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي أَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ فَمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ إِلَى أَبِيهِ أَوْ أُمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي جَبْرِئِيلُ إِنَّمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَرِيَاذَةُ كَبِدِ حُوتٍ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهَتُوا وَإِنَّهُمْ إِنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلَامِي مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسْأَلَهُمْ يَبْهَتُونَنِي فَجَاءَ بِي الْيَهُودُ فَقَالَ أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللَّهِ فِيكُمْ قَالُوا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوا أَعَاذَهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالُوا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوهُ قَالَ هَذَا الَّذِي كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. (رواه البخاری)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت یہ اپنے باغ کے پھل توڑ رہے تھے یہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتائیے کہ علامات قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کیا ہو گا اور تیسری بات یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جوابات مجھے ابھی

بتائے ہیں (سنو) قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع کر کے لے جائے گی رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے ہوگی اب رہا بچہ کا مشابہ ہونا تو اگر مرد کی منی غالب ہو تو اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی غالب ہو تو اس کے۔ یہ جوابات سن کر انہوں نے آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدانک رسول اللہ۔ (اس کے بعد فرمایا) یا رسول اللہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے۔ اگر آپ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے قبل میرے اسلام کا حال ان سے ذکر کر دیں گے تو فوراً وہ مجھ پر کوئی نہ کوئی بہتان بنا دیں گے (اس لئے پہلے آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمائیں) اس کے بعد جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبد اللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم سب میں بہتر اور ہمارے سب کے سردار۔ آپ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ اسلام قبول کر لیں وہ بولے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بات سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد عبد اللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا (پھر کیا تھا) فوراً کہنے لگے یہ شخص ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتروں کی اولاد ہے اس کے علاوہ اور قسم قسم کے عیب لگانے لگے۔ عبد اللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ان کے اسی افترا پر دازی کا ڈر تھا۔ (بخاری شریف)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا أَعْرِفُ
أَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ إِنْ دَعَوْتُ هَذَا أَلْعَدُّقَ مِنْ هَذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ أَنَّي رَسُولُ اللَّهِ فَدَعَاهُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتَّى سَقَطَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ إِرْجِعْ فَعَادَ فَاسَلَّمَ الْأَغْرَابِيُّ. (رواه الترمذی وصحیحه)

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دہقانی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا، میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آ کر یہ گواہی دیدے کہ میں خدا کا رسول ہوں (تو مانے گا) آپ نے اس کو آواز دی، فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ کے سامنے آ پڑا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس چلا جا، وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دہقانی مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی)

تشریح:۔ بے علم طبیعتیں ہمیشہ عجوبہ نمایوں کی گرویدہ ہوتی ہیں۔ ان ہی کو معیار کمال تصور کرتی ہیں اور ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں اس لئے نباض فطرت نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذب اسلام نظارہ پیش کر دیا تھا وہ مسلمان ہو کر جنت میں جا پہنچا اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی فلسفہ میں پھنسے رہئے کہ ایک غیر ذی روح کا متحرک ہو کر آہستہ آہستہ اترنا اور پھر واپس چلے جانے عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں۔ جی ہاں معجزات کے عالم میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَقْبَلَ أَغْرَابِيٌّ فَلَمَّا آتَى
قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالَ وَمَنْ يُشْهَدُ عَلَيَّ مَا تَقُولُ قَالَ هَذِهِ السَّلْمَةُ فَدَعَاَهَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِي فَأَقْبَلَتْ تَحْدُ الْأَرْضَ حَتَّى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ

فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا أَنَّهُ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَى مَنْبِئِهَا. (رواه الدارمی)

ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک دہقانی سامنے سے آتا نظر آیا جب وہ مجلس میں آ پہنچا تو آپ نے فرمایا اس کی گواہی دے گا؟ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں وہ بولا آپ کی اس بات پر کوئی اور بھی گواہی دے گا۔ آپ نے فرمایا جی ہاں، یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر کھڑا تھا آپ نے اس کو پکارا، وہ زمین پھاڑتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار یہ گواہی دی کہ جیسا آپ نے فرمایا، بات اسی طرح ہے اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس ہو گیا۔ (داری)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَذْعُو أُمَّيَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَهِيَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاسْمَعْتَنِي فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَهُ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يَهْدِيَ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ اللَّهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ إِلَى الْبَابِ فَإِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعْتُ أُمَّيَ خَشَفَ قَلَمِي فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاسْتَسَلْتُ فَلَبِسْتُ دِرْعَهَا وَعَجَلْتُ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللَّهُ وَقَالَ خَيْرًا. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گذری۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے میں آپ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لئے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابو ہرہ وہیں باہر رہنا۔ ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھیرا رہا، انہوں نے غسل فرمایا اپنا کرتا پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد عبدہ ورسولہ (یا تو میں ابھی ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یا اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپ کی خدمت میں واپس پہنچا۔ آپ نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔ (مسلم)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ ضَمَادًا قَدِيمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ أَرْدَشَنُوءَةٍ وَكَانَ يَرْفِي مِنْ هَذَا الرِّيحِ فَسَمِعَ سُفْهَاءَ أَهْلِ مَكَّةَ يَقُولُونَ إِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُونٌ فَقَالَ لَوْ إِنِّي رَأَيْتُ هَذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللَّهَ يَشْفِيهِ عَلَى يَدَيَّ قَالَ فَلَقِيَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَرْفِي مِنْ هَذَا الرِّيحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ

أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَمَّا بَعْدُ فَقَالَ أَعِدُّ عَلَى كَلِمَاتِكَ هَؤُلَاءِ فَأَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعْرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هَؤُلَاءِ وَلَقَدْ بَلَغَنَ قَامُوسَ الْبَحْرِ هَاتِ يَذَكَ أَبَايُغَكَ عَلَى الْإِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهُ. (رواه مسلم)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضاد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ ازدشنوہ کے آدمی تھے اور جن وغیرہ کے اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسیب زدہ ہو گئے ہیں۔ یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دیدیتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ آپ سے ملا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اما بعد (اس خطبہ کے سننے کے بعد ابھی آپ کچھ اور فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضاد نے کہا مجھے ان کلمات کو پھر سنائیے آپ نے پھر سنا دیئے تین بار ایسا ہی ہوا وہ بولا میں نے کانوں کا قول سنا، جادو گروں کے منتر سننے اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا۔ خدا کی قسم یہ تو بحر معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مسلم)

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ زَاهِبًا نَجْرَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا أَسْلِمَا تَسْلِمَا فَقَالَ قَدْ أَسْلَمْنَا قَبْلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتُمَا يَمْنَعُكُمَا مِنَ الْإِسْلَامِ ثَلَاثُ سُجُودٍ كَمَا لِلصَّلَيبِ وَقَوْلُكُمَا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا وَشَرَبُكُمَا الْخَمْرَ فَقَالَا مَا تَقُولُ فِي عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَسَكَّتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ إِلَى قَوْلِهِ أَبْنَاءُ نَا وَأَبْنَاءُ كُمْ فَدَعَاهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَلَأَعَنَةِ قَالَ وَجَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَاهْلُهُ وَلِلَّهِ فَلَمَّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ قَالَ أَخَذَهُمَا لِصَاحِبِهِ أَقْرُ بِالْجِزْيَةِ وَلَا تَلَا عَنْهُ فَرَجَعَا فَقَالَا نَقْرُ بِالْجِزْيَةِ وَلَا تَلَا عَنْكَ قَالَ فَأَقْرَا بِالْجِزْيَةِ. (رواه احمد)

حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے ظہور سے قبل ہی مسلمان ہیں آپ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو، تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو، دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنالیا ہے اور سوم یہ کہ تم شراب پیتے ہو۔ انہوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے (اور ان کے مناظرہ کے جواب میں قرآن کی حسب ذیل آیات نازل ہو گئیں) یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الہی اور تحقیقی بیان ہے۔ (آپ کہہ دیجئے) آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے۔ (آیت مباہلہ کے تلاوت فرمانے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پادریوں کو مباہلہ کرنے کے لئے بلایا۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ اور حضرت فاطمہؑ اور آپ کے گھر کے لوگ آ گئے۔ جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آ گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بھی جزیہ دینا قبول کر لو اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جو ان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو کر رہے گا) یہ مشورہ کر کے انہوں نے کہا ہم آپ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ (مسند احمد)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہئے

عَنْ عُمَرَ بْنِ تَغْلِبٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بِمَالٍ أَوْبَشَى فَقَسَمَهُ فَأَعْطَى رَجُلًا وَتَرَكَ رَجُلًا فَلَمَّا بَلَغَهُ أَنَّ الَّذِينَ تَرَكَهُمْ عَتَبُوا فَحَمِدَ اللَّهُ ثُمَّ أَتَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَوَاللَّهِ إِنِّي أُعْطِيَ الرَّجُلَ وَأَدْعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدْعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِيَ وَلَكِنْ أُعْطِيَ أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَآكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبٍ فَوَاللَّهِ مَا أَحَبُّ أَنْ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ. (رواه البخاری)

عمر بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بیشک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لئے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں مال کے لئے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالی ہے خدائے تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عمر بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيبَةٍ وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أُجِيزَهُمْ وَأَتَأَلَّفَهُمْ أَمَّا تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالْدُّنْيَا وَتُرْجِعُونِ بِرَسُولِ اللَّهِ إِلَى يُؤْتِيَكُمْ قَالُوا بَلَى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكَتُ وَادِي الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ. (رواه البخاری)

انس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لیجائیں اور تم خدا کے رسول کو لیجاؤ۔ انصار بولے بیشک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری)

تشریح: صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت و محبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اسی لئے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپ کی داد و بخش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپ کے جذبات محبت و حقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہچ نظر آنے لگے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَأَتَى قَوْمَهُ فَقَالَ أَسْلِمُوا فَوَاللَّهِ إِنْ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَيُعْطِيَ عَطَاءَ رَجُلٍ لَا يَخَافُ الْفَقَاةَ وَإِنْ كَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَرِيدُ إِلَّا الدُّنْيَا فَمَا يُمِيسُ حَتَّى يَكُونَ دِينُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ وَأَعَزَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. (رواه مسلم)

انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کر لو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لیکر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا یا زیادہ معزز ہو جاتا تھا۔ (راوی کو شک ہے) (مسلم)

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ أَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَأَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدُ ثَلَاثًا وَاجَابَهُ بِمِثْلِ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ يُكَبُّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ. متفق عليه في طريق عند مسلم فسار ربه فقلت يا رسول الله الخ.

سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا، میں کھڑا ہو گیا اور میں نے پوچھا آپ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مومن کہتے ہو یا صرف مسلمان۔ سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لئے دیتا ہوں

حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- ابتداء اسلام میں نو مسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جو لوگ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت و محبت کی آزمائش کے لئے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر و اکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دلجوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نو مسلم نے آپ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپ نے اس کی خواہش بھی پوری فرمادی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گوہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباض فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

پیارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لئے آپ نے اس کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہئے ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لئے۔ ان کے لئے یہاں مومن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

اسلام کے چیدہ چیدہ اعمال

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ستیر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الہی کا اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حدیثوں میں بعض اعمال کو ارکان اور بعض کو شعبہ کہا گیا ہے۔ تعبیر کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا بعید نہیں ہے کہ اس کی غرض شاید ان اعمال کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ جن کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت اسلام میں کچھ بلند ہو اور جن کو شعبہ کہا گیا ہے ان کی حیثیت صرف ایک شاخ کی سی رہے جس کے کٹنے سے اصلی درخت کو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف اس کی ظاہری زیبائش ہی میں فرق پڑتا ہے لیکن جب اس طرف بھی نظر کی جاتی ہے کہ ان شعبوں میں ایسے ایسے اہم شعبے بھی شامل ہیں جن کو اسلام سے ارکان کا سا گہرا ربط ہے اور ان کا تعلق اسلام کے صرف ظاہر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو پھر اس نکتہ طرازی میں کچھ شبہ گزرنے لگتا ہے۔

استاد (مولانا نور شاہ کشمیری) قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا لفظ کا مقصد نہ تو اسلام کی بساطت و ترکب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور نہ اعمال کے تفاوت مراتب کی طرف بلکہ ان دونوں سے ایک اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ایمان کے حیوۃ و موت کا معیار ہے یعنی دراصل ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تر و تازہ ایقان و اذعان کا نام ہے جس میں اعمال صالحہ کی بیشمار شاخیں سدا پھوٹی رہیں، اس پر رنگ برنگ کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع اعمال کی بہار آئے کہ وہ گزر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو۔ گویا انسان باہم ہمدردی اور غمخواری کا ایک ایسا پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چمک یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم انس و محبت کی اس میں کوئی لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں۔ مردہ ہے۔ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پر از حقیقت سمجھے جاسکتے ہیں جبکہ اعمال صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کہا جاسکتا ہے جبکہ جوارح انسانی نیکی کیلئے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسی ہے اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعبہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ ایک مومن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرة طیبۃ اصلها ثابت و فرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها۔ آیت مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول و پھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار ہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے۔ اب محدثین کو اختیار ہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمال صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب و روز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمال صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں اور کونسی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لئے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں ان میں امام بیہقی، ابو حاتم، ابو عبد اللہ حلیمی، شیخ عبد الجلیل اور اسحاق بن القریطی جیسے اجلہ محدثین بھی شامل ہیں۔ امام ابو حفص عمر القزوی نے بیہقی کی تصنیف شعب الایمان کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کا نام مختصر شعب الایمان رکھا ہے۔

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ دینا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ

لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَغَيْرُهُمَا وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ
وَالنَّسَائِيُّ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ.

عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور پکا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم وغیرہما) ترمذی و نسائی نے اس حدیث میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ کامل مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امانت دار سمجھیں۔

تشریح:- عرب کی قوم جو قرونوں سے قتل و غارت اور جنگ و بد امنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ نباض تھا وہ ان کو یہ بتا دینا چاہتا تھا کہ صرف ارکان اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر لینے سے کوئی شخص مومن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام موت نہیں رہی بلکہ سر تا سر مژدہ سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کی اس میں وہ روح پیدا ہو گئی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے خوف و ہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر معاملہ میں کیا جان اور کیا مال اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مومن کا خطاب دیدیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا ملکہ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جاسکتا ایسا ہی سلامتی و امن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مومن نہیں کہا جاسکتا یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے آلات یہی ہیں ورنہ اصل مقصد ترک ایذا ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دو میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذا کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذا کا حاضر و غائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر، درسب چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مذہب ابھی کاملین کو اور مکمل بنانا چاہتا ہے وہ یہ سمجھاتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترک وطن اور مال و اولاد کے ترک سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا اس کی حدود کے تحفظ میں کبھی تہاؤن کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو۔ پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے حال میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو ”مہاجر“ جیسا معزز لقب دیدیا جائے۔ اس اسلوب بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ وہ صرف ترک وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں اس لقب کی تکمیل ابھی ایک ایسی طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا بزنگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما چکا ہے اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع مملکت ہوگی جس کے لئے کوئی نہایت نہیں خوش دلی یا تنگ دلی سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے کامل سمجھ لے کہ ان صحرائے دراز اور وادی ہائے پر خار کے طے کئے بغیر اس کا مکمل ہونا ناممکن ہے اور مکمل ہوشیار ہو جائے کہ اسلام کی شاہراہ کمال ابھی اور بہت آگے ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدَّى مُسْلِمًا فَقَدْ أَدَّى اللَّهَ. أخرجه

الطبرانی فی الاوسط. رمز السیوطی لحسنہ وفیہ موسیٰ ابن خلف البصری العمی ضعفہ بعضهم ووقفہ بعضهم.
انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور
جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا۔ (طبرانی)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ
مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرَبًا بِهِ. (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب.)

حضرت ابو بکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا
اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

تشریح:- یعنی ایک مسلمان کی ایذا رسانی صرف مخلوق کی ایذا رسانی نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ رسول کی ذات سے بھی
گذر کر خدا تک جا پہنچتی ہے یہی حال اس کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ہے۔ رسول کی ذات بھی کیسی بلند ہوتی ہے کہ اس
کی ایذا و محبت خدائے تعالیٰ کی ایذا و محبت سے پکاری جاتی ہے۔ مسلمان جب اپنے رسول کا پورا پورا قبیح ہو جاتا ہے تو
پھر یہی نسبت اس کے اور رسول کے مابین قائم ہو جاتی ہے۔

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ خُلِّنِي عَلَى عَمَلٍ أَنْفَعُ بِهِ قَالَ اغْزِلِ الْأَذَى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ. (رواه ابن ماجہ)

ابو بززہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ
مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- غالباً یہاں سائل کا مقصد کسی ایسے امر کا سوال کرنا تھا جس کا کرنا اس کی قدرت میں ہو کیونکہ یہی نیک عمل
سے نفع اٹھانے کی صورت ہو سکتی ہے نیک عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن اگر اس پر عمل نہ ہو سکے تو وہ کس کام کا آپ نے
اس کو ایسا آسان عمل بتا دیا جو اس سے بھی بسہولت ادا ہو جائے اور تمام دنیا کے لئے بھی سہولت کا موجب ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ عَلِّمْنِي شَيْئًا لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ
يَنْفَعَنِي بِهِ قَالَ أَنْظِرْ مَا يُؤْذِي النَّاسَ فَنَجِّهِ عَنِ الطَّرِيقِ. اخرجہ ابن عساکر کما فی الجامع الکبیر.

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ
سکھائیے، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخش دے آپ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا
اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

عَنْ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَمْشِي وَرَجُلٌ مَعَهُ لَرَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِيقِ فَقُلْتُ

مَا هَذَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِيقِ كُتِبَ لَهُ

حَسَنَةٌ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. اخرجہ الطبرانی فی الکبیر قال الہیثمی رجالہ ثقات.

ابو شیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل پیادہ پا جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا (راستہ پر انہوں

نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا) تو فوراً اسے راستہ سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اگر راستہ سے کوئی شخص پتھر ہٹا دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جائیگا۔ (طبرانی)

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ مُعَاوِيَةُ كُنْتُ مَعَ مَعْقِلٍ فِي بَعْضِ الطَّرِيقَاتِ فَمَرُّ بِأَذَى فَأَمَاطَهُ فَرَأَيْتُ مِثْلَهُ فَنَحَيْتُهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ قُلْتُ رَأَيْتُكَ صَنَعْتَ فَصَنَعْتُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَمَاطَ أَذَى عَنْ طَرِيقٍ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ تَقَبَّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. أخرجه البخاری فی الادب المفرد قال الہیثمی سندہ حسن ورمز السیوطی لحسنہ.

معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گزرا ہوا جو گزرنے والوں کے لئے باعث تکلیف تھا انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈال دیا، انہوں نے مجھ سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخر کار جنت میں چلا جائے گا۔

تشریح:- اس روایت سے پہلی روایت کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ مغفرت کے لئے صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی قبولیت بھی شرط ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لئے وہی ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہو جاتی ہے اور بحر عسیاں کے غریق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّ رَجُلٍ بِغُصْنٍ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ فَقَالَ لَا نَحْيِنُ هَذَا عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُؤْذِيهِمْ فَأَدْخَلَ الْجَنَّةَ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گزر رہا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تاکہ ان کو تکلیف نہ دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَأَنَّهُ تُؤْذِي النَّاسَ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلُّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَغْدِلُ بَيْنَ الْإِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلَى دَابَّتِهِ

فَيَحْمِلُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ. (متفق عليه)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیا یہ ایک صدقہ ہو گیا کسی سوار شخص کی کوئی مدد کردی اس کو سوار کر دیا یہ صدقہ ہو گیا اس کا کچھ سامان نیچے سے اٹھا کر اسے پکڑا دیا یہ صدقہ ہو گیا۔ کوئی بھلی بات زبان سے نکالی یہ صدقہ ہو گیا۔ ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھایا وہ صدقہ ہو گیا اور اگر راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز پڑی دیکھی اور ہٹا دی وہ صدقہ ہو گئی۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ سبحان اللہ! اگر خدائے تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندوں پر بہت سے صدقات واجب فرمائے تھے تو ان کی ادائیگی کی سبیل بھی کتنی آسان نکال دی ہے یعنی اس کی ہر حرکت و سکون کو ایک ایک صدقہ بنا دیا ہے اس میں یہ تعلیم بھی مضمر ہے کہ انسان کو ایسا کامل ہو جانا چاہئے کہ اس کی حرکات و سکنات بہائم جو پائے کی طرح نہ رہیں بلکہ ان میں تقرب الی اللہ کی وہ روح پیدا ہو جائے کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو بھی محض اپنے اعمال کی بدولت بے شمار صدقات کے ثواب کا مالک بن سکے۔ اس امت میں بزرگی کا معیار غناء و فقر نہیں انسان کے اعمال ہیں اور ان میں سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے ہٹا دے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ فُلَانَةَ تُذَكِّرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّ فُلَانَةَ تُذَكِّرُ قَلِيلًا صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ وَلَا تُؤْذِي بِلِسَانِهَا جِيرَانَهَا قَالَ هِيَ فِي الْجَنَّةِ. (رواه احمد والبيهقي في شعب الایمان)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں بی بی کی نماز روزے اور صدقہ و خیرات کرنے کی بڑی شہرت اڑ رہی ہے مگر اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اپنے ہمسایوں کو برا بھلا کہتی ہے فرمایا وہ دوزخ میں ہے پھر اس نے کہا یا رسول اللہ اور فلاں عورت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ روزے، نماز، اور صدقہ خیرات اس کثرت کے ساتھ تو ادا نہیں کرتی صرف پنیر کے چند ٹکڑے راہ خدا میں دیدیتی ہے لیکن اس میں ایک بڑا ہنر یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (احمد۔ بیہقی)

تشریح:۔ عام انسانوں کی نظروں میں جتنا اہتمام بدنی اور مالی عبادتوں کا ہوتا ہے اتنا معاملات اور حقوق العباد کا نہیں ہوتا۔ شریعت تنبیہ کرتی ہے کہ عبادت ایک بے نیاز کا حق ہے اور معاملات باہمی محتاج انسانوں کے حقوق اس لئے ان کا اہتمام زیادہ کرنا چاہئے۔ خدا کے فرائض کے بعد جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ لَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ كُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوا فَقَالَ ذَلِكَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ

خَيْرُكُمْ مَنْ يُوجِبِي خَيْرُهُ وَيُؤْمِنُ شَرُّهُ وَشُرُكُكُمْ مَنْ لَا يُوجِبِي خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمِنُ شَرُّهُ. (رواه الترمذی والبیہقی)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے آپ وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا بولو کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون۔ راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہو گئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون۔ آپ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔ (ترمذی۔ بیہقی)

تشریح:- اس روایت نے بھی انسانوں میں خیر اور شر کی تقسیم صرف نماز اور روزہ میں جدوجہد پر نہیں کی بلکہ مخلوق کی ایذا رسانی اور ترک ایذا رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفل عبادتیں بے اثر رہتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا رسانی کے ساتھ ان کا جو ہر نہیں کھلتا اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہو جائے تو ان کا جو ہر کھلے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّينَ وَثَلَاثِمِائَةِ مِفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللَّهَ وَحَمِدَ اللَّهَ وَهَلَّلَ اللَّهَ وَسَبَّحَ اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهَى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّينَ وَالثَّلَاثِمِائَةِ بِهَ فَإِنَّهُ يَمْشِي يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زُخِرَ نَفْسُهُ عَنِ النَّارِ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمد للہ، یا لا الہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک صدقہ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی یا نیک بات کہدی یا بری بات سے روک دیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اس دن زمین پر اس حال میں چلتا پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہوگا۔ (مسلم شریف)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَنَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيَّ الْبَصِيرَ لَكَ صَدَقَةٌ وَأَمَّا طُفْكُ الْحَجَرِ وَالشُّوكِ وَالْعَظْمِ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَأَفْرَاغُكَ مِنْ دَلُوكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ. (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے، کوئی نیک بات کہدینی بھی صدقہ ہے۔ تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لئے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی ایک صدقہ ہے۔ (ترمذی شریف)

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدِهِ فَيُنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ. (متفق عليه)

ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو کیا کرے فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کر دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہہ دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے، فرمایا تو (کم از کم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔ (متفق علیہ)

ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تَطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ. (رواه البخاری ومسلم وغیرہم)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا نا آشنا سب کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

تشریح:- ایک گزشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتا دیئے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مسلمان و کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی تعارف یا عدم تعارف کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی تھی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے انسانوں کو ایسا خوف زدہ بنا دیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو وہ اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل نہ ہو جاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا اسلام نے آ کر یہ تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آ گیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لئے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تا کہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب میں تمہارے لئے صدائے موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردہ سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کر لیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار در بازار، کوچہ در کوچہ پھرتے اور لوگوں کو سلام کر کر کے اپنے گھر واپس آ جاتے تھے۔

رہی اطعام طعام کے ارشاد کی تعمیل تو وہ بھی اس گرجوشی سے کی گئی کہ جو اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتا تھا اس نے بھی خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کر لیا۔ آیہ ویوٹرون علی انفسہم میں اسی قسم کی ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے ہیں تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انہوں نے آپ کے دہن مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپ کے ایک بہت اہم خواب میں جن اعمال کو رفع درجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے درخشاں عمل اسی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مخلوق کی ہمدردی اور باہمی مساوات کا جذبہ صرف جبر و اکراہ کی راہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے دماغی تربیت اور عملی ٹریننگ کی بھی ضرورت ہے اس لئے اسلام نے لوگوں کو اپنی قوت بازو سے کمایا ہوا مال ان سے زبردستی چھین کر دوسروں کے حوالہ کر دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو کچھ حقوق فرض و واجب قرار دیدیئے ہیں اور ان کا اداء کرنا ہر شخص پر طوعاً و کرہاً لازم کر دیا ہے دوسری طرف اسی کے ہم جنس بہت سے اور حقوق رکھ دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم قرار نہیں دیا بلکہ صرف ان کی ترغیب دیکر ان کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا ہے اس کا مقصد دراصل یہ آزمائش کرنی ہے کہ فرض و واجبات کی اس عملی ٹریننگ کے بعد اب اس کی فطرت میں انفاق و ایثار کی کتنی اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے اور کسی کے جبر و اکراہ کے بغیر اب وہ اپنی خوشی سے دوسروں کی ہمدردی کا کتنا عادی بن چکا ہے۔

اسلام کے یہ دو مختصر شعبے اجتماعی حیات کے لئے دوا ہم رکن ہیں اگر تنہا خوری اور ترک سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ دی جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق اور شقاق کے بجائے پھر گلہائے انس و محبت کھل سکتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ مَا قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی)

عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں نے آپ کا چہرہ مبارک دیکھا اسی وقت پہچان گیا کہ یہ چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو نہیں سکتا جو سب سے پہلی بات اس وقت آپ نے فرمائی وہ یہ تھی لوگو! ہم خوب سلام کیا کرو محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو۔ رشتہ داری کے تعلقات میں حسن سلوک کی رعایت رکھا کرو اور جب لوگ سوتے پڑے ہوں تو تم راتوں کو نمازیں پڑھا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی وغیرہ)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْبُدُوا الرَّحْمَنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمن کی عبادت کیا کرو اور محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح:- یہاں عبادت کے ساتھ رحمن کا اسم مبارک اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ چند حقیر اعمال کے ساتھ جنت جیسی بے بہا متاع کا ہاتھ آ جانا رحمت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ اللہ اہل جنت کو سلام کریں گے اور اہل جنت بھی باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے حتیٰ کہ رب العزت بنفس قدسی اہل جنت کیلئے ان کو سلام فرمائے گا۔ جو لوگ اس روش کو دنیا میں قائم کرتے ہیں وہ یہاں بھی اہل جنت کے قدم پر ہیں اور فردائے قیامت میں خدائے تعالیٰ کی جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ فَقَالَ إِطْعَامُ

الطَّعَامِ وَبَذْلُ السَّلَامِ. (رواه الشيخان)

ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا ہیں ارشاد فرمایا کھانا کھانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا (بخاری مسلم)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ

جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ فَقِيلَ مَا بَرُّ الْحَجِّ قَالَ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَطِيبُ الْكَلَامِ. (اخرجه احمد)

جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں فرمایا کھانا کھانا اور نرم گفتگو کرنا۔ (مسند احمد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِذَا رَأَيْتَكَ طَابَتْ نَفْسِي وَقُرْتُ عَيْنِي فَأَنْبِئْنِي عَنْ

كُلِّ شَيْءٍ قَالَ كُلُّ شَيْءٍ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ قُلْتُ أَنْبِئْنِي بِشَيْءٍ إِذَا فَعَلْتَهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ أَعْبُدُوا

الرَّحْمَنَ وَأَطِيعُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (اخرجه الامام احمد)

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت یہ ہے کہ جب آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ تو بتادیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جسے میں کر لوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمن کی عبادت کر (لوگوں کو) خوب کھانے کھلایا کر، اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کر اور پھر جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد وغیرہ)

تشریح:- اس قسم کی حدیثوں کی اصل روح یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور ہے، وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے، قدم اٹھاؤ اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے جس نے یہ دو قدم اٹھائے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق اداء کر دیئے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کر دیئے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ معلوم رہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی متاع بے بہا کا ملنا ضروری ہو، البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارزاں کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جرات کی ہے۔

عَنْ مِينَاءَ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَاهُ رِيْرَةَ يَقُولُ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ أَحْسَبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْإِيمَانُ جَمِيرٌ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشَّقِ الْأَخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشَّقِ الْأَخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللَّهُ جَمِيرَ أَفْوَاهِهِمْ سَلَامٌ وَأَيْدِيهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ أَهْلُ أَمْنٍ وَإِيمَانٍ. (رواه أحمد والترمذی)

میناء روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابو ہریرہ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلہ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا، اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلہ حمیر پر لعنت فرمائے، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے پھر آیا، آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیک کا لفظ رہتا ہے، ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو بڑے امن و ایمان والے ہیں۔ (مسند احمد و ترمذی) (سبحان اللہ خاتم المرسلین کیسی رحمت مجسم بن کر آئے لوگ ان سے لعنتوں کی درخواست کرتے تھے وہ رحمتوں کی دعائیں کر دیتے تھے۔)

عَنْ هَانِي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ يُوجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمَفْرُودِ وَالْحَاكِمُ عَنْ هَانِي أَبِي شَرِيحٍ قَالَ الْحَاكِمُ صَحِيحٌ وَلَا عِلَّةَ لَهُ وَعِلَّتُهُ عِنْدَهُمَا أَنْ هَانِيًا لَيْسَ لَهُ رَأْيٌ وَغَيْرُ ابْنِهِ لَكِنْ لَهُ نَظَائِرُ عِنْدَهُمَا وَاقْرَأَ الْذَهَبِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ الْعِرَاقِيُّ فِي أَمَالِيهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْخِرَائِطِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ بَلَفْظَ أَنْ مِنْ مَوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ بَذْلُ السَّلَامِ وَحُسْنُ الْكَلَامِ قَالَ الْعِرَاقِيُّ اسْنَادُهُ جَيِّدٌ وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رَجَالُ أَحْمَدَ رَجَالُ الصَّحِيحِ.

ام ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیے جو جنت کا یقینی سبب ہو، فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ میں کھانے کھانا۔ (مسند احمد وغیرہ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لِإِسْلَامٍ قَالَ طَيْبُ الْكَلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ فَقُلْتُ مَا لِإِيمَانٍ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاخَةُ قُلْتُ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ قُلْتُ أَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ. (رواه أحمد)

عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کیا چیز ہے فرمایا نرم گفتگو کرنا، اور خدا تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھانا، میں نے عرض کیا اچھا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا پھر میں نے پوچھا کونسا اسلام افضل ہے فرمایا جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف نہ اٹھائیں، میں نے پوچھا اور ایمان کونسا افضل ہے فرمایا اعلیٰ اخلاق۔ (مسند احمد)

تشریح:- حسن بھری صبر و ساحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور ساحت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق و شوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا۔

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعْدَالُهُ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامَ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان وروى الترمذي عن علي بن الحو)

ابو مالک اشعری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بہت سے بالا خانے ایسے ہیں جو اتنے شفاف ہوں گے کہ ان کا بیرونی حصہ اندرونی حصہ سے اور ان کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ سے نظر آئے گا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو نرم گفتگو کے عادی ہوں، کھانے کھلائیں، پے در پے روزے رکھا کریں اور جب شب میں اور لوگ غفلت کی نیند سوتے رہیں تو یہ نمازیں پڑھا کریں۔ (شعب الإيمان)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فِي قِصَّتِهِ) قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيمُ الْخَاصَّةِ وَفُشُوُ التَّجَارَةِ حَتَّى تُعَيَّنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التَّجَارَةِ وَقَطْعُ الْأَرْحَامِ وَفُشُوُ الْقَلَمِ وَظُهُورُ الشَّهَادَةِ بِالزُّورِ وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند یہ علامات بھی ضروری ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہو جانا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل ونا اہل سب کا قلم چل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفاء کرنا۔ (الادب المفرد)

تشریح:- یوں تو ان علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان میں سے شہادت کا حال جس درجہ ابتر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ و ناتہ کے تعلقات ختم ہو ہی چکے ہیں تجارت کیلئے عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں نکل پڑیں بلکہ ساہوکار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی بیٹھی نظر آ رہی ہیں تصنیف کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ اس کے لئے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لئے وہ انشاء پر دازوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ اب قرآن و حدیث میں بھی اسی کا قلم معتبر ہوتا ہے۔ لیکن ان سب میں اہم ہمارے موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام کے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتہ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتیٰ کہ ایسا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ بھی گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ طریقہ نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے۔ الا ماشاء اللہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا بِمَعْرِفَةٍ. (رواه احمد)

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف

اپنے تعارف کی بنیاد پر کرے گا (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر)۔ (مسند احمد)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ السَّلَامَ إِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى

وَضَعَهُ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

اس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے

اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَكُمُ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ مَا

حَسَدَكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّائِمِينَ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یہود تم پر جتنا حسد سلام اور آئین کے بارے میں

کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔ (ادب المفرد)

تشریح: سلام کے فضائل کچھ آپ پڑھ چکے۔ رہ گیا کلمہ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور

مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی رحمت کا دریا بے

توقف جوش میں آ جاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے لئے یہ فضائل دیکھ دیکھ کر اپنی

حسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا بھی ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہر حال آپ نے متنبہ کیا

کہ امت محمدیہ ان خصال کو ہلکا نہ سمجھے یہ خصال دوسری امتوں کے لئے قابل حسد ہیں۔

أَخْبَرَ الطُّفَيْلُ بْنُ أَبِي بَنْ كَعْبٍ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَيَغْلُوا مَعَهُ إِلَى السُّوقِ لَمْ يَمُرَّ

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَلَى سُقَاطٍ وَلَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلَا مُسْكِينٍ وَلَا أَحَدٍ إِلَّا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ

عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَبَعْنِي إِلَى السُّوقِ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ بِالسُّوقِ وَأَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا

تَسْئَلُ عَنِ السِّلْعِ وَلَا تَسُومُ بِهَا وَلَا تَجْلِسُ فِي مَجَالِسِ السُّوقِ فَاجْلِسْ بِنَاهُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِي

عَبْدُ اللَّهِ يَا أَبَا بَطْنٍ وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَابِطُنٍ إِنَّمَا نَعْلُو مِنْ أَجْلِ السَّلَامِ عَلَى مَنْ لَقِينَا. (رواه البخاری)

طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لیجاتے جس خوردہ

فروش یا تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کر لیتے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی

خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لے جانے لگے میں نے کہا آپ بازار جا کر کیا کریں گے نہ تو آپ کسی

خرید و فروخت کے لئے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ

بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آئیے یہاں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا اے ابو

بطن (اس کنیت سے ان کو اس لئے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لئے بازار نہیں جاتے جس کے

لئے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لئے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو جایا کرے اس کو سلام کر لیا کریں۔ (الادب المفرد)

شرم و حیا کرنا

حیا کی دو قسمیں ہیں ایک خلقی، دوم کسی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے اس میں انسان کے کسب و اکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیا و شرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزء شمار کر لیا گیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث ”الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ“ میں اسی فطری حیا کا ذکر ہے۔ یعنی یہ صفت خلقی بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی عظمت و جلال، اس کا بندوں سے قرب اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند حدیثوں کے بعد آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ (جامع العلوم)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعْظُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ. (متفق عليه)

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہئے) آپ نے فرمایا رہنے دے (اور اسے غلط نصیحت نہ کر) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ وَفِي رَوَايَةِ الْحَيَاءِ خَيْرٌ كُلُّهُ. (متفق عليه)

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم و حیا تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (رواه البخاری)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم و غیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ (بخاری)

تشریح: یعنی جب انسان میں نہ حیا و شرم ہو نہ فطری حیا تو اسے سبیل حرکات اور رسکام کے کرنے سے کوئی اہم نفع نہیں رہتا۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَبِرُّهُ وَالتَّعَطُّرُ وَالْمِسْوَاكُ وَالنِّكَاحُ. (رواه الترمذی)

ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم و حیا (اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے) خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ

فِي الْجَنَّةِ وَالْبَدَاءِ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءِ فِي النَّارِ. (رواه احمد والترمذی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا و شرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی و فحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد، ترمذی)

تشریح:۔ انسان جنت یا دوزخ تک یک بارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ اس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کی ابتداء کچھ ہوتی ہے اور انتہاء کچھ، شریعت اس سلسلہ کو بتا کر یہ تنبیہ کر دیتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا منتهی جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لئے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔ حیا و شرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور دراصل بہت اہم ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ

الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ. (رواه مالك ومرسلان ابن ماجه والبيهقي في شعب الایمان)

زید بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرْنَا جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ

أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِذَا سُلِبَ أَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْآخَرُ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے الحياء والایمان فی قون فاذا نزع الحياء تبعه الآخر. (جامع ص ۱۴۳) حیا و ایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آ جانے سے دوسرے کا آ جانا اب تک کسی حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گذرا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مومن کو شرم و حیا کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لئے بھی یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان و حیا کا وجود ا وعدہ آ فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے تاکہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا رخ بھی زیر بحث لایا جاتا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفَحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ

وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ. (رواه الترمذی)

انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور

بدنما کر دیتی ہے اور شرم و حیاء جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح:- حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ رکنیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے جن کا انضباط اور صحیح اندازہ ممکن ہو۔ حیا اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے، اس لئے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيئًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيئًا مُمَقَّتًا نَزَعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةَ فَإِذَا نَزَعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخُونًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخُونًا نَزَعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةَ فَإِذَا نَزَعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلْعَنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلْعَنًا نَزَعَتْ مِنْهُ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ. (رواه ابن ماجه)

ابن عمر سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پہلے اس سے حیاء و شرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکا راہو مارا مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ اب اس سے رشتہ اسلام ہی چھین لیا جائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- سبحان اللہ۔ حیاء بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے نزع کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکلخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلی سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے لئے دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس تذریجی تنزل کی وجہ سے اس کو اپنے امروز و فردا کے تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شدہ شدہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آ جاتا ہے کہ اسلام کا عروہ و فنی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیاء، امانت، رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیاء و امانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ اور مختلف حدیثوں میں بھی آیا ہے، اب رہ گئی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہو گیا سمجھ لو کہ اس کے پلے اب کچھ نہیں رہا۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِ أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ. (متفق عليه)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لئے آپ سے براہ راست مسئلہ پوچھنے سے تو مجھے حیاء و منکر ہوئی اس لئے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کر لو انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- اتنی شرم جواہل مروت میں کمال شمار ہو اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل بھی نہ ہو قابل مدح ہے اور وہ شرم جواہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہو جائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے بیباکی اور گستاخی کی تعلیم بھی نہیں دی اور ادب و تعظیم میں اتنے غلو سے بھی روکا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کر دے اور افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچا کر اس کے لئے متوسط حدود مقرر کر دی ہیں جن سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہو جاتی ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ أُمُّ سَلِيمٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا اخْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ. (متفق علیہ)

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ دین کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمائیے) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے اور ان کے آئندہ سوال کے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ اتنے مختصر جملے، پھر اتنے زوردار کہ اس پر اعتراض کی کسی کو گنجائش بھی نہ ہو۔ جو حیاء حقوق اللہ یا حقوق العباد میں تقصیر کا موجب ہو وہ حیاء نہیں وہ ضعف اور بزدلی ہے وہ عجز اور احساس کمتری ہے۔

أَنَسِ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ نَفْسَهَا فَقَالَتْ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ فِي فَقَالَتْ ابْنَتُهُ مَا أَقَلَّ حَيَاءَ مَا فَقَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكَ عَرَضَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهَا. (رواه البخاری)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپ کے نکاح کے لئے پیش کرنا چاہتی تھیں وہ بولیں، کیا میرے معاملہ میں آپ کچھ غور فرما سکتے ہیں؟ یہ سن کر انسؓ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ سے تو زیادہ سعادت مند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت ہی کے لئے تو پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:- شرم و حیاء میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود نہ ٹوٹیں اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نَعَمْ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْنَهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يُتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں حکموں کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم و تکبر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

حَدَّثَنَا بِهِزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ

قَالَ إِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مِنْ مَمْلَكَتٍ يَمِينُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قَالَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا تُرِيْنَهَا قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنْ النَّاسِ . (رواه الترمذی وقال حدیث حسن .)

بہر بن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کونسا حصہ کھول سکتے ہیں اور کونسا نہیں کھول سکتے، آپ نے فرمایا اپنا ستر چھپاؤ بجز اپنی بی بی یا اپنی باندی کے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا) (مختصر بات یہ ہے) کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو، میں نے پوچھا اچھا تو یہ فرمائیے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو وہاں کوئی اور نہ ہو (کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے شرم و لحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالتَّغَرِّيَ فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَآكِرِ مُوْهُمْ . (رواه الترمذی)

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عریانی سے بچنا کیونکہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ کے دو فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت، دوسرے اس وقت جبکہ آدمی اپنی بی بی سے ہمستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

تشریح:- یہ دونوں حدیثیں حیاء اکتسابی سے متعلق ہیں پہلی حدیث میں اسلام کے مرتبہ احسان کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مومن کے قلب و دماغ میں اپنے خالق کا تصور اس درجہ غالب اور قوی رہنا چاہئے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگوں کے ذہن میں اللہ کا تصور نہیں ہوتا تو یہ ایسا مغلوب ہو کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے سامنے میں نہ کرتی ہو یہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں اکیلے بھی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ستر و غیر ستر سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر بندہ کے اختیاری آداب میں تو فرق پڑتا ہے اس پر بس اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حدود آداب سے تجاوز نہ کرے۔ دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا احترام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے ان کے ساتھ اس آداب اور شائستگی کے ساتھ پیش آنے میں انسانی خلافت کی لاج بھی رہ جاتی ہے اور ہم پر ان کے وحشت و بدتہذیبی کے اعتراض کا جواب بھی ہو جاتا ہے اسی لئے جہاں کہیں ہمارا فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا موقع آتا ہے شریعت وہیں ہم کو مودب اور مطیع رہنے کی ہدایت کر دیتی ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم اتنے ناشائستہ بھی نہیں اور نہ ایسے عاصی ہیں جتنی کہ ان کو ہماری نسبت بدظنی ہو گئی تھی۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ رَبُّكُمْ حَيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ

عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا . (رواه الترمذی)

سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو شرم کی صفت بہت محبوب ہے، وہ بڑا کریم ہے اس کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دے تو وہ ان کو خالی واپس کر دے۔ (ترمذی)

تشریح:- خدائے قادر توانا جب اپنے بندہ کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے شرماتا ہے تو بندہ عاجز کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے بے حیائی کرنے سے شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حیاء ان معالی اخلاق میں سے ہے جس کی نسبت قدوسیوں اور خود عالم قدس کی طرف بھی آگئی ہے اس لئے اس صفت کی جتنی نگہداشت کی جائے وہ انسان کیلئے اتنی ہی تقدیس کا موجب ہے اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے وہ اتنی اس کے تنزل کا باعث ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اسْتَحْيُوا مِنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَسْتَحْيِي وَالْحَمْدُ لِلَّهِ قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ وَلَكِنْ مَنْ اسْتَحْيَى مِنْ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا حَوْرَى وَلْيَحْفَظِ الْبُطْنَ وَمَا وَعَى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبَلَى وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ. (رواه احمد)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماء جیسا اس سے شرمانا چاہئے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدائے تعالیٰ کا شکر، کہ ہم اس سے شرماتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے دماغ کو، اپنے گوش و چشم کو، اپنی زبان و دہن کو اور اپنے شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیش نظر رکھے جو آخرت کا ارادہ کر لے اسے لازم ہے کہ دنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے جس نے یہ سب مراحل طے کر لئے اسے سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (احمد)

تشریح:- اس حدیث کا مقصد نسبت احسان کی تربیت ہے۔ صحابہ نے آپ کے سوال کا جواب حیاء کے عام مفہوم کے مطابق دیدیا تھا لیکن آپ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پختہ تصور مراد ہے جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصہ اس کی فرمانبرداری کے لئے مضطر اور اس کی معصیت سے لرزاں و ترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب و دماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں رہتی کانوں میں ناجائز امور کے سننے، آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جنہش کرنے کی طاقت نہیں رہتی آخرت کا مقصد نظروں کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو و لعب نظر آنے لگتی ہے، موت اور مابعد الموت کے مناظر اس طرح پیش نظر رہنے لگتے ہیں کہ متاع دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ جب نسبت احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہئے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو یوں عام طور پر اس کی معصیت سے احتراز کرنا بھی گو اس کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی صفت تم میں پیدا ہو چکی ہے لیکن دنیوی راحتوں میں گرفتار رہنا اپنے جوارح پر پورا محاسبہ قائم نہ رکھنا اور موت اور مابعد الموت کے تصور سے گاہ گاہ غافل ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ صفت ہنوز پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا جو حق تھا وہ ابھی پورا اداء نہیں ہوا یہ یاد رہے کہ اگر بالفرض کوئی خوش نصیب اس نعمت عظمیٰ سے فائز ہو جائے تو بھی اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک بے مایہ انسان کی صرف ایک بے قیمت جدوجہد ہے اور اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ اپنی اس بے قیمت جدوجہد سے اس نے مالک علی الاطلاق کے حق کا کوئی حصہ ادا کر دیا ہے یہ اس کا

کرم ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کی صرف سعی و تمام پر اپنے حقوق سے بے باکی کا اعلان کر دیتے ہیں۔

جان دی۔ دی ہوئی اس کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غیرت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللَّهِ أَنْ لَا يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے اور بندہ مومن کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مومن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (متفق علیہ)
تشریح:- حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ انسان غیرت ضرور کرتا ہے مگر اس میں وہ راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ حضرت سعد کے آئندہ قصہ سے واضح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ و ارفع ہے اس کی ہر شان شان کمال ہے اس کی غیرت کا مصداق ہر حال قابل مدح رہتا ہے۔ (الجواب الکافی ص ۸۷)

عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصَفِّحٍ قَبْلَكَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اتَّعَجِبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللَّهِ لَا نَاَ غَيْرَ مِنْهُ وَاللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ وَاللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا آخَذَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللَّهِ وَمِنْ اللَّهِ وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ بَعَثَ الْمُنْدَرِينَ وَالْمُبَشِّرِينَ وَلَا أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحَةُ مِنَ اللَّهِ وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے فرمایا اگر کہیں میں اپنی بی بی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلواریں مار دوں وہ بھی چھٹی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ باغیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت کرنا پسند ہے یہی توجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو۔ یہی توجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیج دیئے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی توجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَتْ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ

مُحَمَّدٌ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا. (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن میں نماز کا قصہ) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق ذکر فرمایا۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس نماز میں سجدہ کیا اور بڑا المبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا۔ آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو ان کو کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر، جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد اور اس کی بزرگی بیان کرو، نماز پڑھو، اور صدقہ دو، اس کے بعد فرمایا اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی مخلوق ہو کر زنا کرے اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو جو پیش آمدنی خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہتے بہت کم اور روتے بہت۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأُرْسِلَتْ إِحْدَى امَهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصُحْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصُّحْفَةُ فَأَنْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَ الصُّحْفَةَ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصُّحْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أُمُكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أَتَى بِصُحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ هُوَ فِي بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصُّحْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى النَّبِيِّ كَسِرَتْ صُحُفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُورَةَ الَّتِي كَسِرَ. (رواه البخاری)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے، انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دیدیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آگئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھیرالیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لئے دیدیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:- غیرت حیاء کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی ہی مطلوب ہے جیسی حیاء اور افراط و تفریط۔ اس میں بھی ایسی ہی ناپسندیدہ ہے جیسی حیاء میں اسلام نے خلقی اور طبعی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف ان کی حدود مقرر فرمادی ہیں۔ ان صفات کے عالم قدس کی طرف انتساب میں ان کی برتری اور پسندیدگی کا اظہار منظور ہے اور یہ سمجھنا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز کی جناب میں ثابت ہو سکے ایک نیاز والی مخلوق کے لئے وہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہئے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ کمال یہ نہیں کہ اس میں اپنے نفس کی آزادی قائم رکھی جائے وہ اسی حد تک قابل تعریف ہے جہاں دوسروں کے حقوق اس کی زد میں نہ آجائیں اور جب اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہونے لگیں تو اب وہی صفت قابل تعریف ہونے کی بجائے قابل مذمت ہو جائے گی۔ سعد کی غیرت بیشک بڑی قابل تعریف تھی اگر شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جاتی اسی لئے

آپ کا انداز بیان یہاں وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہئے بلکہ اس میں مدح کا بھی ایک پہلو نکل رہا ہے اسی طرح آپ نے ایک بی بی صاحبہ کے ایسے فعل پر جو اگر اس محل کے سوا کسی اور محل پر ہوتا تو شاید زیادہ قابل نکیر ہوتا زیادہ سخت گیری نہیں فرمائی بلکہ ایک سوتن کے لئے صبر آزا منظر کا عذر پیش کر کے جو اضطراری طور پر ان سے دوسرے کی حق تلفی ہو گئی تھی اس کی مکافات فرمادی۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں خدائے تعالیٰ کی میزان ہوتے ہیں یہاں ایک ایک ذرہ عدل و انصاف کی ترازو میں برابر رہتا ہے۔ معقول عذر نامقبول نہیں ہوتا کسی کا نقصان گوارا نہیں ہوتا اور کسی کی مجبوری کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی پسند نہیں ہوتا۔

سب کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيْمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (رواه مسلم)

تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا خیر خواہی کرنا دین کا خلاصہ ہے، ہم نے عرض کیا کس کی۔ فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، ائمہ مسلمین کی، اور سب مسلمانوں کی۔ (مسلم شریف)

تشریح:- کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے، بدل و جان اس کے معافی کی تصدیق کی جائے، اس کے علوم کی نشر و اشاعت کی جائے، اس کی پیروی کی تمام عالم کو دعوت دی جائے اور اس کے ہر امر و نہی کے سامنے اعتراف و تسلیم کا سر خم کر دیا جائے۔

رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لیکر آیا ہے اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقع پر اس کی نصرت کے لئے سربکف حاضر رہے اس کے اصحاب اور اس کے اہل بیت کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔ ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے، ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے، ان کے پیچھے نمازیں ادا کی جائیں جو صدقات بیت المال کا حق ہیں وہ ان کو ایمانداری کے ساتھ بآسانی پہنچا دیئے جائیں اور ان کے ساتھ غداری نہ کی جائے۔ عام مسلمانوں کی نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ دنیوی اور اخروی سب مصلحتیں ان کو بتادی جائیں، ان کو ایذا نہ دی جائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

عَنْ حُلَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَا يَهْتُمُ بِأَعْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ

لَمْ يُمْسِ وَيُصْبِحْ نَاصِحًا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِأَمَامِهِ وَلِعَامَةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ. (اخرجه الطبرانی)

حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

عَنْ أَبِي أُمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَحَبُّ مَا تَعَبَّلَنِي بِهِ عَبْدِي النَّصْحُ لِي. (احمد)

ابو امامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا طریقہ جو میرا بندہ میری فرمانبرداری کے لئے اختیار کرتا ہے میری خیر خواہی کرنی ہے۔ (مسند احمد)

عَنْ حَكِيمِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ. (اخرجه احمد)

ابو یزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی سے خیر خواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیر خواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ بِالْخَيْفِ مِنْ مَنَى ثَلَاثَ لَا يَغْلُ عَلَيْهِمْ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَمُنَاصَحَةُ وَلَاةِ الْأَمْرِ وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ. (رواه احمد وقد اخرجہ الدارقطني فی الافراد باسناد جيد)

جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا۔ حکام کی خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔ (مسند احمد۔ دار تظلی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین باتیں پسند فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیر خواہی کرتے رہو۔ (مسلم)

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً ثُمَّ لَمْ يَحْطُهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

معقل بن یسارؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیر خواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح:- ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ سے لیکر رعایا تک فریضہ خیر خواہی میں سب مشترک ہیں اگر رعایا میں کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصور وار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصور وار ہے جس مذہب میں باہم خیر خواہی کرنا اتنا اہم فرض ہو آج وہی قوم خیر خواہی سے اتنی خالی ہو جائے کہ کوئی کسی کا خیر خواہ ہی نظر نہ آئے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ

وَأَحْسَنَ عِبَادَةِ اللَّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ. (متفق علیہ)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دو گنا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اٹھادینا

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ

مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه الخمسة الا ابو داؤد)

حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کیلئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح :- کہنے کو تو یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آ سکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے۔ یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مدارج تہذیب طے کر چکا ہے اس میں خود غرضی اور طمع کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا۔ اسی کے لئے تمام ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر و نواہی کا بلند مقصد ہے۔ غالباً صوفیاء کرام اسی کو مرتبہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فناء کے اثرات میں ایک اثر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذْ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ

فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمَ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَقَالَ خَمْسًا فَقَالَ إِنْ

الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَأَحْسِنُ إِلَى جَارِكَ

تَكُنْ مُؤْمِنًا وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ

الضَّحْكَ تُمِيتُ الْقَلْبَ. (رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث غریب)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتا دے جو ان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گزار بندے شمار ہو گے اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مومن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لئے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قہقہے نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ (مسند احمد - ترمذی)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْفَضْلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ

تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَنْ

تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواه احمد)

معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہتر سے بہتر ہو، آپ نے فرمایا اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یاد الہی میں لگائے رکھنا، پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لئے پسند کرنا وہی سب کے لئے پسند کرنا اور جو اپنے لئے برا سمجھنا وہی سب کے لئے برا سمجھنا۔ (مسند احمد)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحَاسِنُهُمْ أَخْلَاقًا الْمُوْطِنُونَ أَكْنَا فَا لَمْ يَبْلُغْ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيْمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ وَحَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بَرَأَيْتَهُ. اخرجہ ابن عساکر وفيہ کوثر بن حکیم متروک لکن له شواہد بلغه مرتبة الحسن.

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکنے والے ہیں۔ کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سب کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے۔ (ابن عساکر)

تشریح:- اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصیح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جز ہے یہ صفت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ سینہ حسد، بغض، کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک و صاف ہو جائے گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور بہت سے کمالات کے ثبوت اور بہت سے عیوب کے ازالہ کا محتاج ہے اسی لئے اس صفت کو ایمان کی حقیقت، جنت کیلئے موقوف علیہ، کمال ایمانی کا معیار اور آپ کی وصیت میں جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔ یہ مختلف الفاظ نہیں بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو اسی ایک صفت میں پنہاں ہیں۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سَيْدٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبُّ الْجَنَّةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَحَبُّ لَأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ. (اخرجہ البخاری)

یزید بن اسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کیا کرو۔ (بخاری)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَلِيثَ بِطُولِهِ إِلَى أَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْصِنِي قَالَ أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَزِينُ لَأَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِطُولِ الصَّوْمِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ وَإِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الصَّحْحِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَيُلْهِبُ بُنُورَ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ قُلِ الْحَقُّ وَإِنْ كَانَ مُرًا قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَأَنْتُمْ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لِيَحْبُرَكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ. (رواه البيهقي في شعب الان)

ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی، اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہر معاملہ میں خدائے تعالیٰ کا خوف رکھنا۔ بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہو جائے گا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لئے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معاف رکھنا۔ (بیہقی)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَعُوذُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه الترمذی والدارمی)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرنا، جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جانا، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرنا۔ (ترمذی۔ دارمی)

عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ الْقُرَشِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ بِلَالِ بْنِ أَبِي بَرْدَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالَ أَصْلَحَ اللَّهُ الْأَمِيرَ إِنَّ أَهْلَ الطُّفِّ لَا يُؤْذُونَ زَكَاتَهُمْ وَقَدْ عَلِمْتُ ذَلِكَ فَأَخْبَرْتُ الْأَمِيرَ قَالَ بِلَالُ مِمَّنْ أَنْتَ قَالَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ فَكَتَبَ لِصَاحِبِ شُرْطَتِهِ يَسْأَلُ عَنْهُ عَبْدُ الْقَيْسِ فَقَالَ وَجَدْتُهُ يَغْمُرُ فِي حِسْبَةٍ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَبِي مُوسَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه الطبرانی)

ابو الولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبد القیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو ہمیشہ صحیح و سلامت رکھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لئے (ازراہ خیر خواہی) میں نے اس بات کی امیر المؤمنین کو اطلاع کر دی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے اس نے کہا قبیلہ عبد القیس کا پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق

عبدالقیس سے تحقیق کریں انہوں نے جواب دیا میں نے ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انہوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابو موسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (طبرانی)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُخْزَخَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكُهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ الْبِدَى يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ. (رواه مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہئے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أَحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَتَأَمَّرَنَّ عَلَيَّ اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ. (رواه مسلم)

ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابو ذرؓ؟ تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لئے دیکھو دو شخصوں کے بھی ہرگز امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

تشریح:- ابو ذرؓ فطرۃ ایک نہایت عابد (عبادت کرنیوالے) و زاہد اور یکسو مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی کو آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہوگا اس کے لئے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لئے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابو ذرؓ میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کر دی جاتی۔ پس آپ کی خیر خواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ولایت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیر خواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہئے کہ اس میں بھی اسی کی خیر خواہی مضمون تھی۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أَحِبُّ لَكَ مَا أَحِبُّ لِنَفْسِي وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تَقْعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رواه الترمذی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کہ اپنے سرین زمین پر رکھ کر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے۔

تشریح:- اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی لئے بڑی سے بڑی خصوصیت کے موقع پر بھی اسلام کی یہ عمومی سنت غیر اختیاری طور پر زبان سے نکلی چلی جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرنے کے لئے مؤثر سے مؤثر تعبیر صرف یہ ہے کہ مخاطب کو یہ یقین دلادیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر دوئی نہیں سمجھتا جب تک اغراض نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجُوزٌ فَقَالَ مَنْ أَنْتِ قَالَتْ جَثَامَةُ الْمُزْنِيَّةُ قَالَ بَلْ أَنْتِ حَسَانَةُ الْمُزْنِيَّةُ كَيْفَ خَالِكُكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَيْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبَلُ هَذَا الْإِقْبَالُ عَلَى هَذِهِ قَالَتْ إِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِينَا أَيَّامَ خَدِيجَةَ وَإِنْ حُسِنَ الْعَهْدُ مِنَ الْإِيمَانِ. (اخرجه الحاكم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو؟ اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم تو حسانہ مزنیہ ہو اچھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گزرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی توجہ آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے۔ (حاکم)

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا احاطہ کتنا وسیع ہے۔

گاہ بگاہ ترکِ زینت

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ إِيَّاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ ذَكَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عِنْدَهُ اللَّيْلُ فَقَالَ لَا تَسْمَعُونَ إِلَّا تَسْمَعُونَ الْبَدَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ إِنَّ الْبَدَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ. (اخرجه احمد وابن ماجه والحاكم)

ابو امامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ بگاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے۔ (ابن ماجہ۔ حاکم)

تشریح:- اسلام نے بناؤ سنگھار کرنا کسی وقت بھی پسند نہیں کیا اور ناز و نعمت اور عیش و طرب (خوشحالی) کی زندگی اگرچہ جائز حدود میں رہ کر ہو، اس کو بھی مکروہ سمجھا ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت (خلوت نشینی) اور بد حالی اور عام طور پر تقشف سے بھی روکا ہے۔ جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ بگاہ (کبھی کبھار) ایسی زندگی گزارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ سے جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا نہ ہونے پائے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے اسی کے ساتھ ذلت و خواری

کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لئے ہے اس لئے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو جو انسان کے لئے سوسائٹی میں موجب ذلت ہو۔ اس دعاء کو ملاحظہ فرمائیے اور اسلام کے اصلی مقصد کو پہنچ جائیے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیراً۔

”اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں تو پست کر دے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کر دے۔“ پس تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ (کبھی کبھار) زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیثِ نعمت کی نیت ہونی چاہئے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہئے تکبر کی نیت سے زینت اور احساسِ کمتری کی بناء پر بذات دونوں بلند اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ بالفاظِ دیگر یوں سمجھ لو کہ جب انسان کی عملی حالت میں گاہ بگاہ بذاتِ نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس کی یہ ترک زینت احساسِ کمتری کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بناء پر نہیں۔ بلکہ ایک عبد کی اپنے مولیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے لئے ہے پس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیلِ خصائل و ملکات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں۔ ان اللہ یحب معالی اللھم۔ اللہ تعالیٰ بلند ہمت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تکبر و وقار اور تواضع و ذلت میں بڑا فرق ہے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ التباس (فرق نہ سمجھنا) پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ وقار ایک مطلوب صفت ہے اور تکبر انتہاء درجہ مذموم اسی طرح تواضع انتہاء درجہ مطلوب ہے اور ذلت اسی درجہ مکروہ حتیٰ کہ ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ان المؤمن لا یذل نفسہ۔ مومن اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا اور کیسے ذلیل کر سکتا ہے جبکہ خود رب العزت نے اس کو عزیز بنایا ہے۔ مومن کے متعلق ذلت کا تخیل (خیال کرنا) نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ جب رئیس المنافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق یہ کلمہ زبان سے نکالا لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل۔ الآیہ۔ تو ان کے بیٹے جو اس وقت حلقہِ گوشِ اسلام (اسلام میں داخل) ہو چکے تھے فوراً تلوار کھینچ کر سامنے آ گئے اور فرمایا خدا کی قسم جب تک تو یہ اقرار نہ کر۔ لے کہ ذلیل تو ہے اور عزت والے صرف آپ کے صحابہ ہیں اس وقت تک تیری خیر نہیں۔ آخر اس سے یہ اقرار لیکر چھوڑا پس تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے۔

اچھا طور و طریق، متانت اور میانہ روی

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتَّوَدُّةُ وَالْإِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ جُزْءً مِنَ النَّبُوءَةِ. (رواه الترمذی)

عبداللہ بن سرجس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اچھا طور و طریق متانت اور

میانہ روی نبوت کا چوبیسواں جزء ہے۔ (ترمذی)

تشریح:- انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ان ہی اجزاء کے اختیار کرنے سے سنور جاتی ہے اور ان کے ترک کرنے سے بگڑ جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک ایک لفظ انسان کی معاش اور معاشرت کا مستقل ایک ایک باب ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ وَالسُّمْتُ الْحَسَنَ وَالْإِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءً مِنَ النَّبُوَّةِ. (رواه ابوداؤد)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور سمت حسن اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جزو ہے۔ (ابوداؤد)
تشریح:۔ ان دونوں روایتوں میں صرف ایک جزو کا اختلاف ہے، یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے دوسری احادیث میں سچے خوابوں کو نبوت کا چھالیسواں جزو قرار دیا گیا ہے۔

سمت حسن انسان کی قوت عاملہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔
حق تعالیٰ جس طرح نبی کی قوت عاقلہ (عقل کا طاقت ور ہونا) میں زیادتی عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی قوت عاملہ (کام سرانجام دینے کی قوت) میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے اور اسی وجہ سے سمت صالح اس کے نصیب میں آ جاتی ہے پھر وہ سیاست مدینہ، تدبیر منزل اور جملہ آداب و عادات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آ سکتی اس کو اخلاق، بہادری اور سیاست و عدالت اور ہر وقت و محل کے مناسب نامناسب مصلحتوں کی معرفت بھی بخش دیتا ہے اسی جزو کی طرف حدیث السمات الصالح میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (قرۃ العینین ص ۴۱)

شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہو گئی اور اسی سے اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہو گئے۔
یہ بات قابل یادداشت ہے کہ شعب اسلام کے مختلف شعبے میں جن اعمال کو اجزاء نبوت یا سنت نبوت کہا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا سہل ممتنع (آسان لیکن مشکل) کے قریب ہے ان اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے ارباب حقائق (حقیقتوں کے جاننے والے) نے اعمال صالحہ سے جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں اس لئے جن سعید اور بلند طبائع میں قرب نبوت سے مناسبت ہوا نہیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور ان حدیثوں کو محض ایک اسلوب تاکید خیال کر کے معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔



اخلاص کی اہمیت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِأَمْرٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَرَوُّهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: ”سب انسانی اعمال کا دار و مدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور خدا اور رسول کی رضا جوئی و اطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا) تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ و رسول ہی کی طرف ہوئی (اور) رشک وہ اللہ و رسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ و الرسول کا مقرر اجر ملے گا) اور جو کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ”مہاجر“ بنا تو (اس کی ہجرت اللہ و رسول کے لئے نہ ہوگی، بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی عند اللہ بس اسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا وہ خود مطلب خیر ہے اور نفس مفہوم کے بیان کے لئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں، لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے مطالب و فوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح و فساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اُسی کی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہوگی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو ”عمل صالح“ کسی بُری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا، بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا، اگرچہ ظاہری نظر میں ”صالح“ ہی معلوم ہو۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے اس کے یہاں ہر عمل کی قدر و قیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائے گی۔

ایک اہم وضاحت

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دار و مدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا مثلاً، اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل

ہوگا، اس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام فی نفسہ برے ہیں اور جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے ان میں حسن نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ تو بہر حال قبیح اور موجب غضب الہی ہیں بلکہ ان کے ساتھ اچھی نیت کرنا اور ان پر ثواب کی امید رکھنا شاید ان کی مزید قباحت کا اور سزا میں زیادتی کا باعث ہو کیونکہ یہ اللہ کے دین کے ساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہوگا، بلکہ حدیث کا منشاء ”اعمال صالحہ“ کے متعلق یہ جتلانا ہے کہ وہ بھی اگر کسی بری نیت سے کئے جائیں گے تو پھر ”اعمال صالحہ“ نہیں رہیں گے، بلکہ بُری نیت کی وجہ سے ان کا انجام بُرا ہی ہوگا۔ مثلاً جو شخص نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتا ہے جس کو ہم اعلیٰ درجہ کا عمل صالح سمجھتے ہیں وہ اگر یہ خشوع و خضوع اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی دینداری اور خدا پرستی کے متعلق اچھی رائے قائم کریں اور اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے تو اس حدیث کی رو سے اس کی یہ خشوع و خضوع والی نماز اللہ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی، یا مثلاً ایک شخص دارالکفر سے دارالایمان کی طرف ہجرت کرتا ہے اور اس کے لئے ہجرت کی ساری مشقتیں اور مصیبتیں سہتا ہے لیکن اس کی غرض اس ہجرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہیں بلکہ کوئی اور دنیاوی غرض پوشیدہ ہے، مثلاً دارالہجرت میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کی خواہش اس ہجرت کے لئے محرک ہوئی ہے تو یہ ہجرت اسلام نہ ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہ ہوگا، بلکہ الٹا گناہ ہوگا، بس یہی ہے اس حدیث کا اصل منشاء۔

ریا کاری کی نحوست

ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالت الہیہ سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا۔ وہ جب حاضر عدالت ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اس کو اپنی نعمتیں جتائے گا اور یاد دلائے گا وہ اس کو یاد آ جائیں گی پھر اس سے فرمایا جائے گا بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور کیا عمل کئے؟ وہ عرض کرے گا خداوند میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جان عزیز تک قربان کر دی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو صرف اس لئے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو چکا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اسی طرح ایک ”عالم دین“ اور ”عالم قرآن“ حاضر عدالت کیا جائے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھا اور پڑھایا، اور یہ سب تیری رضا کے لئے کیا، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو عالم، قاری اور مولانا کہلانے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا، پھر حکم خداوندی اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص پیش ہوگا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہوگا اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوند میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کے لئے اپنا مال خرچ نہ کیا ہو، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے صرف اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ دنیا تجھ کو بخنی کہے تو دنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہوا۔ پھر اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

الغرض اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی محض رضائے الہی کے لئے کیا گیا ہو، دین کی

خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

اخلاص دین کا تہائی حصہ

یہ حدیث اُن ”جامع الکلم“ میں سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن مختصر مگر جامع اور وسیع المعنی ارشادات میں سے جو مختصر ہونے کے باوجود دین کے کسی بڑے اہم حصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور ”دریا بکوزہ“ کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آئمہ نے کہا کہ ”اسلام“ کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آ گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان آئمہ نے فرمایا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے، کیونکہ اصولی طور پر اسلام کے تین ہی شعبے ہیں۔ ایمان (یعنی اعتقادات) اعمال اور اخلاص۔ چونکہ یہ حدیث اخلاص کے پورے شعبہ پر حاوی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس میں آ گیا ہے..... اور پھر اخلاص وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر کام میں اور ہر قدم پر ہے، خاص کر جب بندہ کوئی اچھا سلسلہ شروع کرے خواہ وہ علمی ہو یا عملی تو وہ اس کا حاجت مند ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس کے سامنے ہو، اسی لئے بعض اکابر نے اپنی مؤلفات کو اسی حدیث سے شروع کرنا بہتر سمجھا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی ”جامع صحیح“ کو اور ان کے بعد امام بغوی نے ”مصابیح“ کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے، گویا اسی کو ”فاتحۃ الکتاب“ بنایا ہے اور حافظ الحدیث ابن مہدی سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی دینی کتاب تصنیف کرے اچھا ہو کہ وہ اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کرے (آگے فرمایا) اور اگر میں کوئی کتاب لکھوں تو اس کے ہر باب کو اسی حدیث سے شروع کروں گا۔ (فتح الباری)

حدیث جبرائیل علیہ السلام

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي الْإِسْلَامَ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ ، قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ، قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ ، قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْخُفَاءَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّيْءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مِنَ السَّائِلِ ؟ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِئِيلُ آتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ . (رواه مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت اُن سے خطاب فرما رہے تھے۔ فتح) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے، اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نووارد کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے، تو یہ حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر دوڑا اور اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمد! مجھے بتلائیے کہ ”اسلام“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”اسلام“ یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ ”اللہ“ کے سوا کوئی ”الہ“ (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو، اس نووارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا۔ راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے، اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلائیے کہ ”ایمان“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر یعنی روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو، (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لوٹڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی، (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے، اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے، تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے، اسلام، دوسرے ایمان، تیسرے احسان، چوتھے قیامت کے متعلق انتباہ کہ اس کا وقت خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، اور پانچویں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ شرع طلب ہے۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا اور بالکل اُسی کے تابع فرمان ہو جانا..... اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے ”دین“ کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ اُس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے اور یہی اصل حقیقت ”دین اسلام“ کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے۔ فرمایا گیا ”فَالِهٰكُمُ اللّٰهُ وَاحِدٌ فَلَمَّا اَسْلَمُوا“ (ج ۲۲: ۳۴) (تمہارا! اللہ وہی الہ واحد ہے، لہذا تم اسی کے ”مسلم“ یعنی مطیع ہو جاؤ) اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے ”وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ“ (نساء ۴: ۱۲۵) (اور اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح ”مسلم بندہ“ ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے ”وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ“ (آل عمران ۳: ۸۵) (یعنی جس نے ”اسلام“ کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھائے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا) بہر حال ”اسلام“ کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس ”اسلام“ کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس ”حقیقت اسلام“ کے ”پیکر محسوس“ کی سی ہوتی ہے، اور اس حقیقت کا نشوونما اور اس کی تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے، اور وہ صرف تعبدی امور ہوتے ہیں، اور ظاہری نظر انہی ”ارکان“ کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستور حیات ”اسلام“ کو بنایا ہے، اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”اسلام“ کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدیؐ کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو ”ارکان اسلام“ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے ”بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ اَلْح“ (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے) بہر حال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں ”اسلام“ کے جواب میں بیان فرمایا ”ارکان اسلام“ ہیں اور یہی گویا ”اسلام“ کے لئے ”پیکر محسوس“ ہیں۔ اسی واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

ایمان کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی حق بات کو سچ ماننے کے ہیں۔

۱ (فِي التَّنْزِيلِ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ۔ سورۃ یوسف ۱۲: ۱۷)

اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر! ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کر لیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب ہی سے ہوتا ہے

جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے۔

(اسی واسطے ”ایمان“ کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کمال قال تعالیٰ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔)

مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد اور مبدء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔

جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کے لئے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقہ سے ہو، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔

پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ”كُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“ کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفسِ ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر و شر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر صراحۃً اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآن پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورہ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ. (بقرہ ۲: ۲۸۵)

رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مومنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے

ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲۔

وَمَنْ يُكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (نساء: ۱۳۶)

جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ

بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲۔

ان امورِ ششگانہ میں سے ”تقدیرِ خیر و شر“ کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحتہ بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ. (نساء: ۷۸)

(اے پیغمبر! آپ اعلان فرمادیئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے) اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ

ضَيِّقًا حَرَجًا. الآية. (العام ۱۲۵: ۶)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ”اسلام“ کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے۔ ۱۲۔

اب مختصر آئیہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سوال اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود و وحدہ لا شریک خالق کائنات اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب و نقص کی ہر بات سے پاک اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ۔ (انبیاء: ۲۶) (بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں) ۱۲۔

جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ) (تحریم: ۶۶)

(وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں) ۱۲۔

ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں)

احسان کی وضاحت

احسان۔ اسلام و ایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ”احسان“ کے متعلق کیا تھا

کہ ”مَا الْإِحْسَانُ؟“ یعنی ”احسان“ کی کیا حقیقت ہے؟

یہ ”احسان“ بھی ایمان و اسلام کی طرح خاص دینی اور بالخصوص قرآنی اصطلاح ہے۔ فرمایا گیا ہے ”بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ“ وہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور اس کے ساتھ ”احسان“ کا

وصف بھی اس میں ہوا تو اس کے رب کے پاس اس کے لئے خاص (اجر ہے)۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ”وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ“ (اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا

کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان بھی ہے)

ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو ”احسان“ کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں لیکن یہاں جس

”احسان“ کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی یعنی خدا کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار و قدوس اور ذوالجلال و الجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے، عموماً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولیٰ کے ساتھ بھی ہے جس وقت وہ بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولیٰ حاضر ناظر ہے، میرے ہر کام بلکہ میری ہر حرکت اور ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی ہوگی، جو اس وقت میں نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس احساس سے خالی ہو تو ”احسان“ یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ:

(الاحسان) أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

احسان اس کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تم کو دیکھتا ہی ہے۔

قیامت اور اس کی علامات

یعنی ”قیامت“ اسلام ایمان اور احسان کے متعلق سوالوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سائل نے عرض کیا تھا ”فَاخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟“ (یعنی مجھے قیامت کی بابت بتلائیے کہ کب آئے گی؟) آپ صلی اللہ نے جواب دیا ”مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ“ (یعنی جس سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو خود اس بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے) یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم جس طرح سائل کو نہیں ہے مجھے بھی نہیں ہے۔ اس حدیث کی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں (جو صحیح بخاری میں بھی ہے) اس موقع پر یہ الفاظ اور ہیں ”فَلَيْ خُمْسٍ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں (میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) یہ مزید افادہ فرمایا کہ یہ (وقت قیامت تو) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کے متعلق قرآن کریم کی اس آیت ”إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْخ“ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے سوال کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ ”مجھے اس کا علم نہیں“ یہ پیرایہ بیان (کہ اس بارے میں مسئلہ عنہ کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) اس لیے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو

جائے کہ کسی سائل اور کسی مسئلہ کو بھی اس کا علم نہیں ہے اور آیت قرآنی تلاوت کر کے آپ نے اس کو اور زیادہ محکم فرمادیا۔
وقت قیامت کے متعلق مذکورہ بالا جواب پانے کے بعد سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ”فَاخْبِرْنِي عَنْ
أَهَارِئِهَا“ (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟) اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔
ایک یہ کہ ”لوٹڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی“ اور دوسری یہ کہ نادار اور ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں
چرانا ہوگا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

پہلی جو نشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے۔ لیکن سب
سے زیادہ رائج توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ لڑکیاں جن کی سرشت میں
ماؤں کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے وہ بھی
نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح ایک مالکہ اور سیدہ اپنی زر
خرید باندی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ ”عورت اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی“ یعنی عورت سے
جو لڑکی پیدا ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکومت چلائے گی اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتداء ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی حضرت نے بیان فرمائی کہ ”بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں
گے۔“ تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیاوی دولت و بالاتری ان اراذل کے ہاتھوں میں آئے گی جو ان
کے اہل نہ ہوں گے اور ان کو بس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہوگا اور اسی کو وہ سرمایہ فخر و مباہات سمجھیں گے اور
اس میں اپنی اولوالعزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے ”إِذَا وَسَّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ
السَّاعَةَ“ (یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نا اہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو)

زیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس سائل کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ سائل جبریل امین تھے
اور اس لیے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔
اس حدیث کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی یہ آمد اور گفتگو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری و عمدة القاری)

گویا تیس سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبریل علیہ السلام کے ان
سوالات کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علم کی تکمیل کر دی جائے اور ان کو اس امانت کا امین بنادیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں:

(۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنادے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنالے اور اسی کا نام

اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔

(۲) ان اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔

(۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام و ایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا احتضار اور دل کو مراقبہ حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی فرمانبرداری و بندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف و حال کا نام احسان ہے۔

اسی طرح اس سوال و جواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آگیا اور اسی لیے اس حدیث کو علماء نے ”اُم السنہ“ بھی کہا ہے۔ گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطلب اور مضامین پر بالا جمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ کا نام ”اُم الکتاب“ ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے ”اُم السنہ“ کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں ”مصابیح“ اور ”شرح السنہ“ کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابہ کرام سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

اسلام کے پانچ ارکان

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَالْحَجُّ وَصَوْمُ رَمَضَانَ. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں“ (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔“ (بخاری)

تشریح:..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتلایا ہے کہ عمارت اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکان خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اس لیے اسلام کا رکن صرف ان ہی کو قرار

دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ”ارکان خمسہ“ اسلام کے لیے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں۔ نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب و مقصود ہیں اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے کہ ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

ارکان اسلام کی فضیلت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نَهَيْتُنَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلُهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدًا إِنَّا نَسْأَلُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللَّهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ قَالَ اللَّهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ قَالَ: اللَّهُ قَالَ فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ اللَّهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خُمُسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى قَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْتُنِي صَدَقَ لَيْتُنِي خَلْتُ الْجَنَّةَ. (رواه البخاري ومسلم شريف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کردی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں تو ان ہی ایام میں ایک بدوی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”اے محمد! تمہارا قاصد (یا مبلغ) ہمارے پاس پہنچا تھا اس نے ہم سے بیان کیا کہ تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس نے تم سے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد اس بدوی نے کہا تو بتلاؤ کہ آسمان کس نے بنایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے! اس نے کہا: زمین کس نے بنائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے۔ اس نے کہا زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کیے ہیں اور ان پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے! اس کے بعد اس بدوی سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: پس! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آسمان بنایا زمین بنائی اور اس پر پہاڑ نصب کیے کیا اللہ ہی نے تم کو بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے۔ پھر اس نے کہا تمہارے اُس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اس نے تم سے ٹھیک کہا۔ اس بدوی نے کہا: تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی! کیا اللہ نے ہی آپ کو ان نمازوں کا بھی حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہاں! یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔ پھر بدوی نے کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی اس نے تم سے سچ کہا۔ اعرابی نے کہا: تو قسم ہے آپ کو بھیجنے والے کی کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ پھر اس اعرابی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اس نے سچ کہا۔ اعرابی نے عرض کیا: تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس کے بعد اعرابی نے کہا: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ ہم میں سے جو حج کے لیے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اس نے سچ کہا۔“ (راوی کا بیان ہے کہ) یہ سوال و جواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا اور چلتے ہوئے اس نے کہا: ”اُس ذات کی قسم! جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔“ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”اگر یہ صادق ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔“ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح:..... شروع حدیث میں ”سوال کی ممانعت“ کا جو ذکر آیا ہے اس کا اشارہ قرآن پاک کی آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلْكُمْ تَسْأَلُوهُمْ“ کی طرف ہے۔ بات یہ ہے کہ نئے نئے سوالات کرنا انسان کی فطرت ہے لیکن اس عادت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبائع کا رجحان موشگافیوں ہی کی طرف زیادہ بڑھ جاتا ہے اور ان میں باتوں کی کھود کرید زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور عمل اسی نسبت سے کم۔ نیز اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بالخصوص پیغمبر وقت سے زیادہ سوال کرنے میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی جانب سے جواب ملنے کے بعد امت کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ غرض ان ہی وجوہ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی ممانعت فرمادی گئی تھی جس کے بعد وہ بہت ہی کم سوال کرتے تھے اور اس کے آرزو مند رہا کرتے تھے کہ کوئی بدوی آئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھ لیں تو ہم کو بھی کچھ سننے کو مل جائے کیونکہ پیارے بدویوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بڑی وسعت تھی اور اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی یہ تصریح بھی اس بارے میں مروی ہے کہ ”بدوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سوالات میں بڑے جری تھے اور جو چاہتے تھے بے دھڑک پوچھتے تھے۔“ (فتح الباری بحوالہ صحیح ابی حوانہ)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ فَأَخَذَ بِحِطَامِ نَاقَتِهِ (أَوْ بِزِمَامِهَا) ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أَوْ يَا مُحَمَّدَ) أَخْبِرْنِي بِمَا يَقْرَبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَكَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَظَرَ فِي أَصْحَابِهِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وَفَّقَ (أَوْ لَقَدْ هَدَى) قَالَ كَيْفَ قُلْتَ؟ فَأَعَادَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَةَ. (رواه مسلم)

حضرت ابویوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی سامنے آکھڑا ہوا اور

اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کی مہار پکڑ لی پھر کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام مبارک لے کر کہا اے محمد! مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے قریب اور آتش دوزخ سے دور کر دے؟ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا جواب دینے کے لیے اپنی ناقہ کو روک لیا) پھر اپنے رفقاء کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور (ان کو متوجہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو اچھی توفیق ملی (یا فرمایا کہ اس کو خوب ہدایت ملی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سائل سے فرمایا کہ ”ہاں! ذرا پھر کہنا تم نے کس طرح کہا؟ سائل نے اپنا وہی سوال پھر دہرایا (مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے نزدیک اور دوزخ سے دور کر دے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرو۔“ (یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسب مراتب اچھا سلوک رکھو اور ان کے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بدوی سے فرمایا کہ ”اب ہماری ناقہ کی مہار چھوڑو۔“ (مسلم شریف)

تشریح:..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت سے قریب اور جہنم سے بعید کرنے والے اعمال میں سے صرف اللہ کی خالص عبادت، اقامت صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی ہی کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے لیے بس یہی چار باتیں کافی ہیں اور ان کے علاوہ جو فرائض و واجبات ہیں وہ غیر ضروری یا غیر اہم ہیں۔ ایسا سمجھنا اور احادیث میں اس قسم کی موثکافیاں پیدا کرنا فی الحقیقت سلامت فہم اور خوش مذاقی سے بہت دور ہے۔ حدیث کے طالب علم کو یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے ایک شفیق معلم اور مشفق مربی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مصنف اور مؤلف نہیں ہیں اور شفیق معلم کا طریقہ یہی ہوتا ہے اور یہی اُس کے لیے صحیح بھی ہے کہ وہ جس موقع پر جس بات کی تلقین و تعلیم زیادہ مناسب سمجھتا ہے بس اس وقت اتنی ہی بات بتلاتا ہے۔ یہ طریقہ ”مصنفوں“ کا ہے کہ جہاں وہ جس موضوع پر کلام کرتے ہیں اس کے تمام اطراف و جوانب اور مالہ و ماعلیہ کو اُسی جگہ بیان کرتے ہیں کسی شفیق و معلم مربی کی تعلیم و تلقین میں بھی مصنفین و ارباب فنون کا یہی طرز بیان تلاش کرنا درحقیقت خود اپنی بدذوقی ہے۔ پس روزہ حج اور جہاد وغیرہ کا اس حدیث میں جو ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت اس سائل کو ان ہی چار باتوں کی تذکیر و ترغیب کی خاص ضرورت تھی اور شاید اس کا سبب یہ ہو کہ عموماً ان ہی چار چیزوں میں لوگوں سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی اقامت صلوٰۃ، اداائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی میں غفلت و کوتاہی اور اللہ کے ساتھ شرک کا خطرہ دوسری قسم کی کوتاہیوں سے زیادہ رہتا ہے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزہ اور حج جن پر فرض ہے ان میں ان کے تارک اتنے نہیں ہیں جتنے نماز و زکوٰۃ اور صلہ رحمی وغیرہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کرنے والے ہیں یا جو کسی قسم کے جلی یا خفی شرک میں ملوث ہیں ایسے آدمی تو شاید تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں جو نماز و زکوٰۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تو کما حقہ پابند ہوں لیکن روزہ اور حج باوجود فرضیت کے ادا نہ کرتے ہوں لیکن آپ ایسوں کو گن بھی نہیں سکتے جو رمضان آنے پر روزے تو رکھ لیتے ہیں مگر نماز کے پابند نہیں یا اگر حج تو انہوں نے کر لیا ہے لیکن زکوٰۃ اور صلہ رحم جیسے حقوق عباد کے معاملے میں وہ سخت کوتاہ کار ہیں۔ الغرض بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وَاللّٰهُ سَلَّمَ نَے اُس وقت صرف ان ہی چار باتوں کی تلقین پر اکتفا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم
صحیح مسلم ہی کی اس حدیث کی دوسری روایت کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر یہ مضبوطی سے ان احکام پر عمل کرتا رہا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔“

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ
ثَابِرِ الرَّأْسِ نَسَمِعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ
وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِ هُنَّ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِهِ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعَ قَالَ فَادْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ
يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ أَفْلَحَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا اور اس کے سر کے بال
بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو آیا، ہم اس کی بھنبھناہٹ (گونج) تو سنتے تھے مگر (آواز
صاف نہ ہونے کی وجہ سے اور شاید فاصلے کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو) ہم اس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ
”مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلائیے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان کے میرے لیے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے“) آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں اور اسلام میں یہ سب سے اہم اور اول فریضہ ہے)“
اس نے عرض کیا کہ ”کیا ان کے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے لیے لازم ہوگی؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں!“ (فرض تو بس
یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرضوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں
پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو)“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور سال میں پورے مہینے رمضان کے روزے فرض کیے گئے
ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے)۔ اس نے عرض کیا ”کیا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ بھی میرے لیے لازم ہوگا؟“ آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں!“ (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نفل روزے رکھو
(اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب اور ثواب حاصل کرو) راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فریضہ
زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا اس پر بھی اس نے یہی کہا کہ ”کیا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لیے ضروری ہوگا؟“ آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”(فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفل صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل
کرو)۔“ راوی حدیث طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا
تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے) میں اس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی یہ بات سن کر) فرمایا: ”فلاح پالی اس نے اگر یہ سچا ہے۔“ (بخاری ومسلم)

ارکان اسلام کی دعوت کا دستور العمل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَأَدْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: ”تم وہاں اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہنچو گے پس جب تم ان کے پاس جاؤ تو (سب سے پہلے) ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ شہادت دیں (یعنی دل و زبان سے قبول کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں اور یہ شہادت ادا کریں تو پھر ان کو بتلانا کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں؟ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو اس کے بعد تم ان کو بتلانا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو قوم کے مالداروں سے لی جائے گی اور اسی کے فقراء و مساکین کو دے دی جائے گی پھر اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو پھر (زکوٰۃ وصول کرتے وقت چھانٹ چھانٹ کے) ان کے نفیس نفیس اموال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بہت بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔“ (بخاری و مسلم شریف)

تشریح:..... امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۰ ہجری میں اور اکثر علماء سیر و اہل مغازی کے نزدیک ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور رخصت کرتے وقت اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو یہ ہدایات دی تھیں..... بعض لوگوں کو اس حدیث میں بھی یہ اشکال ہوا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا حالانکہ اس وقت روزہ اور حج کی فرضیت کا حکم بھی آپ کا تھا۔ شارحین نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ اس ناچیز کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس تو جیہ یہ ہے کہ حضرت معاذ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت دی۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اسلام کے ان تمام احکام و فرائض کو بتلانا نہ تھا جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تعلیم میں داعی اور معلم کو جو ترتیب اور تدریج اختیار کرنی چاہیے وہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتلا دیں اور وہ یہ ہے کہ ایک دم سارے اسلامی احکام و مطالبات اور شریعت کے تمام اوامر و نواہی لوگوں کے سامنے نہ رکھے جائیں اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا ان کے لیے بڑا مشکل ہوگا بلکہ سب سے پہلے ان کے سامنے تو حید و رسالت کو پیش کیا جائے جب وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا اور تمہارا واحد رب اور لا شریک مالک و مولیٰ ہے اس نے ہم سب پر پانچ

وقت کی نماز فرض کی ہے پھر جب وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو قوم کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور اس کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کر دی جائے گی۔

بہر حال حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ہدایت دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دعوت و تعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا باقی اسلام کے ضروری احکام اور ارکان حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہی تھے اس لیے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک نصیحت فرمائی کہ جب زکوٰۃ کی وصولی کا وقت آئے تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیداوار اور چوپایوں) میں سے بہتر زکوٰۃ میں لینے کے لیے چھانٹ لیے جائیں بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

سب سے آخری نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ دیکھو! مظلوم کی بددعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جا رہے ہو دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دُعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ وہ قبول ہو کے رہتی ہے۔ بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُورُهُ عَلَى نَفْسِهِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مظلوم کی دُعا قبول ہی ہوتی ہے اگرچہ وہ بدکار بھی ہو تو اس کی بدکاری کا وبال اس کی ذات پر ہے۔“ (فتح محمد) (یعنی فسق و فجور کے باوجود ظالم کے حق میں اس کی بددعا قبول ہوتی ہے)

اور مسند احمد ہی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا لَيْسَ ذُنُوبُهُ حِجَابًا

”مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے لیے کوئی روک نہیں ہے۔“ (عمدہ)

نجات کیلئے دین اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَمِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اُس اُمت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اُس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ

جب یہود و نصاریٰ جیسے مسلم اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات نہیں پاسکتے تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہر حال حدیث کا مضمون عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دورِ محمدی میں (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مر جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا بانٹنے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو الغرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات ممکن نہیں ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور ہدیہات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارَى مُتَمَسِّكًا بِالْإِنْجِيلِ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَةِ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعَكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ مِنِّي مِنْ يَهُودِي أَوْ نَصْرَانِي ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِي فَهُوَ فِي النَّارِ. (أَخْرَجَهُ الدَّارِقُطْنِيُّ فِي الْأَفْرَادِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ”یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے جو تورات کے احکام پر چلتا ہے اور وہ اللہ پر ان کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا تو فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سن لیا (یعنی میری دعوت اُس تک پہنچ گئی) اور اس کے بعد بھی اس نے میری پیروی اختیار نہیں کی تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔“ (دارقطنی)

ایمان پر نجات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ (شَكَّ الْأَعْمَشُ) قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ أَذْنَتْ لَنَا فَتَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْعَلُوا قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فَعَلْتَ قُلَ الظَّهْرُ وَلَكِنْ اذْعُهُمْ بِفَضْلِ أَرْوَادِهِمْ ثُمَّ اذْعُ اللَّهُ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبُرْكَ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُجْعَلَ فِي ذَالِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ لَدَعَا يَنْطَعُ قَبِيطُ ثُمَّ دَعَى بِفَضْلِ أَرْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُجِئُنِي بِكَفِّ ذَرَّةٍ قَالَ وَجَعَلَ وَيَجِئُنِي الْآخِرُ بِكَفِّ تَمْرٍ قَالَ وَيَجِئُنِي الْآخِرُ بِكُسْرَةٍ حَتَّى اجْتَمَعَ

عَلَى النِّطْعِ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٍ يُسِيرَ قَالَ ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُرْكَهٖ ، ثُمَّ قَالَ خُذُوا فِي أَوْعِيَّتِكُمْ قَالَ فَآخِذُوا فِي أَوْعِيَّتِهِمْ حَتَّى مَاتَرَكُوا فِي الْعُسْكَرِ وَغَاءَ إِلَّا مَلَنُوهُ قَالَ فَآكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا وَفَضَلَتْ فَضْلَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلْقَى اللَّهُ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍ فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ. (رواه مسلم)

اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا تھا یا (ابوسعید خدریؓ سے) کہ غزوہ تبوک کے دنوں میں (جب سامان خوراک ختم ہو گیا اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ ”حضرت! اگر اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کر لیں؟ پھر ان کو کھا بھی لیں اور ان سے روغن بھی حاصل کر لیں؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اچھا کر لو!“ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے ذبح کر ڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کھچے سامان خوراک کے ساتھ بلا لیجئے پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کر دینے کی دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرمادے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں ٹھیک ہے“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا بڑا دسترخوان طلب فرمایا، پس وہ بچھا دیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ان کا بچا کھچا سامان خوراک منگوایا، پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لیے آ رہا ہے، کوئی ایک مٹھی کھجوریں لا رہا ہے اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لیے چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ دسترخوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھر لو۔ چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے حتیٰ کہ (قریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا، حتیٰ کہ خوب سیر ہو گئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا۔ اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک و شبہ کے کامل یقین و اذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے پھر وہ جنت سے روکا جائے۔“ (مسلم)

تشریح:- حدیث کا مضمون ظاہر ہے جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جز سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کر کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے اور شک شبہ کی کوئی بیماری اس کے دل و دماغ کو نہ ہو اور اسی ایمانی حال میں اس کو موت آئے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر ”اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت“ ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنالینا ہوتا ہے اور اسی لیے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ

اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام کو اپنا دین بنالیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے اور اسلام کو اپنا دین بنالے اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو تو اگر اسی حال میں وہ مرجائے گا تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ“ کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے یا تو حید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔ الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے۔ اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر اور صرف ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ دراصل یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنالینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کی جائیگی۔ اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

(۱)..... اگر کوئی بڑا حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے اور کسی صاحب رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے اور اس بڑے کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تاثر نہ کرے۔

(۲) دُعا کا قبول ہونا اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے جس سے مؤمنین کے انشراح صدر اور اطمینان قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے۔ (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے یا جو اس قسم کے خوراق کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواه مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ ”جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔“ (مسلم)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِذْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْخَرَةٌ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذُ بْنُ

جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ قَالَ
قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً
ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ
إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ. (رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا اور میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا اور فرمایا: معاذ بن جبل!..... میں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک“ (یعنی میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں)..... پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”معاذ بن جبل!“ میں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“ (اس تیسری دفعہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟“ میں نے عرض کیا: اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے۔ ارشاد فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت و بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے۔“

تشریح:..... اس حدیث میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

(۱) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے اور آپ کے پیچھے آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تھی اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا وہ سامعین کے پیش نظر رہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔ دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے کہ اس وقت کی یہ جزی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح عشاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو دہانہ

انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دفعہ مخاطب کیا اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا..... اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں..... دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تردد اور توقف تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ بات بیان کر دی جائے یا نہ کی جائے اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا اور جب بیان فرمادینے ہی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر ہو گیا تب آپ نے بیان فرمایا..... لیکن ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے تھے اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہو جاتا تھا، اس وجہ سے درمیان میں یہ وقفے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کر لیا ہے کہ وہ ان کو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَاذُ رَدِيقُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِلَقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا قَالَ إِذَا يَتَكَلَّمُوا فَأَخْبِرْ بِهَا مَعَاذُ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِمًا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے پکارا اور فرمایا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“ تین دفعہ ایسا ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) ”جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کر دیا ہے۔“ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: ”کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کروں تاکہ وہ سب خوش ہو جائیں؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔“ پھر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے کتمان علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔ (رواہ البخاری و مسلم)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْلَبُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضٌ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَغَمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے (ایک دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو کوئی بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اس کو موت آ جائے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔“ ابو ذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو“ (ابو ذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا ”اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: ”ہاں! اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔“ (ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائے گا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: ”(ہاں!) ابو ذر کے علی الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔“ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے سے مراد پورے دین تو حید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا اور اس کو اختیار کرنا ہے اور بیشک جو شخص اس دین تو حید پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہو گا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اس نے گناہ بھی کیے ہوں گے تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہو گا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اُس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہو گا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جاسکے گا۔ بہر حال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بار بار اپنا سوال دہرایا تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے اُن کو اس پر تعجب تھا کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جاسکیں گے۔ گویا اُس وقت تک انہیں یہ

مسئلہ معلوم نہ تھا آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لیے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔“ (مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں بھی ”لا الہ الا اللہ“ پر یقین ہونے سے مراد وہی دین توحید پر ایمان رکھنا ہے اور دخول جنت کے وعدہ کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحب ایمان جنت میں ضرور ہو جائے گا۔

عَنْ عُثْبَانَ بْنِ مَالِكٍ (وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ) أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصْرِي وَأَنَا أَصْلَى لِقَوْمِي فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ تَأْتِينِي فَنُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَاتَّخِذْهُ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ عُثْبَانُ فَعَدَا عَلَى وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَتْ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حِينَ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَأَشْرُثَ لَهُ إِلَى نَاحِيَةِ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَّفْنَا فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ قَالَ فَتَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُوعَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِ أَوْ ابْنُ الدُّخَيْشِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَاكَ أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ؟ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَّبِعِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ. (رواه البخاري و مسلم شريف)

عثبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب میں سے ہیں جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نگاہ میں فرق آ گیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو ٹالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے تو میں ان کی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری

یہ خواہش ہے کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا۔ عقبان کہتے ہیں کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے یہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے آپ کو اجازت دی۔ پس جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں اور مجھ سے فرمایا: تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں پڑھوں؟ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کر دی۔ ہم بھی صف باندھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا۔ عقبان کہتے ہیں اور ہم نے آپ کو خیرہ کھانے کے لیے روک لیا جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے۔ پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دحیثن (یا ابن دحیثن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا کہ وہ تو منافق ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے محبت ہی نہیں ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کا قائل ہے اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے۔ اس کہنے والے شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے ہم تو اُس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یقیناً اللہ عز وجل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کر دیا ہے جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا ہی ہو۔“ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے ”قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے ”يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَآتَى رَسُولُ اللَّهِ“ ہے اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوت اسلام کو قبول کرنا اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے۔ دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہد نبوی میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن صحابی نے مالک بن دحیثن کو منافق کہا تھا اُن کی نظر میں بھی مالک بن دحیثن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اس کے سوانہ تھی کہ اُن کے خیال میں مالک بن دحیثن منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔ اس سے ایک طرف تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمانی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے اور اس کو منافقت سمجھتے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں تو ان کے بارے میں ایسی بدگمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابل لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ یہ مالک بن دحیثن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں سے ہیں جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِينَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ ابْتَغَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى آتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَارِ فَلَدَرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ أَبَا فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رَبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بَيْرِ خَارِجَةٍ (وَالرَّبِيعُ الْجَدُولُ) قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ كُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتُ فَأَبْطَأَتْ عَلَيْنَا فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَآتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يُحْتَفِزُ الثُّغْلُبُ وَهَؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَأَيْتُ فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلِيهِ فَقَالَ إِذْهَبْ بِنَعْلِي هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشَّرُهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيَْتُ عُمَرُ فَقَالَ مَا هَاتَانِ الثُّغْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيَْتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيِي فَخَرَزْتُ لِأَسْتَبِي فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبْنِي عُمَرُ وَإِذَا هُوَ عَلَى اثَرِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالِكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيَْتُ عُمَرَ فَخَبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثَنِي بِهِ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيِي ضَرْبَةً خَرَزْتُ لِأَسْتَبِي فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَرَهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يُتَكَلَّ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِمْهُمْ يَعْمَلُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِمْهُمْ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اُٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ اندر جانے کے لیے

مجھے راستہ مل جائے لیکن نہیں ملا پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے پھر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور جب دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی نہیں ہوئی تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے۔ اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے میں (اس گول میں سے کس طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ”میرے یہ جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔“ (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ابو ہریرہ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینے والا مجھے ملے میں اس کو جنت کی خوشخبری سنا دوں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا ”پیچھے کولوٹو“ میں روتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: ”ابو ہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ انہیں بتلایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سینوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ پیچھے کولوٹو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟“ انہوں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینے والا ان کو ملے وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کر بھیجا تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”حضور! ایسا نہ کیجئے“ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں۔ لہذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو جانے دو!“۔ (مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اس کی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی ہیں لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے جس بشارت عظمیٰ کے اعلان کے لیے بھیجا تھا اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی ان کے ساتھ کر دینا مناسب سمجھا اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کے لیے آپ ان کو دے سکتے تھے یہ نعلین مبارک ہی تھیں اس لیے وہی آپ نے ان کو عطا فرمادیں۔ واللہ اعلم

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت میں ان کو حاصل تھی یعنی وہ (اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے اور صحابہ کرام عام طور سے ان کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسب ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت کے لیے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو تشدد کیا وہ درحقیقت اسی قبیل سے ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا لیکن وہ چونکہ تمام اہل ایمان کے لیے ایک بشارت عظمیٰ کا پروانہ لے کر آ رہے تھے اور ان کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہو رہی تھی اس لیے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس لوٹانے کے لیے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا کیونکہ ان کو مقام نبوت اور شکون نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اس کا کامل یقین تھا کہ اس بشارت عامہ کا مضر پہلو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے گا تو آپ بھی اس کو خلاف مصلحت ہی سمجھیں گے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرمادیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تھی کہ وہ سب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنادیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی تھی اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

(۳) اس حدیث میں بھی صرف ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے۔ ماسوا اس کے اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دے یعنی صدق دل سے دین تو حید (اسلام) پر ایمان لائے اس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اس کے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مقربین بارگاہ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال

اور شانِ غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے تو ان پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُس وقت کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہو سکے گی اور اس خاص حال میں ان کے ارشادات اس طرح کے ہوتے ہیں کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جاسکے گا، جو وہ گناہ کرے گا، جنت کی ہوا بھی نہیں پاسکے گا، وغیرہ وغیرہ..... اور اسی طرح جب دوسرے بعض اوقات میں ان پر اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور اس کے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے تو ان پر رجاء اور اُمیدِ رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ان کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرہ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا اور ایسے ہی احوال میں ان حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں۔

پس حدیث مندرجہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت بنی النجار کے اس باغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے ہوں تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور تجلیاتِ کرم کے مراقبہ و مشاہدے میں مستغرق ہوں اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شاہدِ توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس پوری حقیقت کے رازداں اور ان احوال و کیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر تھے اس لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے اعلانِ عام سے روکا ہو۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کی اس خاص کیفیت (یعنی غلبہِ رجاء و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا اور ان کو اپنے نورِ فراست سے اس بات کا یقین تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا تو خود آپ اس کو منع فرمادیں گے۔ جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اس طرح کے موافق پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی فضیلت ہے جس کو حدیثِ نبوی میں ”مقامِ محدثیت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً ثُمَّ يُخْرِجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يُخْرِجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً. (رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لیے جائیں گے جنہوں نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور ان کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنہوں نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور ان کے دل میں گےہوں کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور ان کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔“ (رواہ البخاری و مسلم واللفظ له)

تشریح: اس حدیث سے مفہایت، ہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں پوری صراحت اور صفائی کیساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بد اعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اگر ان کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مومن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔

اسلام کی برکات سے سابقہ گناہ معاف

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا جَعَلَ اللَّهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَبْسُطْ يَمِينَكَ فَلَا بَايِعَكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ يَدِي فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ أَنْ يُغْفِرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ. (رواه مسلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا 'اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کر دیا۔ پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا 'میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا 'یہ کہ میری خطائیں بخش دی جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا 'اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔ (رواہ مسلم)

تشریح:..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرت اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ اسلام تو اسلام اس کے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے لیکن دو باتیں یہاں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے جبکہ یہ کام صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ کیے جائیں۔ دوسرے یہ کہ دلائل شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ اگر کسی کے ذمے اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرت یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے ان کا معاملہ حق داروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: "قُلْ لِلدِّينِ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ." (الانفال: ۳۸)

(اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسَنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهَا. (رواه البخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ”جب بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے تو جو برائیاں اس نے پہلے کی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اسلام کی برکت سے ان سب کو معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد اس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب دیا جاتا ہے اور برائی کرنے پر وہ اُسی ایک برائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرما دے۔“ (بخاری)

تشریح:..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے اور مسلمان ہو جانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اس کا قلب و باطن نور اسلام سے منور اور قالب و ظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے مزین اور آراستہ ہو جائے۔ ”فَلْحَسُنَ إِسْلَامُهُ“ کا یہی مطلب ہے۔ پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آ جانے کے بعد بھی نور اسلام اور اسلام کے حسن سے خالی رہی اور اُس کے ظاہر و باطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اُس کے لیے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک دیئے جانے کا انعامی قانون بھی انہی بندوں کے لیے ہے جنہوں نے اسلام کا کچھ حسن اپنے اندر پیدا کر لیا ہو اور اس حسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا۔

ایمان کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ

عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرٌ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مَنِيَّ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کے قائل نہ ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اس نے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت اس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں ان کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے اور ان کو عذاب ابدی سے نجات دلائی جائے۔ لہذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کر لے اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُس کے مقرر کیے ہوئے طریقہ زندگی (دین اسلام) کو اپنا دین بنالے اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

”إِلَّا بِحَقِّهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اُس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہو تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

”وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس کو مؤمن اور مسلم تسلیم کر کے اس کے خلاف جنگ بند کر دیں گے اور اس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی برائی اور اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے جو ”عَالِمُ الْغَيْبِ اور عَلِيمُ بَدَايِ الصُّدُور“ ہے۔ وہ ہی اُس سے حساب کر لے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طارق اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ہم ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں سو جب وہ ایسا کر لیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (مسلم)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں اس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (بخاری و مسلم شریف)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُوهَا صَلُّوا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبَلَتَنَا وَآكَلُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حُرِّمَتْ

عَلَيْنَا دِمَائُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ. (رواه البخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کے قائل ہو جائیں۔ پس جب وہ ”لا الہ الا اللہ“ کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (بخاری)

تشریح:..... اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ درحقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہ حق پر لانے کے لیے ہے۔ پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کر لیں ان کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لیے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

ایمان و اسلام کی چند علامات

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا

وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَلَدَيْكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ. (رواه البخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے سو تم اللہ کے عہد نہ توڑو اس کی امان کے بارے میں۔“ (بخاری)

تشریح:..... اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لیے یہ حقیقت پیش نظر رکھ لینی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے اور آپ کا مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ جتلاتا ہے کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی علامتیں دیکھو کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے اور نماز میں قبلہ مسلمین کی طرف ہی رخ کرتا ہے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اور اس کے جان و مال کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بدگمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ اس نے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو

بہر حال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصد حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلاف اسلام عقائد و خیالات رکھے اور خواہ کیسے ہی کافرانہ و مشرکانہ اعمال کرے، بہر حال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

در اصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے اور ایمان و اعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

مسلمان کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُكْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَا ضَرَفَ مُذْبَعْنِي اللَّهِ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ أَخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الدُّجَالِ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین باتیں اصول اسلام میں داخل ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کے بارے میں زبان کو روکا جائے یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی بد عملی کی وجہ سے اس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے..... دوسری چیز (اصول اسلام میں سے) جہاد ہے وہ اس وقت سے جاری ہے جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور اس آخری زمانہ تک جاری رہے گا جبکہ اس امت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمران خواہ ظالم ہوں یا منصف جہاد بہر حال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا اور (اصول اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح:..... اس حدیث میں تین باتوں کو اصول اسلام میں سے بتلایا گیا ہے اول یہ کہ کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے اور اس کے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے جو کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جانا۔ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عہد نبویؐ میں کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو جانا، اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا، خود ہماری زبان اردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق ”کلمہ پڑھ لینے“ کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے ”کلمہ گو“ کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے وہ صرف معاصی اور بد اعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبویؐ کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بد عملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جز کا مقصد و مدعا یہی ہے کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا اور اسلام کو اس نے اپنا دین بنالیا تو اس کے بعد اگر اس سے گناہ سرزد ہوں اور وہ بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے..... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ میری بعثت سے لے کر وہ اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ میری اُمت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا، کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل و انصاف اس کو ختم نہیں کرے گا۔ اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا اور کسی کے لیے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بروں کا بہر حال ان کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

دین کے شعبے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا

قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”ایمان کی ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں اور ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو ”لا الہ الا اللہ“ کا قائل ہونا یعنی توحید کی شہادت دینا ہے اور ان میں ادنیٰ درجے کی چیز افیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔“ (رواہ البخاری و مسلم)



اسلام پر بیعت کی اہمیت

اسلام پر بیعت کرنا خدا کی اسٹیٹ میں حلف و فاداری کے ہم معنی ہے

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ (وَكَانَ شَهِيدًا بِدِرَا وَهُوَ أَحَدُ النُّبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعُصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ. (رواه البخاری)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے (یہ بدر میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ میں بیعت کرنے والوں میں شامل تھے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک مختصر جماعت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گے، دیدہ و دانستہ کسی پر افتراء پردازی نہیں کرو گے اور ان احکام میں جو شریعت کے مطابق ہوں میری نافرمانی نہیں کرو گے، جو شخص تم میں اس عہد کو پورا کرے گا اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے اور جو (حسب الاتفاق) ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا پھر دنیا میں اس کی سزا مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور اگر اس کو (سزا نہ ملی اور) اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا اگر چاہے تو آخرت میں بھی درگزر فرمائے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ ہم نے ان سب شرطوں پر آپ سے بیعت کر لی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یہ ایک عام دستور ہے کہ ہر اسٹیٹ کی ابتداء اس کے ساتھ حلف و فاداری اٹھانے سے ہوتی ہے کیونکہ جب تک کسی اسٹیٹ اور کسی نظام حکومت کے ساتھ پوری وفاداری کا عہد نہ کیا جائے اس نظام کا چلنا ہی ممکن نہیں۔ اس عہد کو کرنے کے بعد نہ صرف یہی کہ اس نظام حکومت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے بلکہ سرمو اس کی مخالفت کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اس کے ساتھ عملاً پوری ہمدردی کرنا بھی فرائض میں شمار ہوتا ہے اسی طرح اسلامی نظام حکومت بھی اپنے ہمواروں سے سب سے اول اپنے ساتھ حلف و فاداری اٹھانے کا مطالبہ کرتا ہے اس کی صورت یہاں کلمہ توحید اور رسالت کی شہادت مقرر کی گئی ہے اسی کا نام ایمان و

اسلام ہے اور اسی عہد کو اور زیادہ مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے بیعت لی جاتی ہے۔ پس ایمان اگرچہ بظاہر صرف رسالت اور توحید کے اقرار کا نام ہے مگر درحقیقت وہ پوری اسلامی اسٹیٹ کے ساتھ وفاداری کا ایک مؤکد اور مضبوط اقرار ہے اس لیے صرف ایمان لانے سے اسلام کے تمام احکام کا تسلیم کرنا بلکہ اس کی مشنری کا خود ایک پرزہ بن جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ رسول خدا کی احتیاط کی یہ حد ہے کہ جب کسی کو بیعت فرماتے تو الفاظ بیعت میں یہ قید لگا دیتے کہ آپ کی اطاعت کی حدود بھی صرف معروف کے اندر اندر محدود رہیں گی حالانکہ آپ کے متعلق معروف کے سوا منکر کے حکم دینے کا خطرہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اصل مقصود یہ بتانا تھا کہ جب خدا کی نافرمانی کی سرحد آ جائے تو اب خدا کی مخلوق میں کسی بڑے سے بڑے کی اطاعت بھی نہیں کی جائے گی بلکہ اب اس کی اطاعت اسلامی اسٹیٹ کے ساتھ غداری تصور کی جائے گی۔

یہاں بیعت کے مذکورہ بالا الفاظ میں قتل اولاد وغیرہ کا ذکر بھی آ گیا ہے یہ صرف اس زمانہ کے ماحول کی رعایت تھی اب امام کیلئے اپنے زمانہ کے تقاضوں کی رعایت کر لینا مناسب ہے اور اس قسم کے جرائم پر بیعت لینا مناسب ہے جو اسکے زمانہ میں زیادہ پھیل چکے ہوں۔

امام کو لوگوں سے کن باتوں پر بیعت لینا چاہیے؟

عَنْ قَيْسِ سَمِعْتُ جَرِيرًا يَقُولُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَاسْتَمَعَ الطَّاعَةَ وَالنُّصْحَ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (بخاری)

قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جریر سے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے (امام) کی بات سننے اور اس کے احکام ماننے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔ (بخاری)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَأَنْ نَقُومَ أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُ مَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَا نَمُ. (بخاری)

عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے حکم سننے اور ماننے پر بیعت کی تھی خوشی اور ناخوشی دونوں حالوں میں اور اس پر کہ خلافت کے معاملہ میں ہم کسی حق دار شخص سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے، حق کو قائم رکھیں گے (راوی کو یہاں شک ہے کہ یا یہ لفظ تھے کہ حق کہتے رہیں گے) جہاں بھی ہم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھائیں گے۔ (بخاری)

تشریح۔ اسلام میں مرکزی طاقت امیر و خلیفہ کو سمجھا گیا ہے۔ طاقت کو محفوظ رکھنے اور اس کی وحدت کو انتشار سے بچانے کے لیے مسلمانوں پر پہلا فرض یہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ امیر کا حکم خوشی اور ناخوشی کی بحث سے علیحدہ ہو کر ہر حال میں بشرطیکہ اس میں خدا کی نافرمانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور دوسرا یہ کہ جب اس منصب کی کوئی الہ ہستی سامنے آ جائے تو اس کی راہ میں ہرگز آڑے نہ آئیں۔ تیسرا فرض جو اس مرکزی وحدت کا سب سے بڑا مقصد ہے وہ دنیا میں حق کا قیام ہے اس لیے اس کو بھی بیعت کا ایک اہم

ترین عنصر قرار دیا گیا ہے۔ اس تیسرے جزء سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اس بیعت کے پہلے جملوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ مرکزی طاقت کے خلاف کسی نفسانیت یا نا فہمی کی بناء پر ہنگامہ آرائی نہ کی جائے اسی لیے جہاں ایک طرف اس خاموشی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ اس صاف گوئی کا عہد بھی لیا گیا ہے جس میں امیر و غریب، مالک و آقا اور بادشاہ و رعایا کا کوئی فرق نہیں ہے۔ عہد سلف کی تاریخ آج بھی مسلمانوں کی اس صاف گوئی کی شاہد ہے۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے منصف اور بارعب امیر پر بھی کوئی ادنیٰ شبہ ہو گیا ہے تو برسر منبر ان کو ٹوک دینے میں ذرا تامل نہیں کیا گیا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ. (بخاری)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سننے اور ماننے پر بیعت کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کہتے کہ (یہ قید لگا لو کہ) جتنی تم میں طاقت ہوگی۔

دنیا کے لیے کسی سے بیعت کرنا نہیں چاہیے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنُ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفَى لَهُ وَالْأَلَمُ يَفِ لَهُ وَرَجُلٌ يُبَايِعُ رَجُلًا بِسَلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللَّهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذًا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَلَمْ يُعْطَ بِهَا. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت میں بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جو لب راہ اپنی حاجت سے زائد پانی رکھتا ہے اور مسافروں کو اس میں سے استعمال کرنے نہیں دیتا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو امام وقت سے صرف دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے اگر اس نے اس کے خیال کے مطابق کچھ دے دیا تب تو اس نے اس کے ساتھ وفا کی ورنہ نہ کی۔ تیسرا وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی کے ہاتھ مال بیچا اور (جھوٹی) قسم کھائی کہ اس چیز کی اس کو اتنی قیمت دی جاتی تھی حالانکہ اس کو وہ قیمت نہیں دی جاتی تھی اس بیچارہ نے اس کی بات کو سچ سمجھا (اور اس قیمت کو لے لیا) (بخاری شریف)

تشریح۔ اسلامی بیعت کا تعلق چونکہ امیر وقت اور مرکز سے وابستہ ہے اس لیے یہاں انسانی نیت میں بہت سی کمزوریاں داخل ہو سکتی ہیں، اس کی سب سے بڑی کمزوری دنیا طلبی ہے اس لیے یہاں اس پر متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اتنے اہم عمل کا مقصد اتنا ادنیٰ نہ بنانا چاہیے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام اس کے مذہبی نظام سے جدا نہیں بلکہ ان ہی تمام ہدایتوں کے نیچے ہے جس کے تحت مذہبی نظام ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سیاست میں بھی ہمیشہ وہی اسپرٹ کار فرما رہی ہے جو مذہب میں ہوا کرتی ہے اور اسی بناء پر کسی کو یہ دھوکا لگ گیا ہے کہ آسمانی مذاہب بھی در پردہ انسانوں کی سیاست کا ایک صرف نقاب تھے۔

عورتوں کی بیعت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلامِ بِهَذِهِ الْآيَةِ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا قَالَتْ وَمَا مَسْتُ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا (بخاری)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یہ آیت پڑھا کر صرف زبانی بیعت فرمایا کرتے تھے ”کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی“ خدا کی قسم کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک سوائے آپ کی مملوکہ عورتوں کے کسی اجنبی عورت کو نہیں لگا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ معلوم نہیں کہ جب دنیا کی اس سب سے مقدس ہستی نے بھی عورتوں کو بیعت کرنے کے وقت ہاتھ نہیں لگایا تو پھر کسی اور شخص کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اچھی اور بری نیت کا سوال نہیں ہے بلکہ بیعت کے وقت عورت کو ہاتھ لگانا خواہ کسی نیت سے ہو آئین بیعت ہی نہیں رکھا گیا۔ درحقیقت شریعت کی یہ بڑی پر حکمت نظر ہے کہ جن مقامات پر انسان کوئی ادنیٰ خیانت بھی کر سکتا ہے اس نے مدار کا صرف ظاہری عمل پر رکھ دیا ہے اور نیت سے کوئی بحث نہیں کی۔

بچے کی بیعت

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ أَذْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَايِعْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَغِيرٌ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور انکی والدہ زینب انکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لڑکے کو بیعت فرما لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کیلئے دعا فرمائی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ بیعت کا مقصد شریعت پر عمل کرنے کا عہد لینا جس پر ابھی خود اللہ تعالیٰ نے عمل کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا اس پر عمل کا بوجھ آپ کیسے ڈال سکتے تھے ہاں رحمۃ للعالمین نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اس کو دعاء برکت دیئے بغیر یونہی رخصت کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں شانیں حکمت و شفقت سے لبریز نظر آتی ہیں۔

غلام کی بیعت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهَجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثُوا بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعْبَدُ هُوَ. (رواه الترمذی وقال حديث حسن صحيح)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہجرت پر بیعت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ غلام ہے اس کے بعد اس کا مالک اس کو لینے کے لیے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو اور سیاہ رنگ کے دو غلام دے کر اس کو خرید لیا اور آئندہ کبھی کسی کو اس وقت تک بیعت نہ کیا جب تک کہ یہ تحقیق نہ کر لی کہ کہیں وہ غلام تو نہیں ہے۔ (ترمذی)

تشریح۔ یہاں ایک مشکل تو یہ درپیش تھی کہ اس غلام کو تحقیق سے قبل بیعت کر لینا یہ تقاضہ کر رہا تھا کہ اس کو فوراً اس کے مالک کے حوالہ کر دیا جاتا۔ دوسری مشکل اپنی بیعت کے احساس ذمہ داری کی تھی۔ جس کو بیعت کر کے ایک مرتبہ اپنی پناہ میں لے لیا گیا تھا اس کو دشمن کے حوالہ کر دینا خوشی سے کیونکر گوارا کر لیا جائے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں کو نبھایا اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ نبھایا۔ مالک کو یوں خوش کر دیا کہ ایک غلام کے بدلہ دو غلام دے دیئے اور غلام کے بیعت کی یوں لاج رکھ لی کہ اس کی حمایت میں جائز طور پر جو قدم بھی اٹھایا جاسکتا تھا اٹھا دیا۔ لیکن آئندہ کے لیے اپنا یہ دستور العمل ٹھیرالیا کہ جب کسی کے متعلق ذرا شبہ پڑتا تو بیعت کرنے سے پہلے یہ تحقیق فرما لیتے کہ کہیں وہ کسی کا غلام تو نہیں۔ اس قسم کے روزمرہ کے واقعات سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عام معاملات میں بھی جبر واکراہ سے کتنی دور رہتے تھے اور حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اپنے اور پرائے مسلمان اور کافر کا کوئی امتیاز نہ کرتے تھے۔

بادیہ نشینوں کی بیعت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ أَغْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَهُ وَعْكٌ فَقَالَ أَقْلَبُنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَأَبَى فَنُجِّرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ كَالْكَبِيرِ تَنْفِي خَبَثُهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبُهَا. (رواه البخاری)

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک گنوار آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی، اتفاق یہ کہ اس کو بخار ہو گیا، اس نے کہا آپ میری بیعت واپس فرما دیجئے آپ نے انکار کیا وہ پھر آپ کے پاس آیا آپ نے پھر انکار کیا وہ پھر آیا آپ نے پھر انکار کیا آخر وہ مدینہ سے نکل گیا۔ آپ نے فرمایا مدینہ مثل ایک بھٹی کے ہے اپنے میل کچیل کو دفع کر دیتا ہے اور عمدہ کو اور خالص کر دیتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ ایک گنوار وہ بھی عرب کا باشندہ جس کی فطرت میں بد فالی و نیک فالی کا عقیدہ رچا ہوا تھا بیعت اسلام کے بعد اتفاقاً بیمار پڑتا ہے تو العیاذ باللہ اس کو اپنے اسلام کی نحوست تصور کر لیتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اس کا علاج اب اس بیعت کو فسخ کر ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے کم علم اور نا فہم کو آپ سمجھاتے بھی تو کیا سمجھاتے اور اسلام کی بیعت واپس کرنے کا اقرار بھی کرتے تو کیسے۔ یہ بیعت کوئی خرید و فروخت کی معمولی بیعت تو نہ تھی کہ جب چاہی کر لی اور جب چاہی فسخ کر ڈالی، یہ تو متاعِ حیات گنوانے یا ٹھکانے لگانے کا سودا تھا۔ خدا سے محبت، اس کے احکام کی بجا آوری پر عہد لینے اور عہد کرنے کی اہم بیعت تھی۔ اگر یہ احمق اس کو واپس کرتا ہے تو کر دے لیکن داعی اسلام سے فسخ بیعت پر دستخط کر دینے کی تمنا کیوں کرتا ہے۔ آپ کی دعوت و ارشاد کا یہ پہلو بھی عجب پر حکمت ہے کہ اس قسم کے احمقوں سے نہ تو ان کے ناسزا و کلمات کی کبھی آپ تحقیق فرماتے اور نہ ان پر کچھ مواخذہ ہی کرتے بلکہ کوئی ایسا حقیقت اور

نصیحت سے بھرا ہوا کلمہ ارشاد فرمادیتے جو اس کی نصیحت آموزی اور دوسروں کی عبرت پذیری کے لیے کافی ہو جاتا۔ یہاں بھی آپ صرف یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ مدینہ چھوڑ کر باہر چلا جانا اور اس کے سرد و گرم کی برداشت نہ کرنا اچھی علامت نہیں۔ یہاں کی تنگی و ترشی پر جو صبر کر گیا وہ گناہوں کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو گیا اور جوان پر صبر نہ کر سکا اور گھبرا کر باہر نکل گیا وہ جیسا نجاست آلودہ داخل ہوا تھا ویسا ہی نجاست آلودہ چلا گیا۔ سوچو اور انصاف کرو کہ پورے اقتدار کے باوجود نہ تو اس کے اس طرز عمل پر آپ کوئی ادنیٰ سرزنش فرماتے ہیں اور نہ اس کو اسلامی بیعت قائم رکھنے پر مجبور ہی کرتے ہیں اور نہ اس تحقیق میں پڑنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ اس فقرہ سے اس کا اصل مقصد کیا تھا، کیا اتنی آزادی کے بعد بھی اسلام میں جبر و اکراہ کا کوئی تخیل لایا جاسکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مدح و ذم کے ان مقامات پر بھی جہاں انسان کا قلم اور زبان دونوں بے قابو ہو جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا قدم ذرا نہیں ڈمگتا۔ وہ یہاں بھی اتنے اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں کہ ان کے اور کمالات کو چھوڑ کر اگر اسی ایک کمال پر غور کیا جائے تو ان کی حقانیت اور نبوت کے ثبوت کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ بڑے بڑے اشتعال آمیز اور زیادہ سے زیادہ مسرت بخش حالات میں بھی ان کے منہ سے ایک لفظ بھی ایسا نکل جائے جس میں مبالغہ آمیزی کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی پیدا ہو سکے اس وقت بھی ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلتے ہیں جو حقیقت کی ترجمانی کے لیے سب سے قریب تر ہو سکتے ہیں۔ پہلے ایک واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں جس میں ایک شخص اسلام لاتا ہے اور اس کے بعد فوراً شہید ہو جاتا ہے ایسے پاک و صاف انسان اور ایسے جان باز کی مدح سرائی کے لیے اگر کوئی شاعر مزاج زبان کھولتا تو نہ معلوم آسمان و زمین کے کتنے قلابے ملا دیتا یا اس گنوار جیسے بد بخت اور گستاخ کے ہجو کرنے پر آتا تو خدا جانے کیا کچھ کہتا مگر رسول خدا کی زبان سے اس شہید کے حق میں جو کلمات مدحیہ نکلے وہ صرف یہ تھے ”عمل قليل واجر كثير“ اس نے عمل کو تھوڑا کیا تھا مگر ثواب بہت پایا اور اس گستاخ کے حق میں جو کلمات ارشاد ہوئے وہ بھی صرف یہ ہیں جو اس وقت آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ان دونوں مقامات پر لسان نبوت کے کانٹے پر تلے ہوئے کلمات دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ استقامت و تمکین سے لبریز کلمات ایسے سمندر کے موتی ہیں جس میں ہواؤں کے طوفان خیز تموج سے بھی کوئی ادنیٰ جنبش نہیں ہوتی۔ ہم اس حقیقت کو جا بجا واضح کریں گے اور آپ ہر جگہ اس کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کیجئے گا کہ روزمرہ کی گفتگو، دن رات کے ان معمولی واقعات میں جن کو انسان کوئی اہمیت نہیں دیتا انبیاء علیہم السلام کا انداز بیان کیا رہتا ہے اس کے بعد آپ مجبور ہو جائیں گے کہ ان نفوس قدسیہ کی صداقت و امانت، علو ہمت و فکر اور ان کی بنی نوع انسانی کے ساتھ یکساں ہمدردی پر پورا یقین کر لیں۔

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِ هُنَّ قَالَ لَا وَسَأَلَهُ عَنِ الصُّومِ قَالَ صِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِهِ قَالَ لَا قَالَ وَذَكَرَ الزُّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِهَا قَالَ لَا قَالَ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ. (رواه احمد والشيخان)

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گنوار آدمی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اسلام کی تفصیل بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا شب و روز میں پانچ نمازیں، اس نے عرض کیا اس کے سوا میرے ذمہ کچھ اور نمازیں بھی ہیں آپؐ نے فرمایا کچھ نہیں۔ راوی کہتا ہے پھر اس نے روزہ کے متعلق دریافت کیا آپؐ نے فرمایا رمضان کے روزے۔ اس نے کہا ان کے سوا میرے ذمہ کچھ اور روزے بھی ہیں؟ فرمایا کچھ نہیں۔ راوی کہتا ہے اس نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا اور دریافت کیا کہ میرے ذمہ زکوٰۃ کے سوا بھی کچھ اور دینا ضروری ہے؟ فرمایا کچھ نہیں۔ اس نے کہا خدا کی قسم ہے کہ میں ان باتوں پر کچھ کم و بیشی نہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہو گیا (مسند احمد شیخین وغیرہم امام بخاریؒ نے کتاب الحلیل میں آپؐ کے جواب میں اتنا اور روایت فرمایا ہے کہ تجھ پر اور کچھ فرض نہیں مگر ہاں اگر تو اپنی طرف سے خود کرنا چاہے۔ نماز اور زکوٰۃ کے بعد راوی یہ بھی نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے اس کو اسلام کے اور احکام بھی سکھائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ خدا کی قسم جس نے آپؐ کو بزرگ بنایا ہے نہ تو میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کروں گا اور نہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کی ہیں کوئی کمی کروں گا۔

تشریح۔ اس روایت میں ”لا ازید“ (یعنی اس پر زیادتی نہیں کروں گا) کے بجائے ”لا اتطوع“ (کہ کوئی نفل بھی ادا نہ کروں) کا لفظ شارحین کے لیے ایک اور مشکل کا موجب بن گیا ہے اس لفظ سے ان کو یہ شبہ ہوگا کہ اس اعرابی نے شاید عبادات ناقلہ نہ کرنے کا عہد بھی کیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ صرف لفظی تفنن ہے اور ”لا انقص“ (اور نہ اس پر کمی کروں گا) کے تقابل کی وجہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی اصل مراد اس لفظ سے بھی وہی ”لا ازید“ کا مفہوم تھا لہذا محض لفظی تفنن سے نئے نئے نتائج پیدا نہ کیے جائیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی ایک نو مسلم پر صرف اس کی تعبیر کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔



علامات ایمان

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ إِذَا
سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْ نُكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ. (رواه احمد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو تو تم مؤمن ہو۔“ (مسند احمد)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے تو اس کے دل کو فرحت و مسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج و غم ہو جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے سمجھنا چاہیے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

تکمیل ایمان کی شرائط

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاقْ طُعْمَ
الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا. (رواه مسلم)

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور اس کی لذت اُسے ملی جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

تشریح:..... اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے جس کو صرف وہی آدمی پاسکتا ہے جس کی قوت ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے موقوف اور خراب نہ ہوئی ہو اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے لیکن وہ ان ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو اور اللہ کی بندگی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو ان کے دل نے اپنالیا ہو یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو۔ اسی حدیث میں ”رضا“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کو یہ نصیب نہیں یقیناً ایمانی لذت و حلاوت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةً
الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ
وَأَنْ يَكْفُرَ أَنْ يُعَوِّدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْفُرُهُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ. (رواه مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی
جائیں گی۔ ایک یہ کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو دوسرے یہ کہ جس آدمی
سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور
ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا، صرف تعبیر کا تھوڑا سا
فرق ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسا
سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط
ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے
پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لیے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ
إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تم میں سے کوئی شخص مؤمن
نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مؤمن تب ہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے
تمام دوسرے آدمیوں سے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ
يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ زَوَاهُ الْبَغْوَىٰ فِي شَرْحِ السُّنَنِ.

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص
مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسی کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔ (شرح السنہ)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں کہ آدمی کے
نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبوی کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

”ہوی“ (یعنی خواہشات نفس) اور ”ہدی“ (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے
سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بد عملی اتباعِ ہوی کا نتیجہ ہے جس طرح

کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباعِ ہدی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ سہوئی کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) عہدئی کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے) تابع کر دیا جائے اور جس نے عہدئی کو چھوڑ کر سہوئی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا تو گویا خود ہی اُس نے مقصدِ ایمان کو پامال کر دیا۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواه احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ بس اللہ ہی کے لیے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا اور یہ کہ دوسرے لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے اور چاہتے ہو اور ان کے لیے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح:..... حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لیے دوستی اور دشمنی دوسرے زبان کا یادِ الہی میں مشغول رکھنا تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لیے چاہے وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لیے نہ چاہے وہ کسی کیلئے نہ چاہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا (جس کو منع کرنا اور نہ دینا عند اللہ بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔ (رواہ ابو داؤد)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لیے جوڑتا ہے اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لیے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کے لیے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے روکتا ہے غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں اور بجز رضا الہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اس کے اعمال و افعال کے لیے نہ رہے الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَيْ ذَرَّ أَيُّ عُرَى الْإِيمَانِ أَوْثَقُ؟ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ الْمَوَالَاةُ فِي اللَّهِ وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبَغْضُ فِي اللَّهِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟“ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے؟) ابوذر نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ (لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرمائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے باہم تعلق و تعاون اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔“ (شعب الإيمان للبیہقی)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال و احوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو خواہ موالات ہو یا ترک موالات محبت ہو یا عداوت وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لیے اور اسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوْ لَا أَذْلكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اُس کو عام کرو۔“ (رواہ مسلم)

تشریح: اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لیے بھی چاہے اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہ کرے اُس کو کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے

یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت و مودت ہو اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات و ثمرات سے بے نصیب ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَآثَرِهِ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ. (رواه الترمذی والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف و خطر نہ ہو۔ (ترمذی نسائی)

تشریح:..... اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذا رسانی کا ذکر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں ”مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ“ کے بجائے ”مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ“ وارد ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پر امن اور بے آزار ہونا چاہیے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذا رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِاللَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ”وہ شخص مؤمن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔“ (شعب الایمان)

تشریح:..... یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لا پرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شان ایمان کے بالکل منافی ہے۔

(ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. (رواه ابو داؤد والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد دارمی)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسن اخلاق پر ہے۔ پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ لہذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اسی کی نسبت سے اس کے اخلاق بلند ہوں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو لیکن اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ

تَرَكُّهُ مَا لَا يَغْنِيهِ. (رواه ابن ماجه والترمذی والبيهقي في شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کے اسلام کی خوبی اور اس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔“ (رواہ ابن ماجہ ترمذی شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایہ دیا گیا ہے وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے۔ یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے اس لیے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اس کے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بد اخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لائینی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں۔ اس حقیقت کو جنہوں نے سمجھ لیا ہے بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي أُمَّةٍ

قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّةٍ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَخْلُقُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتُلُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْلِهِمْ

خَلْفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَلَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَلَهُمْ بِلسَانِهِ

فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَلَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَوْدَلٍ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کسی امت میں بھیجا تو اس کے کچھ حواری اور لائق اصحاب ہوتے تھے جو اس کے طریقے پر چلتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ کرنے کے جو کام وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم کرتے ہیں، گویا اپنی مشیخت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کے لیے وہ جھوٹ بھی بولتے اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اس کے اوامر و احکام پر تو وہ عامل نہ تھے مگر وہ معصیات و بدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے) تو جس نے ان

کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے (بد رجبہ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب رکھا) تو وہ بھی مؤمن ہے لیکن اس کے بغیر رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح:..... حدیث کا مطلب اور اس کی روح یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بد کردار ہوں جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں لیکن خود بے عمل اور بد عمل ہوں ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو اس کا دل ایمان کی حرارت اور اس کے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے۔ ”لَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ“ کا یہی مطلب ہے اور اگلی حدیث میں اسی کو ”أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“ (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملفوظ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لیے ان کی جھوٹی مشیخت اور ان کے موروثی اثر و اقتدار کو ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ الْخُدْرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

تشریح:..... اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بد کرداری کے خلاف حسب استطاعت جدوجہد کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا تھا اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدر استطاعت سعی و کوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اس کے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱..... اگر طاقت و اقتدار حاصل ہو اور اس کے ذریعہ اس برائی کو روکا جاسکتا ہو تو طاقت استعمال کر کے اس کو روکا جائے۔

۲..... اگر طاقت و اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی انہماق و تفہیم اور ہند و نصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳..... اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہل دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی

بھی گنجائش نہیں ہے تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہوگا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اس کے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا

..... اس آخری درجے کو حدیث میں ”أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“ فرمایا گیا ہے..... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں۔ یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اس کے سامنے اس قسم کی ہوں جو زور و قوت سے روکی جاسکتی ہوں تو اگر اس کو وہ زور و قوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر زور و قوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام و تفہیم سے کام لے اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اس کے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا

أَعَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا ہو اور اُس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو کہ ”جس میں امانت کی خصلت نہیں اُس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔“ (شعب الإيمان للبیہقی)

تشریح:..... یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے کیونکہ امانت اور ایفاء عہد ایمان و اسلام کے لوازم میں سے ہیں..... جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جا چکا ہے۔ اس طرح کی حدیثوں کا مقصد و منشاء یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا اور اب اُس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اس کے نور سے بے نصیب ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا اور بے جان ہے۔

ایمان کے منافی اخلاق و اعمال

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ

لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعُسْلَ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلو اشہد کو خراب کر دیتا ہے۔“ (شعب الإيمان للبیہقی)

تشریح:..... درحقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اس کے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اُس کو گرا دیتی ہیں۔

عَنْ أَوْسِ بْنِ شَرْحَبِيلٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ

لِيَقْوِيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لیے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے چلا اور اُس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

تشریح:..... جب ظلم کا ساتھ دینا اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ خود ظلم ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا

بِاللُّغَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ. (رواه الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔“ (ترمذی و شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی، یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہیے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَّانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ

أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا. (رواه مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً)

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہو سکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا۔

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بری عادتیں ہیں لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہو سکتی ہیں لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ

مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ

مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغْلُ

أَحَدُكُمْ حِينَ يَغْلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زنا کار جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں لوٹا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو۔ پس (ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ! (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی آئی ہے اور اس میں زنا، چوری، شراب نوشی، لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے یعنی اس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: ”وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ“ (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ قتل کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو) (بخاری و مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری اور خیانت، یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اُس وقت اس کے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے بالکل نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے..... خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَا يَكُونُ هَذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا يَكُونُ لَهُ نُورُ الْإِيمَانِ. (صحیح بخاری کتاب الایمان)

”ان گناہوں کا کرنے والا جس وقت کہ یہ گناہ کرتا ہے اُس وقت وہ پورا مؤمن نہیں ہوتا اور اس میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔“ اس طرح کہ احادیث کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے اور جو اللہ کو محبوب ہے اور اس کے لیے نحوی ترکیب میں ”کاملاً“ یا ”تاماً“ جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بدذوقی ہے ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اُس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے خاص کر دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طرز بیان زیادہ موزوں اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا اور چوری اور خون ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔“ اگر بجائے اس کے آپ یوں فرماتے کہ ”اُس وقت اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا“ تو اس میں کوئی زور اور وزن نہیں ہوتا اور ترہیب و تخویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا یا مثلاً پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ”لَا إِيْمَانُ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ (جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں) اب اگر بجائے اس کے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ ”جس میں امانت نہیں وہ مؤمن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں“ تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا جو حدیث کے موجود الفاظ میں ہے۔ بہر حال دعوت و موعظت اور انداز و ترہیب جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اس کے لیے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں و خوبصورت ہے۔

منافق کے اعمال و احوال

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَتْ

مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا إِذَا أُوْتِمِنَ

خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدًا غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے

کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چاروں عادتیں یہ ہیں کہ جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... حقیقی اور اصلی نفاق انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے تو اسلام کو قبول کیا نہ ہو (بلکہ دل سے اُس کا منکر اور مخالف ہو) لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مؤمن و مسلم ظاہر کرتا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبد اللہ ابن ابی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے اور ان ہی منافقین کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

”ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔“

لیکن بعض بری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل ان ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں اور کسی صاحب ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہیے۔ پس اگر بد قسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں یہ منافقانہ عادت ہے اور اگر کسی میں بد بختی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدے کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے لیکن اس کے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے اور ایک مسلمان کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصال نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے۔ (۱) خیانت (۲) جھوٹ (۳) عہد شکنی (۴) بدزبانی۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس کو سمجھنا چاہیے کہ اس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغُزْ وَلَمْ

يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اُس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (مسلم)

تشریح:..... یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہِ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اُس کا شوق اور اُس کی تمنا ہو یہ منافقوں کی زندگی ہے اور جو اسی حال میں اُس دُنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا. (رواه مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پروائی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو گیا اور اُس کے غروب کا وقت قریب آ گیا تو نماز کو کھڑا ہوا اور چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے ختم کر دی اور اللہ کا ذکر بھی اُس میں بہت تھوڑا کیا۔ (مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کے لیے کھڑا ہو اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربارِ عالی کی حضوری نصیب ہے پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خوب اللہ کو یاد کرے اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے لیکن منافقوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز اُن کے لیے ایک بوجھ ہوتی ہے وقت آ جانے پر بھی اُس کو ٹالتے رہتے ہیں مثلاً عصر کی نماز کے لیے اُس وقت اُٹھتے ہیں جب سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے اور بس چڑیا کی سی چار چونچیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں پس یہ نماز منافق کی نماز ہے اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مومنوں والی نہیں بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرُّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ. (رواه ابن ماجه)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اور وہ اُس کے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے اور نماز میں شرکت کیلئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہے۔ پس ایسا کرنے والا اگر عقیدے کا منافق نہیں ہے تو وہ ”منافقِ عملی“ ہے۔

وسوسے پر مواخذہ نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُلُوحُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَعَكَّلُمْ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا جب تک اُن پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے ہاں! جب یہی خیالات خطرات و

وساوس کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أَخَذْتُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَاسَةِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ”کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔“ (ابوداؤد) تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُس کے فضل و کرم اور اس کی دیکھیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچا لیا ہے اور بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاطَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ؟ قَالَ أَوْقَدْ وَجَدْتُمُوهُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے برے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی بہت برا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! یہی حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص ایمان ہے۔ (مسلم) تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اور ان کو اتنا برا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولُ مَنْ خَلَقَ رَبُّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَه. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہیے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رُک جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اُس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور خیال کو اُس طرف سے پھیر لے یعنی اس مسئلہ کو قابل توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اُس ہستی کا

نام ہے جس کا وجود اُس کی ذاتی صفت ہے اور جو تمام موجودات کا وجود بخشنے والا ہے اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ یہ احقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ مومن کا رویہ ان سوالات اور وسوسوں کے بارے میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے اس لیے میرے لیے یہ سوال بالکل قابل غور نہیں جس طرح کسی آنکھوں والے کے لیے یہ سوال قابل غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان و اسلام کیا ہے؟

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ

قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ (وَلِي رَوَايَةٌ غَيْرُكَ) قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِم. (رواه مسلم)

سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان پر لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو۔“ (مسلم شریف)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا الہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنا دو اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنا لو بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث ”جو مع الکلم“ میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آ گیا ہے۔ ”ایمان باللہ اور اُس پر استقامت“ ہی اسلام کی غرض و غایت بلکہ اس کی روح ہے۔ ”ایمان باللہ“ کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبریل علیہ السلام کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی ”صراط مستقیم“ پر قائم رہنا اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا۔ گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لیے اس سے آگے کوئی مقام نہیں اسی سے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

الْإِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ كَرَامَةٍ. (یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔)

بہر حال استقامت وہ چیز ہے کہ اس کی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی اور بس وہی انسان کیلئے کافی ہے۔ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاحقاف: ۳۶، ۱۳: ۱۴)

”بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے تو انہیں کوئی خوف و خطر نہیں اور نہ ان کو رنج و غم ہو گا وہ سب جنتی ہیں اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔“
بلکہ ”إِذْ جَاءُكَ السُّنَّةُ إِلَى الْكِتَابِ“ کے اصول پر کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہو گا۔

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (رواه مسلم)

حضرت تميم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نام ہے ”خلوص اور وفاداری“ کا۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ اللہ کی کتاب کے ساتھ اللہ کے رسول کے ساتھ مسلمانوں کے سرداروں، پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

تشریح:..... یہ حدیث بھی ”جوامع الکلم“ میں سے ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشاء کو ادا کر دینا ہے کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آئمہ امت و پیشوایان ملت اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے اور یہی کل دین ہے کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، ممکن حد تک اُس کی معرفت حاصل کی جائے، اس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے، اُس کی اطاعت و عبادت کی جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور مالک و مقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے، غرض پورے اخلاص و وفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اس کا حق عظمت ادا کیا جائے، اس کا علم حاصل کیا جائے، اس کا علم پھیلایا جائے، اس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی تصدیق کی جائے، تعظیم و توقیر کی جائے، ان سے ان کی تعلیمات اور اُن کی سنتوں سے محبت کی جائے اور دل و جان سے اُن کی پیروی و غلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور آئمہ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص و وفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے، ان کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔
اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اُن کا نفع اپنا نفع اور ان

کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علیٰ فرق مراتب ان کے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت و تعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو ان مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

ارکانِ اسلام

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ
الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ
الزَّكَاةِ وَالْحَجُّ وَصَوْمُ رَمَضَانَ. (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کا قصر پانچ ستونوں پر (قائم کیا گیا) ہے۔ شہادتین، یعنی اس بات کا دل سے اقرار کرنا کہ سوائے ایک اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اس کے رسول ہیں پورے آداب و حقوق کی رعایت کر کے نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا۔ رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ (الف) مصنف عبدالرزاق میں یہاں خمس دعائم کا لفظ صراحتاً مذکور ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۴۱)

(ب) حدیث مذکور کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تعلیم اور قرآن کریم کا اسلوب بیان ہر دو فطری ہوتے ہیں یہاں روزمرہ کے معمولی مشاہدات سے آخرت کے بڑے بڑے علوم باتوں ہی باتوں میں حل کر دیئے جاتے ہیں۔ اب ذرا غور کرو کہ ایک امی قوم کو اسلام اور اعمال کا ربط، پھر اعمال میں باہمی مراتب کا تفاوت سمجھنا ہے۔ مسئلہ کس قدر مشکل ہے اور اس کے لئے تعبیر کتنی سادہ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے ماحول میں تم روزمرہ اپنا مکان دیکھتے ہو اس میں چھت ہوتی ہے، ستون ہوتے ہیں، درود یوار ہوتے ہیں اور یہ مجموعہ مل کر ہی تمہارا مکان کہلاتا ہے پھر اس مکان کی کوئی بنیاد بھی ضرور ہوتی ہے جس پر یہ مکان قائم ہوتا ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان مکان تو آنکھوں سے نظر بھی آتا ہے مگر وہ بنیاد جس پر اتنی بڑی عمارت قائم ہوتی ہے کہیں نظر نہیں آتی، وہ زمین کے نیچے ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کو سمجھ لو وہ بھی ایک مجموعہ کا نام ہے اس کے بھی اجزاء ہیں اس کی بھی ایک بنیاد ہے۔ پھر اس کے اجزاء میں ایسا ہی تفاوت ہے جیسا کہ تمہارے مکان کے اجزاء میں، ہر جز مکان کے لیے یکساں ضروری نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ مکان کی بقاء کے لئے جس قدر ستونوں کی حاجت ہے اتنی طاق، روشندان اور نقش و نگار کی نہیں اسی طرح یہاں ارکانِ خمسہ، اسلام کے بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر اسلام کا کارخانہ قائم نہیں رہ سکتا پھر ان ارکان میں بھی باہمی فرق ہے۔ آئندہ حدیث میں ابھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان ارکانِ خمسہ کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی بھی اہم ترین جزء ہے اسے مکان کی بنیاد کی مثال سمجھئے جس طرح وہ زمین میں مدفون ہوتی ہے اسی طرح یہ دل میں پوشیدہ رہتی ہے ارکانِ خمسہ کی یہ محکم تعمیر اسی پوشیدہ تصدیق پر قائم رہ سکتی ہے۔ ایک موٹی سی مثال سے

کتنی بڑی حقیقت ذہن نشین کر دی اور لطف یہ کہ سامعین کو خبر تک نہ ہوئی کہ مشکل کیا تھی اور کیونکر حل ہو گئی۔ دور نبوت گذرا اور جب علوم رسمہ کی نوبت پہنچی تو اسی صاف بات کو جب ضوابط کے شکنجوں میں کھینچا گیا تو اب وہی ایک نہ حل ہونے والا مسئلہ بن کر رہ گیا کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں یا صرف اس کی تکمیل کا سامان اسی پر یہ بحث قائم ہو گئی۔

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ تَحُجَّ عَامًا وَتَعْتَمِرَ عَامًا وَتَتْرُكَ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ عَلِمْتَ مَا رَغِبَ اللَّهُ فِيهِ قَالَ يَا ابْنَ أَخِي بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ إِيْمَانٍ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالصَّلَاةِ الْخَمْسِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَحُجِّ الْبَيْتِ قَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلَوْا فَلَا ضَلَاةَ لَكُمْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ وَتِلْكَ الْوَعْدَةُ بِاللَّهِ (البقرة: ۱۹۳) قَالَ فَعَلْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ إِمَّا قَتْلُهُ وَإِمَّا يُعَذِّبُهُ حَتَّى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةً. الْحَدِيثُ (رواه البخاری فی التفسیر ص ۶۳۸)

نافع سے یوں روایت ہے کہ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور کہا اے ابو عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ان کی کنیت ہے) کیا وجہ کہ آپ حج اور عمرہ تو ہر سال کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ نہیں کرتے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی کیسی ترغیب دلائی ہے۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا اے بھائی اسلام تو پانچ چیزوں کا نام ہے (۱) اللہ کی توحید اور رسول کی تصدیق (۲) پنج وقتہ نماز (۳) رمضان کے روزے (۴) زکوٰۃ (۵) بیت اللہ کا حج (اور آج کل جو لڑائی ہے اس میں شریک ہونا کچھ اسلام کا جزء نہیں جو نہ کرنے سے کچھ نقصان ہو) اس نے کہا اے ابو عبد الرحمن کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہیں مانتے وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلَوْا حَتَّى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةً یعنی اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کرادو (آخر آیت تک) دوسری جگہ ارشاد ہے کفار سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ہم نے حضرت کے زمانہ میں جب اسلام کم تھا ایسا ہی کیا (جو شخص فتنہ اٹھاتا اس کو مار دیا جاتا یا تکلیف دی جاتی) یہاں تک کہ اسلام بکثرت پھیل گیا اور کوئی فتنہ باقی نہ رہا۔

تشریح۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ایک خدائے وحدہ لا شریک کے سامنے عبادت کے لئے سرنگوں ہو جانا۔ اب اگر دین اسلام کا تجزیہ کرو تو اس میں چند قسم کے احکام پاؤ گے۔ (۱) وہ احکام جو سب پر یکساں واجب ہیں۔ (۲) وہ احکام جو خاص خاص افراد سے متعلق ہیں پہلی قسم میں ایک بڑا حصہ صرف فرض علی الکفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں جیسا کہ جہاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر، امارت، حاکم، قاضی، مفتی، شہادۃ وغیرہ ان سب کا تعلق خاص مصالح اور عارضی اسباب سے وابستہ ہے۔ فرض کر لو اگر یہ مصالح ہماری نقل و حرکت کے بغیر حاصل ہو جائیں تو یہ احکام واجب نہیں رہتے اسی طرح حدود وغیرہ کے ابواب ہیں ان کا تعلق بھی چند جرائم کے ساتھ ہے۔ اگر اس کا انسداد ہو جائے تو ان ابواب کی حاجت بھی نہیں رہتی دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسا کہ قرض کی ادائیگی۔ غصب و عاریت، ودیعت و امانت وغیرہ یہ تمام ابواب انسانوں کے حقوق کے تحفظ اور مظلوم کی دادرسی کے لئے ہیں اگر صاحب حق معاف کر دے تو یہ ابواب بھی معطل ہوتے ہیں۔ صلہ رحمی، حقوق زوجیت، حقوق

اولاد، پڑوسی، شریک، فقیر وغیرہ ان احکام کا تعلق بھی سب کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص افراد سے ہے وہ بھی خاص خاص اوقات میں اسی طرح شریعت کے بقیہ ابواب پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال جائے اور غور کیجئے کہ اب وہ کون سے احکام ہیں جو ہر فرد پر واجب ہیں اور کسی وقتی مصلحت پر بھی مبنی نہیں اور انسان کے انقیاد ظاہری و باطنی کا ایک مکمل ثبوت بھی ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ یہی مبنائی خمسہ ہیں۔ اسی لئے حدیث مذکور میں صرف ان پانچ ہی کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۲۶، ۱۲۷)

اس حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جس جنگ کی شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جنگ کا واقعہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب یہاں کتنا عبرت آموز اور کتنا قیمتی ہے کہ کفار سے جنگ فتنہ فرو (ختم) کرنے کے لئے ہوتی ہے اور مسلمانوں سے جنگ فتنہ پیدا کرنے کے لئے۔ تم جس آیت کو میری تردید کے لئے پڑھ رہے ہو درحقیقت وہی میری تائید کے لئے ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابن عمر کا اس حدیث سنانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد فرض عین نہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۴۳) بلکہ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے مذکورہ بالا بیان میں مفصل طور پر ذکر کیا ہے۔

عَنْ أَبِي سُوَيْدٍ الْعَبْدِيِّ قَالَ أَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ فَجَلَسْنَا بِبَابِهِ لِيُؤْذِنَ لَنَا قَالَ قَابَطًا عَلَيْنَا الْإِذْنَ قَالَ فَقُمْتُ إِلَى جُحْرٍ فِي الْبَابِ فَجَعَلْتُ أَطْلُعُ فِيهِ فَفِطَنَ بَنِي فَلَمَّا أُذِنَ لَنَا جَلَسْنَا فَقَالَ أَيُّكُمْ طَلَعَ انْفِصَا فِي دَارِي قَالَ قُلْتُ أَبْطَا عَلَيْنَا الْإِذْنَ فَانْظُرْتُ فَلَمْ أَتَعَمَّدْ ذَلِكَ قَالَ ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنْ أَشْيَاءَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَنِي الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَا تَقُولُ فِي الْجِهَادِ قَالَ مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ (ومن طريق آخر) قَالَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ الْجِهَادُ حَسَنٌ هَكَذَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (الاولی اخرجها احمد وعبدالرزاق والثانية الشيخان والنسائی والترمذی والطبرانی)

ابوسوید عبدی بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دروازے پر بیٹھ گئے تاکہ اجازت ہو جائے (تواندر داخل ہوں) اجازت میں کچھ دیر ہوئی تو میں دروازے میں ایک سوراخ کے اندر سے جھانکنے لگا وہ میری اس حرکت کو تاڑ گئے جب ہمیں اجازت مل گئی اور ہم بیٹھ گئے تو انہوں نے فرمایا ابھی ابھی میرے گھر میں تم میں کس نے جھانکا تھا میں نے عرض کیا کہ اجازت ملنے میں دیر ہو گئی تھی، اس لیے میں نے جھانکا تھا (تاکہ تاخیر کا سبب معلوم ہو) جھانکنا مقصود نہ تھا اس کے بعد پھر ان سے بعض اور باتیں دریافت کیں انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت پر، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، بیت اللہ کا حج اور رمضان کے روزے رکھنے پر، ہم نے عرض کیا اے ابو عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جہاد کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں، فرمایا جو کوئی جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرے گا۔ دوسرے طریقے میں ہے ایک شخص نے ان سے پوچھا اور جہاد فی

سبیل اللہ کیسا ہے فرمایا اچھا ہے (مگر) ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بیان کیا تھا۔ (احمد، عبد الرزاق)

تشریح اسلام میں کسی غیر شخص کے گھر میں جھانکنے کی ممانعت کی گئی تھی اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے اس خلاف شرع حرکت پر ان کو ٹوکا، آخر انہیں معذرت کرنی پڑی۔ اس سے زیادہ پیچھے پڑنا طریق دعوت و حکمت کے خلاف تھا اس لئے یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ان کا یہ عذر بھی شرعی طور پر کافی نہیں تھا۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیسے سکوت کر لیا۔ الفاظ بالا سے یہ اور صاف ہو گیا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشاء صرف اتنا تھا کہ ان کے زمانہ کا جہاد ارکان خمسہ کے ہم پلہ نہیں ہے۔ ایسے فتنوں کے موقعوں پر اس سے زیادہ صفائی سے بات کہنا بھی فتنہ کا موجب تھا۔ اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، مانا کہ جہاد بہت اچھا عمل ہے مگر جو حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے وہ اتنی ہی ہے اس میں جہاد کا ذکر نہیں ہے اس لئے تم مجھے اس جہاد کی شرکت پر مجبور نہیں کر سکتے اور میں اس سے علیحدہ رہ کر معذور رہ سکتا ہوں۔

ارکان اسلام کا باہمی ربط

عَنْ زِيَادِ بْنِ نَعِيمٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعُ فَرَصَتُهُنَّ اللَّهُ فِي الْإِسْلَامِ فَمَنْ جَاءَ بِثَلَاثٍ لَمْ يُغْنِنَنَّ عَنْهُ شَيْئًا حَتَّى يَأْتِيَ بِرَبْعٍ جَمِيعًا الصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَحُجُّ الْبَيْتِ. (رواه احمد)

زیاد بن نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے۔ نماز زکوٰۃ روزے اور بیت اللہ کا حج، جو شخص ان میں تین ادا کرے وہ اس کیلئے کچھ مفید نہیں ہو سکتیں تا وقتیکہ سب نہ کرے۔ (مسند احمد)

تشریح۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور سے یہ تو سب ہی نے سمجھا کہ ارکان خمسہ اور مجموعہ دین کا وہ رشتہ ہے جو ایک قصر اور اس کے ستونوں کا ہوتا ہے اگر ارکان اسلام نہ ہوں تو دین کا قصر ہی گر جائے مگر خود ان ارکان کے درمیان رشتہ کیا ہے، ادھر کسی کا ذہن نہ گیا۔ اس نکتہ کی طرف حافظ ابن رجب کی نظر پہنچی ہے وہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ارکان اسلام میں باہم بھی گہرا ربط ہے اگر ان میں ایک نہ ہو تو بقیہ میں بھی ضعف نمایاں ہونے لگتا ہے کیونکہ یہ ارکان جس طرح پورے قصر کو سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کو بھی سہارا دیتے ہیں اگر سب موجود ہوں تو پورے قصر کا وزن اپنے درمیان تقسیم کر لیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی ایک نہیں ہوتا تو اس کا وزن صرف بقیہ ارکان پر آ پڑتا ہے اور لازمی طور پر اس قصر کے لئے اور خود ان ستونوں کے لئے بھی خطرہ پیدا ہونے لگتا ہے، یہ تو ارکان ظاہری کا حال ہے، ارکان دین کا ربط اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان میں ایسا معنوی ربط ہے کہ ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ جزء بنا ہوا ہے ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی توفیق میسر ہوتی ہے اور ایک کے ترک کرنے سے دوسرے سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے صاحب نبوت کی اس پراسرار تشبیہ میں ارکان خمسہ کا باہمی رشتہ بھی داخل سمجھنا چاہیے اور اب اس تشبیہ کا خلاصہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح ایک قصر کے لئے ستون ضروری ہے اسی طرح اسلام کے لئے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا کرنا ضروری ہے اور جس طرح کسی محل کے بعض ستون گر جانے سے اس کے اور ستونوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اسی طرح کسی رکن اسلامی کے ترک سے اس کے بقیہ ارکان کو بھی نقصان ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قصر کے قائم رہنے کے لئے جتنے ستون درکار ہیں ان سب ہی کا ہونا ضروری ہے اگر ان میں ایک بھی نہ ہو تو بقیہ کا وجود چنداں مفید نہیں ہوتا۔ اب رہ گئی یہ بات کہ کس تعمیر کے لئے کتنے ستون ہونے چاہئیں پھر ان ستونوں میں اہمیت اور غیر اہمیت کا تناسب کیا ہونا چاہئے، ان میں کس کو کس کی احتیاج زیادہ ہے۔ ان مراحل کو وہی انجینئر خوب سمجھ سکتا ہے جس نے یہ نقشہ تعمیر تیار کیا ہے ہر ایک کے ادراک کی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد جب آپ قرآن وحدیث پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ اکثر آیات میں ایک ہی جگہ ملے گا۔ احادیث میں حیا و ایمان کا تذکرہ ساتھ نظر آئے گا۔ اسی ربط کے پیش نظر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”من لم تزک فلا صلوة له“ جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں (ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے شراب پی اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ دوسری حدیث میں ہے جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ جائے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی احادیث بالا سے شراب نوشی اور اپنے مالک سے بیوفائی کا نماز سے بڑا گہرا ربط ثابت ہوتا ہے۔ اس ربط کا پورا پورا ادراک تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے جس نے دین کا یہ قصر تیار کیا ہے اور وہی دراصل اس کے اصول تعمیری کاراز داں ہے۔ تاہم حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے اور انسانی دماغ کے رسائی کی حد تک اسے خوب ہی سمجھا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عبادات درحقیقت عبدیت اور بندگی کی ایک علمی ٹریننگ ہے۔ عبدیت درحقیقت وہ صحیح رشتہ ہے جو بندہ اور اس کے معبود کے درمیان قائم ہے جتنے آسمانی دین آئے اور اسی رشتہ کو سمجھانے اور اس کے حقوق بتانے آئے۔ باپ بیٹے، دوست دوست، ہمسایہ ہمسایہ کے رشتے حتیٰ کہ امتی اور رسول کا رشتہ بھی ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان رشتوں میں تعدد کی گنجائش بھی ہے لیکن عبدیت اور معبودیت کا وہ تعلق ہے جو نہ باہمی مخلوق میں ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے اور نہ اس میں اثنیہ کی گنجائش ہے وہ صرف مخلوق اور اس کے خالق کے درمیان قائم ہے۔ اس رشتہ کو صرف سمجھانا نہیں ہے بلکہ اسکے ایک ایک طرز ادا سے ہم کو رنگین بنانا بھی ہے اگر اس رشتہ کا تجزیہ کرو تو جو اس کے بڑے عنصر نظر آئیں گے وہ صرف دو ہیں اطاعت و محبت۔ ہر غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے ہمہ تن اطاعت ہو مگر وہ اطاعت نہیں جو ذوق محبت سے خالی ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولیٰ سے محبت کرے۔ مگر وہ محبت نہیں جس میں سر موخلاف کی گنجائش باقی ہو، یہ دونوں فرائض بڑی حد تک بندوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں۔ شریعت چاہتی ہے کہ ان مشترک فرائض کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دے جس کے بعد دونوں کی حدود میں کوئی اشتراک باقی نہ رہے اسی کا نام عبادت ہے۔ دشواری یہ ہے کہ انسان فطرۃً داغ عبدیت برداشت نہیں کرتا اس لئے اس کے سامنے ایک ایسا آئین رکھا گیا ہے جسے وہ سمجھے پھر اس پر عمل پیرا ہو کر اس منزل تک پہنچ جائے۔ جہاں یہ داغ عبدیت تاج خلافت کا سب سے آبدار موتی نظر آنے لگتا ہے اس لئے اسے صرف سمجھایا نہیں گیا بلکہ عملی طور پر بھی ایسی ٹریننگ دی گئی جس کے اثر سے تدریجاً اس کی فطرت اطاعت و محبت کی خوگر ہوتی چلی جائے۔ سب سے پہلے مولیٰ حقیقی نے اپنے ایسے ایسے خوبصورت نام بتائے جن میں حسن و خوبی کا جلوہ بھی ہے اور حکومت و سلطنت کا دبدبہ بھی اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ان ناموں سے اسے پکارا کریں۔ اس کا نتیجہ نفسیاتی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ اس کے حسن و جمال کا بے کیف و بے مثال نقش ہمارے دل پر جمنا چلا جائے اسی کے ساتھ اس کی بے پناہ قدرت و طاقت کا تسلط بھی قلب پر چھاتا چلا جائے اور ان اسماء کے لحاظ سے عبادات میں

یہ تقسیم کردی کہ کچھ عبادتیں تو وہ رکھیں جو اس کی حکومت کا سکھ دل پر قائم کریں اور کچھ وہ جو اس کا جذبہ محبت بھڑکائیں۔ اب اگر تم ذرا غور کرو گے تو اسلام کی عبادت میں نماز اور زکوٰۃ تمہیں پہلی قسم میں نظر آئیں گے اور روزہ و حج دوسری قسم میں۔ نماز و زکوٰۃ میں تمام تر بارگاہ سلطنت و حکومت کا ظہور ہے اور روزہ و حج میں سرتاسر محبوبیت و جمال کا جلوہ۔ نماز کیا ہے حاضری کے ایک عام نوٹس کے بعد لباس و جسم کی صفائی، اس کے بعد کورٹ کی حاضری کے لئے تیاری، وکیل کا انتخاب، پھر کورٹ میں پہنچ کر دست بستہ باادب قیام، دائیں بائیں دیکھنے، بات چیت کرنے، کھانے پینے حتیٰ کہ بلاوجہ کھانسنے اور نظریں اٹھانے تک کی ممانعت، آخر میں بذریعہ وکیل درخواست پیش کرنا پھر باادب سلام کر کے رخصت ہو جانا۔ زکوٰۃ پر غور کیجئے تو اس میں بھی غلام کی طرح اپنی کمائی دوسرے کے حوالہ کر دینا، سرکاری ٹیکس وصول کرنے والے آئیں تو ان کو راضی کر کے واپس کرنا، اور جو وہ لینا چاہیں بے چون و چرا ان کے سپرد کر دینا۔

اب سوچو کہ اگر پانچ وقت اس طرح حاضری اور اتنی عاجزانہ جہہ سائی کی تاہم ٹریننگ حاصل کی جائے پھر سال بھر میں اپنا کمایا ہوا مال ایسی خاموشی اور بیچارگی سے سپرد کیا جائے تو کیا اس ذات کے ملکوت و جبروت کا نقش دل پر قائم نہیں ہو گا۔ جس کے پر شوکت اسماء پکارتے پکارتے اور یہ عاجزانہ عبادتیں کرتے کرتے عمر بسر ہو گئی ہے دوسری طرف اگر غور کرو تو محبت کا پہلا اثر کم خفتن، کم گفتن، کم خوردن ہی ہوتا ہے اس لئے اگر پہلے ہی قدم میں یہاں کوئی عاشق نہیں ہے تو یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس جمیل مطلق کی محبت کی عاشقانہ ادائیں ہی اختیار کرے، کھانا، پینا ترک کرے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی نیند خراب کرے اور ایک جگہ جمع ہو کر اس کلام کی ایک معقول مقدار سنا کرے جسے سن کر مردہ رو حیں بھی تڑپنے لگتی ہیں۔ اگر ایک ماہ کی اس ٹریننگ سے اس کے رنگ ڈھنگ، طور و طریق میں کچھ عاشقانہ انداز پیدا ہو گیا ہے تو اب اس کو دوسرا قدم اٹھانا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جب کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور دنیا کے دوسرے لذائذ میں اس کے لئے کوئی لذت نہیں رہی تو اس کو اب کوئے یار کی ہوا کھانا چاہیے۔ یہاں زیب و زینت، تزک و احتشام درکار نہیں بلکہ سرتاسر ذل و انقمار، ہمہ تن عجز و انکسار، شکستہ حال و اشکبار، برہنہ پا و جاں نثار، غرضیکہ سرتاپا دیوانہ وار بن کر چلنا مقصود ہے، یہی احرام کا خلاصہ ہے۔ پھر لوق و دق میدانوں کی صحرا نوردی اور لیلائے حقیقت کے سامنے چیخ و پکار یہی تبلیہ اور میدان عرفات کا قیام ہے۔ اس کے بعد ایک ایسے گھر کے سامنے حاضری ہوتی ہے جس کا مکین کوئی نہیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے حسن و جمال کی کرنیں اس کے ہر ہر پتھر سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور دلہائے عشاق کو پاش پاش کئے دیتی ہیں۔ ایسے دل کش نظارہ کے موقع پر بے ساختہ وہی فرض ادا کرنا پڑتا ہے جو مجنوں نے دیار لیلیٰ کو دیکھ کر ادا کیا تھا اسی کا نام طواف ہے۔ شاید صوم و حج کے اسی ربط کی وجہ سے ماہ رمضان کے بعد ہی حج کے ایام شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جذبہ محبت اس سے بھی آگے ترقی کر جائے تو آخری منزل جہاد ہے۔ یہ عشق و محبت کی وہ آخری منزل ہے جہاں پہنچ کر محبت صادق اور مدعی کا ذب نکھر جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاد کی ایک حکمت یہ بھی بتائی گئی ہے، اس میدان سے جو بھاگا وہ اس لائق نہیں سمجھا جاتا کہ پھر خدا اور رسول کی محبت کا دم بھر سکے اور جس نے ذرا کوئی کمزوری دکھائی اس پر پھر بے وفائی کا دھبہ لگے بغیر نہیں رہتا۔ اس میدان کا مرد صرف وہ ہے جو اپنی موت کو اپنی زیست پر ترجیح دیتا نظر آئے۔ دشمن کی تلوار کی چمک اس کو اتنی محبوب ہو جائے کہ سو جان سے اسے گلے

لگانے کی آرزو ہو اور وہ بڑے جذبہ کے ساتھ یہ کہتا ہو خدا کی راہ میں قربان ہو جائے۔

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ وہم دار ورن را

یہ وہ عاشق صادق ہے کہ جب اس طرح پروانہ دار اپنی جان دے دیتا ہے تو قرآن کو اسے مردہ کہنے پر غیرت آتی ہے، وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ زندہ ہے اگرچہ تمہیں اسکی زندگی اور اس زندگی کے مقام بلند کا شعور نہیں۔

مولانا مرحوم کے اس نقشہ کے مطابق نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج کا علیحدہ علیحدہ ربط واضح ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چاروں عبادتیں اس تصور سے ادا ہوتی رہیں تو ممکن نہیں کہ اطاعت و محبت کی دونوں شانیں جو ایک عبد کے لئے مطلوب ہیں پیدا نہ ہو جائیں، ہمارے فقہاء نے بھی بڑی حد تک اس کو سمجھا ہے اور شاید اسی لئے قضا نمازوں کی ترتیب ساقط ہونے کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ پوری پانچ نمازیں قضا ہو جائیں بظاہر ایک دن کی پانچ نمازوں میں کوئی ایسا ربط پنہاں ہے کہ یہ پانچ گویا ایک ہی نماز ہے اور اسی لئے اگر کسی شخص کی چار نمازیں فوت ہو جائیں تو اسے ان کو بالترتیب قضاء کرنا چاہئے شافعیہ نے حالت سفر میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی اجازت دی ہے مگر یہ اجازت نہیں دی کہ پانچ میں سے جن دو کو چاہے جمع کر لے بلکہ صرف ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کرنا تجویز کیا ہے۔ شاید یہ بھی ان نمازوں کے کسی معنوی تناسب پر مبنی ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی جملہ حدیث ”وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ“ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سلف ظہر کے بعد عصر اور مغرب کے بعد عشاء کا انتظار کیا کرتے تھے وہ بھی شاید اسی ربط پر مبنی تھا۔ روزے کے باب میں جنون کے پورے ماہ یا اس کے کسی ایک حصہ میں ہونے کی بحث بھی شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ پورے ایک ماہ کے روزوں کو بظاہر کوئی معنوی ربط حاصل ہے۔ ماہ رمضان کی تین عشروں پر تقسیم بھی ہر عشرہ کے کسی معنوی ربط کا پتہ دیتی ہے اور آخر عشرہ کی اکائیوں میں بھی شاید کوئی ایسی خصوصیت پنہاں ہے کہ لیلۃ القدر ان ہی میں رکھی گئی ہے۔ بہر حال جب حوادث عالم کی بکھری ہوئی کڑیاں بھی کسی اندرونی نظام کے ماتحت رونما ہوتی ہیں تو پھر احکام شریعت کو اتنا بے ربط کیوں سمجھا جائے اس موضوع پر غور کرنے کے لئے طبعی دلچسپی کی ضرورت ہے۔ فرصت نکالنے اور ان موتیوں کے حاصل کرنے کے لئے حدیث و قرآن کے سمندر میں غوطہ لگائیے گو ہر مقصود مل جائے گا۔ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر صرف تمسخر اور استہزاء کرنا علم کا راستہ نہیں۔

اسلام میں سب سے مضبوط عمل

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذَرُونَ أَيُّ عُرَى الْإِيمَانِ أَوْثَقُ قُلْنَا الصَّلَاةُ قَالَ الصَّلَاةُ حَسَنَةٌ وَلَيْسَتْ بِذَاكَ قُلْنَا الصَّيَامُ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى ذَكَرْنَا الْجِهَادَ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ الْمُوَالَاةُ فِي اللَّهِ وَالْمُعَادَاةُ فِي اللَّهِ وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ. (اخرجه الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والعلی السی عن البراء)

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو ایمان میں سب سے مضبوط

عمل کون سا ہے؟ ہم نے عرض کیا نماز۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نماز کا تو کیا کہنا ہے لیکن اس کا دائرہ دوسرا ہے ہم نے عرض کیا تو پھر روزے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی یہی فرمایا یہاں تک کہ ہم نے جہاد کا نام لیا تو اس پر بھی آپ نے وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد کہا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ خدا ہی کے لیے دوستی اور خدا ہی کے لیے دشمنی، اسی کے نام پر محبت اور اسی کے نام پر بغض رکھنا۔ (طبرانی، مسند ابوداؤد و طیالسی)

تشریح حدیث و قرآن میں فرائض و ارکان کو زیر بحث لایا ہی نہیں گیا۔ ان کی اہمیت تو اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ ہاں وہ اعمال جو کسی سبب سے ارکان قرار نہیں دیئے گئے۔ لیکن بہ حقیقت رکنیت کا مقام رکھتے ہیں ان کو اس لیے ابھارا جاتا ہے کہ عام نظریں ان کا شمار ارکان اسلام میں نہ دیکھ کر کہیں ان اعمال کو نظر انداز نہ کر دیں ہمارے خیال میں یہ اعمال اکثر وہ ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ہے۔ بعض اجتماعی عمل اتنے اہم ہوتے ہیں کہ بہت سے انفرادی فرضوں کی ادائیگی ان اعمال پر موقوف ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا اپنا مقام دیکھا جائے تو اگرچہ اس کی حیثیت فرض و رکن کی نہیں ہوتی۔ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ارکان اسلام کے لئے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کا مرتبہ وہ ہوتا ہے جو قالب کے لئے قلب کا اور جسم کے لئے روح کا۔ از انجملہ خدا کے لئے محبت و عداوت کا عمل ہے۔ احادیث میں اسلام کے اس شعبہ کو کمال ایمانی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ فضیلت اسلام کی حدیثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جنت میں جانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک باہمی محبت پیدا نہ ہو جائے۔ اس محبت سے مراد یہی پر خلوص محبت ہے۔ مسلمانوں کا تنہا یہ عمل ان کے تمام دین کے ارکان کی ادائیگی میں جتنا مدد و معاون ہو سکتا ہے ظاہر ہے نماز سے لے کر جہاد تک معاملات سے مسائل امامت و سیاست تک کون سا شعبہ ایسا ہے جس میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت یعنی جہاد تو درحقیقت اسی کے مجموعہ کا نام ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہی وہ جہاد ہے جو بہت سے اجتماعی امراض کا علاج اور بہت سے امراض سے تحفظ کا واحد سبب بھی ہے۔ حدیثوں میں مختصر مختصر ایسے اعمال بتا دیئے گئے ہیں جو امت امیہ کو اجتماعی اور انفرادی زندگی کی پیچیدگیوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور جب یہ پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوتیں تو بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ عبادت رب العالمین ادا کرنے کی فرصت میسر آ جاتی ہے لیکن جب ان اعمال کو ترک کر دیا جاتا ہے تو زندگی کا ہر شعبہ ایسا پر پیچ بن جاتا ہے کہ انسان عبادت خداوندی کی بجائے صرف ان کے سلجھانے کے مشغلہ میں ہی پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہاں اس سے زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ



ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْإِسْلَامِ ضَوْءًا وَمَنَارًا كَمَنَارِ الطَّرِيقِ. (المستدرک)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (مستدرک)

تشریح:۔ عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھا اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ پر چلنا مشکل تھا اس لئے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لئے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدا نہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفسیر نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز و شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعبہ کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیا میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیا ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرہ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔

مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے جس کی بناء پر وہ اس کے صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان و شعبہ اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہو گا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل اور پھر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لئے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور و خوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہونگی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لئے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیر عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مومن کیلئے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان و اسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ ان علامات کو اپنے قلب و قالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہو جاتا ہے یا نہیں۔

اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَامِرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ عَبْدَ اللَّهِ وَخَلَّدَهُ بِأَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ فِي كُلِّ عَامٍ فَلَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِي آخِرِهِ فَمَا تَزَكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ. (رواه البزار في مسنده)

عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سوا معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمائیے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَفْضَلَ الْإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ. (رواه الطبرانی)

عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ بِالْتَّكْبِيرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبِعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا

تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَىٰ أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِي رَاحِلَتِهِ قَالَ أَبُو مُوسَىٰ وَأَنَا خَلَفْتُهُ أَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فِي نَفْسِي فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَبْنِي قَيْسَ إِلَّا أَذْلِكَ عَلَىٰ كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلَىٰ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. (متفق عليه)

ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو ستانہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لئے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت و شہادت کا فرق باقی نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ و مبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع و بصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔ یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع و بصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہئے۔ تمہاری یہ چیخ و پکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لئے تم اس ادب و متانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع و بصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغہ خمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مومن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیور بر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس مومن کی شان یہ ہو جاتی ہے ”لَا يَحْزَنُهُمُ الْفُزْعُ الْاَكْبَرُ“ یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لئے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ پورے مطمئن نظر آئیں گے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن ہر

پر کھڑا تھا اس خطرناک موقع پر آپ کے لئے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا لا تحزن ان الله معنا۔ یعنی اے رفیق غارتم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ان معی ربی سیہدین۔

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ فَقَدْ اكْتَمَلَ الْإِيمَانُ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر، نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ امام احمدؒ کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے (یعنی عفت فرج مقصود ہو)۔ (ابو داؤد۔ ترمذی)

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجُمُوحِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَسْتَحِقُّ الْعَبْدُ صَرِيحَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلَّهِ وَيُبْغِضَ لِلَّهِ فَإِذَا أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَحَقَّ الْوِلَايَةَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى. (رواه احمد)

عمر بن جموحؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہو جائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نواز دے۔ (احمد)

تشریح:- ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دواعی قلب اور حرکات جوارح سب رضاء الہی کے تابع بن جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ چکا ہے قلب و زبان میں پوری یک رنگی پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموحؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی جب ترقی کی اس معراج پر جا پہنچتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے۔

گفت قدوسی فقیری در فناء و در بقاء۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقیری فناء اور بقاء میں ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ خَوَارِيُونَ وَأَصْحَابٌ يَآخُلُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتُلُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْضِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَلَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَلَهُمْ بِلسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَلَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رواه الخمسة غير البخاری)

عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی

نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں ایسے لوگ ضرور گذرے ہیں جو اس کے معین و مددگار، اس کے طریقہ کار کے قبیح و پیروکار اور اس کے ہر حکم کے مقتدی و فرمانبردار ہوا کرتے تھے پھر ان کے بعد ان کے جانشین کچھ ایسے بد اطوار لوگ ہوئے (جن کے قول و عمل میں بڑا فرق تھا) وہ جو بات اپنی زبانوں سے کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ حرکتیں کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جو شخص بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مومن اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مومن اور جو صرف قلبی ناگواری پر کفایت کر لے وہ بھی ایک درجہ کا مومن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی جز نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

تشریح:- امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طارق بن شہاب کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان مراتب ثلاثہ کو وقتی استطاعت و قدرت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

”تم میں جو شخص کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس سے کیا کم کہ اپنے دل میں اس کی ناگواری برابر محسوس کرتا رہے اور یہ درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

اس حدیث میں ایمان کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں قوی، درمیانہ، اور ضعیف ان میں ہر ایک درجہ کا اقتضاء جدا جدا اور ہر ایک کی علامت علیحدہ علیحدہ ہے۔ سب سے ضعیف درجہ کی علامت یہ ہے کہ خلاف شرع امور سے قلب میں ہمہ وقت نفرت و کراہت محسوس ہو یعنی جب کہیں کوئی منکر نظر آئے تو فوراً قلب میں اس پر ناگواری محسوس ہو۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے ”و کفرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان“ (اللہ تعالیٰ نے (صرف اپنی مہربانی سے) تمہارے دلوں میں کفر، فسق اور اپنی نافرمانی سے کراہت ڈال دی ہے) اس کراہت کے بھی ضعف و قوت کے لحاظ سے تین مراتب نکل سکتے ہیں سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ خدا کی زمین سے کفر و فسق کو اپنی قوت بازو سے مٹا ڈالے اور اس سے تو کیا کم کہ دل میں اس کی ناگواری محسوس کرتا رہے اگر اتنا احساس بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اس میں ایمان کی کوئی نشانی بھی نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے ہمارے نزدیک سب سے اچھی شرح حافظ ابن تیمیہ کی ہے لیکن وہ محدثین کی اس تحقیق پر مبنی ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ تصدیق و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اسی مجموعہ پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مجموعہ میں جن باتوں پر ثواب کا وعدہ ہے وہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں صرف یہی تین باتیں ہیں۔ تغیر بالبد (غلط کام کو ہاتھ سے روکنا) ان میں سب سے اعلیٰ ہے اور انکار قلبی (دل سے برا سمجھنا) سب سے ادنیٰ۔ پس اگر کسی کا ہاتھ ازالہ منکر کے لئے حرکت نہیں کرتا، اس کی زبان روکنے کے لئے نہیں ہلتی اور اس کا قلب اندرونی طور پر بھی انکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد اب اعمال ایمانی میں ایسا کوئی عمل نہیں ہے جس کی ادائیگی پر اس کو کسی ادنیٰ ثواب کا بھی استحقاق ہو۔ محدثین کے نزدیک چونکہ اعمال ایمان کے اجزاء شمار ہوتے ہیں اس لئے اس حدیث میں اجزاء ایمان کی نفی سے اعمال ہی کی نفی مراد ہے۔ ولیس وراء ذلک من الایمان حبة خردلی کی ٹھیک شرح یہ ہے یعنی انکار قلبی کے بعد اب رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا کوئی جز ایسا نہیں رہا جس پر کوئی اجر

مرتب ہو سکے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص مومن ہی باقی نہیں رہے گا۔ (الایمان ص ۳۱ و ص ۱۷۴)

اصل حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے حسب ذیل آیت پر غور کیجئے کنتم خیر امة اخروجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ یعنی اس امت کی خیریت جن امور کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے، ان میں سب سے ممتاز ایمان باللہ کی صفت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کے لوازم میں ہیں اس لئے پہلی امتیں اگر ایمان باللہ میں ہم سے پیچھے رہیں تو امر بالمعروف میں بھی ان کا قدم ہم سے پیچھے ہی تھا اور یہ امت اگر ایمان باللہ میں سب سے فائق رہی تو امر بالمعروف میں بھی اس کا قدم سب سے آگے ہے۔ بہر حال ایمان باللہ کے ساتھ کسی نہ کسی مرتبہ میں امر بالمعروف ہونا بھی ضروری ہے جس کا سب سے ضعیف درجہ انکار قلبی ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ غور کرنا ہوگا کہ اب اس میں ایمان باللہ کی کتنی روح اور اس کی کیا علامت باقی ہے۔ اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان ہونٹوں پر روزوں کی خشکی اور بروقت زکوٰۃ کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی ایک بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے۔ ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالات علمیہ و عملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کی تمام مخلوقات کی تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اس کا طغۃ امتیاز ہے اور اسی بناء پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

یہ بات بہت زیادہ قابل غور ہے کہ جب ایک انسان کی ذاتی تکمیل کے لئے بھی قوت ایمانی کی ضرورت ہے تو اس امت کے لئے جس کو یہ دعوت دی گئی ہو کہ وہ تمام دنیا کی طاقتوں کو چیلنج دیکر ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تکمیل کر دے، کتنے عزم، کتنی قوت ایمانی اور کتنے وثوق باللہ کی ضرورت ہوگی، ایمان باللہ کے بغیر امر بالمعروف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ صفت جتنی کامل ہوگی انسان اتنا ہی امر بالمعروف کے لئے مضطر مجبور ہونا اور اگر بد نصیبی سے وہ اس اضطراب سے خالی ہو چکا ہے تو جب تک اس میں نور ایمانی کا کوئی ذرہ موجود ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا دل احساس ناگواری سے تو خالی نہ رہے اگر اس میں یہ احساس ناگواری بھی نہیں تو پھر سمجھنا چاہئے کہ اس میں غیرت ایمانی کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ یہ تھی اس حدیث کی مختصر شرح اب امر بالمعروف کے متعلق چند اور اہم کلمات سنئے۔

حدیث کے لفظ (اذا رای منکراً) ”جب کوئی برائی دیکھے“ میں روایت سے مراد برائی کا ثبوت اور یقین ہے اس کا آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت (نافرمانی) میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی ازالہ کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی تک پہنچا دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور پر تعزیر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور دفعات تعزیر کا اجراء عوام کا حق نہیں ہاں امر بالمعروف ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموش نہیں ہے کہ شریعت میں جتنا امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنا ہی تجسس احوال کی ممانعت بھی ہے

قاضی اس کا مامور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا زبردستی تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اسکے سامنے کوئی معاملہ آجائے تو وہ اس کی تحقیق کر کے مناسب فیصلہ صادر کر دے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابویعلیٰ نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا تجسس نہ کرنے سے کسی کی جان، آبرو یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے جیسا زناء، چوری اور قتل تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہے۔ دوم یہ کہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہوں جو بالاتفاق منکر ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے پر انکار کرنا قلتِ علم اور تنگ نظری ہے۔

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار جاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کی بجائے نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) یا اس کے ہموزن دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) یا اس سے برتر برائی کا خطرہ ہو۔

صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر مشغلہ میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہو گا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص ناول دیکھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بد دین اور فاسد العقائد مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا تو اس کو ناول دیکھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہو گا۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲)

عالم وہ ہے جو ان مراتب کو پہچانے اور ان کی صحیح رعایت بھی رکھے نہ ہر کہ سربتراشد قلندری داند۔

جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ إِنَّ الْحَلَالَ بَيْنَ وَبَيْنَ الْحَرَامِ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ. كَالرَّاعِي حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اللَّهُ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (رواه البخاری ومسلم)

نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال اُس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے ارد گرد چراتا رہے۔ قریب

ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل ریز و اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ریز و کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگرچہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس نے دیندار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت و محبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دیدیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھائی اس نے اپنی دینی شخصیت صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لئے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے..... کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لئے انشاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لا شریک لہ کی محبت کے سواء کسی غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضا مندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لئے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق و شوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشات نفسانی کا گرفتار بنا رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح و فساد کا مدار بادشاہ کے صلاح و فساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح و فساد کا مدار قلب کی صلاح و فساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لئے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں ”لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ“ کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اللھم انی اسالک قلبا سلیم اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو۔ آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب و مجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک و کفر کی

خونناک سے خونناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک و صاف گزر جاتے کہ ان کے دامن اعتقاد میں شک و شبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا۔ عالم کے موجد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا ”انی وجہت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔“ ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اذ جاء ربہ بقلب سلیم۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔ اگر قلب ماسواء اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہا درجہ کا رہ ہو جائیگا، جو ارجح انسانی ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس و حرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔

(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔ حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔

(۲) قرآن وحدیث نے اگرچہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیاہی و توضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال و حرام تو ایسے ہیں جو خواص و عوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہو سکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جاسکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہئے اس قسم کے مقامات پر حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہر چند کہ میدانِ شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محلِ شبہ ترک کر دے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائیں واپسی

میں ان کے رخصت کرنے کے لئے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان کو ٹھہرایا اور فرمایا یہ میری زوجہ صبیہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کے بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کا طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گزر جائے تو اُس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لئے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گزرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۵۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

نیک بات پردل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا

عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِيمَانُ

مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يُطْلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ. (رواہ مسلم)

نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

عَنْ وَابِصَةَ بِنِ مَعْبُودَةَ قَالَتْ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جِئْتِ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِيمَانِ

قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اسْتَغْفِرْ قَلْبَكَ الْبِرُّ مَا أَطْمَأَنَّ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَأَطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِيمَانُ مَا حَاكَ فِي

النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصُّلْبِ وَإِنْ أَتَاكَ النَّاسُ وَافْتَوَكَ. (رواہ احمد والدارمی فی مسندیہما باسناد حسن)

وابصہ بن معبودہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹک جائے وہ تو نیکی کی

بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد و داری)

تشریح:- اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواس خمسہ میں اشیاء ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہ فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور بُرے نغے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسہ فطرت بھی اوامر الہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیات شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بناء پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتهم ایماناً۔

سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیات الہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔

(۲) الا بذکر الله تطمئن القلوب۔ سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بناء پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ و سفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے، حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لئے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ ”وکرهت ان یطلع علیہ الناس“ اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو، کسی امر کے گناہ ہونے کی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو، اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر

حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص ۱۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہئے۔ وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بناء پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آجائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کا رآ مد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

پانی جب نظر آجائے تو تیمم باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”فتوحات مدینہ مارا از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ۔“ (فتوحات مدینہ مکیہ سے بے نیاز کر دیتی ہیں) سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

جس جانب میں تردد ہوا سے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہوا سے اختیار کر لینا

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ سِبْطِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِثَاحَتِهِ قَالَ

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا مَا يُرِيْتُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيْتُكَ. (رواه النسائي والترمذي)

حضرت حسنؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کر لو جس میں تمہیں کوئی کھٹکانہ ہو۔ (ترمذی و نسائی)

حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ خَذَرًا لِمَا بِهِ بَأْسٌ. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

تشریح:- ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہوتا کہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمر فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لئے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع و تقویٰ کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرّمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کیلئے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہئے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دیدے اب اسے کیا کرنا چاہئے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق اداء کر چکا ہے اور اس کی فرمانبرداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دیدینی چاہئے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دیدینی چاہئے۔ (جامع العلوم)

نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْإِيمَانُ فَقَالَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. (الحاکم فی المستدرک)

ابو امامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بُری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔ (مستدرک)

تشریح:- یہ حدیث بھی انسان کے حاسہ فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ

درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسہ اور سیدہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔

افمن زین له سوء عمله فراه حسنا۔ کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لئے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسہ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔

پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہئے کہ سیدہ اور حسہ کے بیان کی جو اصل قرابادین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہئے اور اگر اس کے خلاف ہے تو وہ یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہئے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقتہ محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مومن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقتہ محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اسکی روحانیت کے ہے پس جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہئے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ كَيْفَ لِي أَنْ أَعْلَمَ إِذَا أَحْسَنْتُ وَإِذَا أَسَأْتُ قَالَ إِذَا سَمِعْتَ جِوَارَكَ يَقُولُونَ قَدْ أَحْسَنْتَ فَقَدْ أَحْسَنْتَ وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُولُونَ قَدْ أَسَأْتُ فَقَدْ أَسَأْتُ. (اخرجه احمد وابن ماجه والطبرانی)

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ بُرا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے بُرا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام بُرا ہی کیا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ طبرانی)

تشریح:- اس حدیث میں صرف حسن جوار (باندی) کی تعلیم دینا مقصود ہے انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لئے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور کامد ار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ مگر حسن جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرز خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دور فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِي فِينَكُمْ فَقَالَ اسْتَوْصُوا بِأَصْحَابِي خَيْرًا ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ

حَتَّىٰ إِنَّ الرَّجُلَ يَبْدَأُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ بِهَا وَيُؤَيِّدُ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ بِهَا فَمَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ وَلَا يَخْلُونَ أَحَدُكُمْ بِأَمْرَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَمَنْ سَرَتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجه الطحاوی فی مشکل الآثار)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقامِ جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لئے کھڑا ہوا ہوں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا میرے صحابہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائیگا اور نوبت یہاں تک آجائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لئے آمادہ ہوگا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اُسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہئے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہئے کیونکہ شیطان (آکر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بُری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مومن ہے۔ (مشکل الآثار)

عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعَقِيلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ لِي بِأَنْ أَعْلَمَ إِنِّي مُؤْمِنٌ قَالَ مَا مِنْ أُمَّتٍ عَبْدٌ يَعْمَلُ حَسَنَةً فَيَعْلَمُ أَنَّهَا حَسَنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ جَارِيَةٌ فِيهَا خَيْرٌ وَلَا يَعْمَلُ سَيِّئَةً فَيَعْلَمُ أَنَّهَا سَيِّئَةٌ وَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ مِنْهَا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ إِلَّا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجه احمد والطبرانی فی الاوسط)

ابورزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کیسے سمجھوں کہ اب میں مومن ہو گیا، آپؐ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مومن ہے۔ (احمد طبرانی)

تشریح:- اس حدیث میں احساسِ حسنه اور احساسِ سیئہ کے ساتھ ایمان و ایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپؐ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپؐ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگا دینا کتنا مناسب ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ إِذَا أَحْسَنُوا اسْتَبَشَرُوا إِذَا أَسَاؤُوا اسْتَغْفَرُوا. (رواه ابن ماجه والبيهقي فی الدعوات الكبير)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ دعوات کبیر)

تشریح:- دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہے اور ان کی امت کے لئے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کر کے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لئے دست بدعا دیتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیئہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

احکام اسلامیہ کے لئے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النُّورَ إِذَا دَخَلَ الصُّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ لِي لَكَ مِنْ عِلْمٍ يُعَرِّفُ بِهِ قَالَ نَعَمْ التَّجَالُّي مِنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالِاسْتِعْذَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزْوِيلِهِ. (شعب الایمان)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی من یرد اللہ الخ یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے پھر اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ نور ایمانی جب مسلمان کے سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ بات معلوم ہو سکے۔ فرمایا ہے۔ دنیا سے (جو دھوکے کی ٹٹی ہے) بیزاری۔ آخرت کی طرف (جو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے) توجہ۔ اور موت کے لئے اس کی آمد سے قبل تیاری۔ (شعب الایمان)

تشریح:- دنیا اور آخرت دو متضاد مقصد ہیں حدیث میں ان دو کو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے ”ان رضیت احدهما سخطت الاخری“ کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک کی طرف میلان کے لئے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے دار غرور سے بیزاری اور انابت الی اللہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لئے موت کی تیاری کرنا لازم ہے۔ یہ تینوں عنوانات عقائد اور علوم نہیں کیفیات قلبی ہیں جیسا نور ایمانی کہ وہ بھی کیفیت کا نام ہے علوم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ ارباب حقائق کی نظروں میں یہ انسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ خَلَّادٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقَلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلْقَى الْحِكْمَةَ. (شعب الایمان)

ابو ہریرہ اور ابو خلاد سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم دیکھو کہ کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم بختی کی صفت پیدا کر دی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آ کر بیٹھو کیونکہ (وقت آ گیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھادی جائے۔ (شعب الایمان)

تشریح:- علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ اس حدیث کے ساتھ آیہ قرآنی لقد

اتینا لقمان الحکمة کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو وحی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القا فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکات ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلمات حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اس کے برکات صفت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آ بیٹھا ان کو برکات ایمانی اسی طرح لگ جاتی ہیں جیسا ڈاکٹروں کی نظروں میں متعدی امراض۔

نمازوں کیلئے مسجد کی پابندی

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ. (الآية رواه الترمذی بسند حسن)

ابو سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لئے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

تشریح:- جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے ”ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ الخ“ مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لئے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا جج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دے۔

یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت المقدس کی طرف پڑھیں۔ ولله علی الناس حج البيت من استطاع الیه سبیلاً ومن کفر فان الله غنی عن العالمین لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے۔ اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ غَدَا إِلَى الصَّلَاةِ الصُّبْحِ

غَدَا بِرَأْيَةِ الْإِيمَانِ وَمَنْ غَدَا إِلَى السُّوقِ غَدَا بِرَأْيَةِ الْإِبْلِيسَ. (رواه ابن ماجه)

سلمان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا، وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لیکر گیا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خالص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آگئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ اداء کی اس نے اس کا ثبوت دیدیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے۔

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے
کوئی حرم کو کوئی بنگلہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے
تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سنا ہے
علی الصباح جو مردم بکار و بار روند
بلاکشان محبت بہ کوئے یار روند

طہارت کی نگہداشت

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَنْ نَحْضُوا وَاعْلَمُوا إِنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ. (رواه مالک و احمد)

ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ (مالک۔ احمد)

تشریح:- نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان اسی لئے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں مومن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لئے یہ کام تو کسی کامل ہی مومن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی با وضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضو وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بناء پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ. (متفق عليه)

ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کے لئے سب سے بہتر مال چند بکریاں

ہوں گی جنہیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

عَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ

الْفِتْنِ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ الْفِتْنِ وَلَمَنْ ابْتُلِيَ فَقَصَرَ قَوَاهَا. (رواہ ابو داؤد)

مقداد بن اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ

بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین ناسمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں

اور جو دیندار ہیں وہ ان میں شرکت کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً

پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لا پرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے

کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گزشتہ فتنوں

کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا، جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو پکچل نہیں

سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر

بے دین اس میں مبتلا ہو بھی جاتے تو کم از کم دینداروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ

رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دینداروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا

دین بھی کھو بیٹھے۔ واللہ المستعان۔ امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ

کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہوگی۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاد باللسان اور باللسان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جبکہ خود

مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے، حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا التافساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحابہ کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کیلئے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ قَاتِلُوهُمْ

حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً۔ کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے

کے لئے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اپنی مادی اور روحانی طاقت کا

اندازہ کئے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لئے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم

ہے۔ جذبات جب انجام بنی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو

جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔



کِتَابُ التَّوْحِيدِ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ. أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ. (الاعراف: ۱۸۲، ۱۸۳)

اور وہ وقت یاد کیجئے جبکہ آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، انہوں نے جواب دیا بیشک ہے، ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لئے کیا) کہ کبھی قیامت کے دن عذر کرنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی، یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا، ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے (تو مجبوراً اسی راستے پر چلے) تو کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہم سے پہلے غلط کاروں نے کیا تھا۔

تشریح۔ تمام ادیان سماویہ اور عقائد حقہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری بنیاد اسی پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی، عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء منتہی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس کا حل نہ کیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی کسی کی سمجھ میں نہ آتا۔ آج یہ اسی ازلی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن محدود افراد نے کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسا کہ ایک بخار کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ و بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال ابتداءئے آفرینش سے آج تک ہر طبقہ کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی دوا دوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرما دیا گیا تھا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ یہ تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی تاہم جس

طرح ایک انشاء پر داز کو یقین ہوتا ہے کہ ضرور اس کو ابتداء عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھائے جس سے ترقی کر کے آج وہ اس رتبہ کو پہنچا ہے گو اس کی تفصیل اس کے ذہن میں اس وقت مستحضر نہ ہوں۔ اسی طرح بنی نوع کا ہر دور میں عقیدہ ربوبیت پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز انکی فطرت ہی میں کسی مربی و معلم کی طرف سے ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ اسی ازلی اور فطری تعلیم نے ہر انسان کو خدا کی محبت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ اب ہر منکر کے مقابلہ میں خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔ (مختصر نواد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی)

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عالم ارواح کا عہد اس عالم اجسام میں یاد نہ رہا تو تعجب کیا ہے جب کہ معلوم نہیں کہ اس کی صورت مثالیہ کتنی بار بنی اور بگڑی، کتنے آباء و امہات میں منتقل ہوئی، پھر نطفہ، علقہ اور مضغہ، کے کتنے قالب بدلے، پھر کتنے اجزاء کا اس میں اور اضافہ کیا گیا، پھر نہ معلوم کہ کتنے زمانہ بعد احسن الخالقین کے کرشمہ سازی کی شہادت دینے کے لئے مساحت وجود میں آئی۔ اگر ان ارتقائی مراتب کی ایک کڑی بھی فراموشی کے لئے معقول سبب بن سکتی ہے تو جو انسان ایک غیر محدود مدت سے اس گرداب میں پڑا چکر ہی کھاتا رہا ہے۔ اس کی عہد ”ہلی“ کی فراموشی اتنی قابل الزام نہیں ہے بایں ہمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سہل بن عبد اللہ ستریؒ سے منقول ہے کہ ان کو اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی اپنا قدیم عہد یاد تھا۔ (البیہاقیت والحوارج ص ۱۰۶)

معلوم نہیں کہ خدائے قدوس کے کتنے بندے اور ہوں گے جنہیں تصفیہ روح کے بعد اپنا قدیم عہد یاد آ گیا ہوگا۔ مگر مزاج سلف میں نہ اس سوال کی اہمیت تھی نہ اس کے جواب کی ضرورت۔ اس لیے ذخیرہ نقل کسی لمبی فہرست پیش کرنے سے خاموش ہے۔ سلسلہ اشہاد کی تفصیل میں احادیث موقوفہ و مرفوعہ کا ایک صحیح ذخیرہ موجود ہے۔ معزلہ کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور فطرت انسانی میں اقرار ربوبیت کی صلاحیت ہی اس سوال و جواب کی حقیقت ہے اس لیے اس آیت میں انہیں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ محدثین کا قدم کچھ اس سے آگے ہے۔ یہاں تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کیجئے انہوں نے اس مقام کو خوب مرتب و مہذب کر دیا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتُ مُفْتَدِيًا بِهِ، قَالَ فَيَقُولُ نَعَمْ قَالَ فَيَقُولُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ ذَلِكَ قَدْ أَخَذْتُ عَلَيْكَ فِي ظَهْرِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي. (رواه احمد والشيخان وغيرهم)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک دوزخی شخص سے کہا جائے گا بتلا اگر (تیرے پاس آج) تمام زمین کا مال ہوتا تو کیا تو وہ سب اس عذاب کے فدیہ میں دے دیتا وہ عرض کرے گا ضرور، باری تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہلکا مطالبہ کیا تھا (یعنی) جب تو آدمؑ کی پشت میں تھا تو تجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میرا کسی کو شریک مت ٹھہرانا مگر تو نہ مانا اور شریک ٹھیرا کر رہا۔ (اس حدیث کو امام احمد اور شعبین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کھود کرید کرنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ

كَذَا. مَنْ خَلَقَ كَذَا. حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبُّكَ فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ فَلْيُسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَه. (رواه الثلاثة)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یہ چیز کس نے پیدا کی؟ یہ چیز کس نے بنائی؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اچھا تو تمہارے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک نوبت پہنچے تو خدا کی پناہ لینا چاہیے اور اس کے ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ ختم کر دینا چاہیے (اس حدیث کو تین کتابوں میں روایت کیا ہے)

تشریح۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں مداخل شیطان پر طویل بحث کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ کیا کیا ہیں، کن کن راستوں سے شیطان آتا ہے اور کن کن وساوس میں مبتلا کرتا ہے، ان تمام تفصیلات کو تو یہاں نقل نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ حدیث کی شرح کے لئے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس کے بہکانے کا ایک راستہ یہ ہے کہ پہلے وہ دماغ میں سوالات کا ایک مرتب سلسلہ قائم کر دیتا ہے اور نہایت سادگی کے ساتھ اس ضمن میں ایک غلط کلیہ ذہن نشین کر دیتا ہے جس میں بظاہر کوئی سقم نظر نہیں آتا۔

دیکھو یہ کتنی سیدھی اور سچی بات ہے کہ مخلوق کے دائرہ میں جس طرف نظر اٹھاؤ خالق کا سوال بجائی بجائے نظر آئے گا، اس لیے یہ بدیہی ہوگا کہ جو چیز ہے اس کا کوئی خالق ضرور ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کو تسلیم کرنے کے لئے اس مشاہدہ سے زیادہ سہل طریقہ اور کیا تھا مگر اس کے بعد اب دھوکا یہ ہے کہ اللہ کو مخلوق کے دائرہ میں شامل کر کے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ جب کلیہ ہر چیز کے لئے خالق ہونا مسلم ہو گیا تو پھر اللہ کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے۔ گو یہ سوال غلط درغلط تھا کیونکہ اللہ اسی کو کہتے ہیں جو سب کا خالق ہو اور وہ کسی کی مخلوق نہ ہو پھر اس کے متعلق خالق کا سوال کرنا متناقض سوال ہے، مگر وسوسہ ایسی ہی باطل حقیقت کا نام ہوتا ہے۔ بسا اوقات خود انسان کا ضمیر بھی اس پر نفرت کرتا ہے مگر دل ہے کہ تذبذب میں ڈوبا چلا جاتا ہے۔ مصیبت یہ ہو جاتی ہے کہ جب ایک مسلسل اور مرتب مشاہدہ کے بعد دل میں ایک بات اثر کر جاتی ہے تو اس کی تردید کے لئے جب تک اسی درجہ کا مرتب و مسلسل مشاہدہ میسر نہ ہو اطمینان نصیب نہیں ہوتا مگر یہاں سوائے ایک اللہ کے اور کوئی ایسا ملتا ہی نہیں جس کا خالق کوئی نہ ہو اس لیے ذہن اندر ہی اندر اپنے قدیم تاثر کے ماتحت خالق کے لئے خالق کا مطالبہ کرتا ہی رہتا ہے۔ عقل گو ہزار دفعہ اسے سمجھاتی ہے مگر اپنی آنکھوں کا مشاہدہ ہر دفعہ اسے نا سمجھ بنا دیتا ہے۔

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شبہات پر اگر غور کرو گے تو اس کا حاصل بھی اتنا ہی پاؤ گے یعنی مصنوعات کے سطحی مطالعہ سے پہلے ایک قاعدہ ذہن نشین کر لیا جاتا ہے۔ اگر واقعات نے اپنی خاموش زبان سے اس کی تردید نہ کی تو پھر اس کا نام فلسفہ بن جاتا ہے اور اسی فلسفہ کی بناء پر الہیات کے بلند پایہ حقائق اور عالم غیب کے برتر از عقول اسرار کا نہایت دلیری سے انکار کر دیا جاتا ہے اور اس طرح دنیا ہے کہ صانع کو مصنوع پر (بنانے والے کو بنائے ہوئے)، عالم غیب کو عالم شہود پر قیاس کر کر کے اپنی بے عقلی کو ہر دن ایک نیا ثبوت دیتی رہتی ہے مگر شیطان ہے کہ ہر روز نئے نئے فلسفہ کے نام سے اسے دماغوں میں اتارتا رہتا ہے اور نئی نئی گمراہی کے سامان مرتب کرتا رہتا ہے۔ شریعت نے راہ مختصر کر دی اور متنبہ کر دیا کہ اللہ کی ذات پاک عقل کی جولانگاہ نہیں بن سکتی اس کی ذات و صفات عقل کی سرحد سے بلند تر ہیں۔ جہاں دعوت غور و فکر ہے وہ دائرہ مخلوق ہے خالق نہیں۔ بیرون از قیاس ہمیشہ قیاس سے باہر رہے گا۔ خدا تعالیٰ کا خالق ہونا بدیہی ہے یہاں یقین و معرفت کا راستہ صرف وہ وجدان ہے جو ہر شخص اپنے دل میں بلا غور و فکر محسوس کرتا ہے۔ بشرطیکہ شکوک و شبہات سے اس کو مکدر نہ کیا جائے۔ اس طرح خدا

اکي ذات کا تم کو وہ یقین میسر آ جائے گا جہاں وساوس خود بخود فنا ہو جائیں گے۔ بدیہیات میں جس قدر دلائل کی آڑ لی جاتی ہے اسی قدر اور الجھاؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ وجدانیات اور مشاہدات ہمیشہ وجدان اور مشاہدہ سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ ذات پاک کا مشاہدہ تو ہو نہیں سکتا اس لیے یہاں یقین کی راہ آفاق و انفس میں غور و فکر سے کھلتی ہے۔

وسوسہ کیا ہے؟ ہر وہ بات جو انسان کے دل میں بغیر ارادہ کے آئے اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ وسوسہ کو کتنا ہی ختم کیجئے ختم نہیں ہوتا۔ اگر مخاطب کوئی دوسرا ہوتا تو دلائل و براہین سے اس کا منہ بند کیا جاسکتا۔ یہاں تو دل ہی دل میں یکے بعد دیگرے لایعنی سوالات کا ایک سلسلہ زلف مسلسل کی طرح کھینچتا چلا جاتا ہے اس لئے معالج حقیقی نے مناظرہ کی راہ نہیں بتلائی کہ یہ اور شکوک و شبہات کی راہ ہے بلکہ ایسی چار باتوں کا امر فرمایا ہے جن میں سے ہر ایک اس نا دیدہ دشمن پر فتح حاصل کرنے کا ایک مستقل سامان ہے۔ (۱) اپنے آقائے حقیقی کی پناہ کہ جو اس کی پناہ لیتا ہے اسے پناہ مل جاتی ہے (۲) تذلیل خصم بقول شخصے جواب جاہلاں باشد خموشی، پہلی حدیث کا مفہوم یہی ہے (۳) ذکر اللہ ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون (الاعراف: ۲۰۸) (۴) تجدید ایمان۔ مبادا کہ وساوس کی رونا کہیں ایمان زخمی کر دیا ہو تو اس کی تلافی ہو جائے جیسا کہ صحیح مسلم کے لفظ میں ہے لیکن اگر وساوس اپنی حد سے گذر کر کچھ دلائل کے ساتھ دل میں گھر کر چکے ہیں تو پھر ان کی توڑ کے لئے دلائل سے بھی مقابلہ کرنا ہوگا اب یہ وسوسہ نہیں عقیدہ کہلائیں گے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا

يَزَالُونَ يَقُولُونَ مَا كَذَّبَا. حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ. خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ. (رواه الشيخان)

انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ایک حدیث قدسی ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے پیغمبر) آپ کی امت برابر یہ کہتی رہے گی یہ کیسے ہوا، یہ کیسے ہوا یہاں تک کہ یہ کہے گی خدا نے تو ساری مخلوق کو پیدا کیا پھر خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُونَ يَسْتَلُونَكَ يَا أَبَا

هُرَيْرَةَ حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ قَالَ فَبَيْنَا أَنَا فِي الْمَسْجِدِ إِذْ جَاءَ بِي نَاسٌ مِنْ

الْأَعْرَابِ فَقَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ هَذَا اللَّهُ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ قَالَ فَأَخَذَ حَصِيَّ بِكَفِّهِ فَرَمَاهُمْ بِهِ ثُمَّ

قَالَ قَوْمُوا قَوْمُوا صَدَقَ خَلِيلِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے ابو ہریرہؓ لوگ تجھ سے برابر سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ سوال کریں گے یہ تو اللہ ہے (جس نے مخلوق بنائی) تو اللہ کو کس نے بنایا ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا دفعۃً چند گنوار میرے پاس آئے اور بولے اے ابو ہریرہؓ یہ تو اللہ ہے (جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے) پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ابو سلمہؓ راوی حدیث کہتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر ان پر پھینکیں اور فرمایا اٹھو اٹھو میرے پیارے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

تشریح یہ واضح رہنا چاہیے کہ جاہلوں سے مناظرہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت نہیں بلکہ ان کی سنت اعراض کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (الحجر: ۹۴) جو آپ کو حکم ملے اس کو دو ٹوک بیان کر دیجئے اور کافروں سے اعراض فرمائیے۔ معاہدہ سے مناظرہ کرنا اپنے وقت کا ضیاع اور اس کی فطرت کو ضد پر آمادہ کرنا ہے اس لیے ابو ہریرہؓ نے یہاں اعراض کرنا ہی مناسب سمجھا۔ نیز وسوسہ غیر اختیاری چیز ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ بحث کے الجھاؤ میں خود اپنے دل میں وساوس گزرنے لگتے ہیں اس لیے سلف ہمیشہ ایسی جھاڑیوں میں گھستے ہوئے ڈرا کرتے تھے۔ جہاں ان کے یقین میں شک و تردد کا کاشا بھی لگنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

عَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاطَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ وَقَدْ وَجَلْتُمُوهُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَلِكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ. وَفِي رِوَايَةٍ مَحْضُ الْإِيمَانِ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خطرات محسوس کرتے ہیں کہ انہیں زبان سے ادا کرنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے آپ نے جواب دیا کہ کیا تمہیں یہ ناگواری ہوتی ہے؟ وہ بولے جی ہاں، آپ نے فرمایا پھر یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے اور ایک روایت میں ہے خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أَخَذْتُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ لِأَنِّي أَكُونُ حُمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَاسَةِ. (رواہ ابو داؤد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا میرے دل میں ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ مجھے (جل کر) کوئلہ ہو جانا ان کے ادا کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس کے معاملہ کو اس نے صرف وسوسہ کی حد تک رکھا۔ (اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ آپ کے جواب کی دو شرح کی گئی ہیں۔ پہلی شرح اس پر موقوف ہے کہ ”امرہ“ میں ضمیر کا مرجع شیطان قرار دیا جائے اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے خدا کا شکر اس بات پر ادا فرمایا کہ اس نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے سے زیادہ قدرت ہی نہیں دی، دوسری شرح میں ضمیر کا مرجع خود یہ شخص ہے اور اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس شخص کا معاملہ صرف وسوسہ کی حد تک رہ گیا اور اس سے آگے تجاوز نہ کر سکا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جب خالق کے لئے خالق کا تسلسل دماغ میں پیدا ہونے لگے تو اس کے دفع کرنے کے لئے آپ نے یہ کلمات پڑھنا تعلیم فرمائے ہیں۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید: ۳) ابو زمیل نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میرے سینہ میں ایک بات کھٹکتی ہے فرمایا کیا ہے؟ انہوں نے کہا زبان پر نہیں لاسکتا فرمایا کہ اس قسم کے وساوس سے کس کو چھٹکارا ہے۔ جب ایسی بات پیش آئے تو کلمات مذکورہ بالا پڑھ لیا کرو۔ ان کلمات کا حاصل یہ ہے کہ علل میں تسلسل عقلاً محال ہے اس لیے مخلوقات کا سلسلہ ضرور کہیں جا کر خالق پر ختم ہونا چاہئے۔ پھر جس سے پہلے اور جس کے بعد کوئی نہ ہو وہی اول و آخر خدا کی ذات ہے اس کے لئے پھر خالق کا تصور کرنا موجب تسلسل ہے۔ شیطان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو آنکھوں سے نظر آئیں یہ شیطان الانس ہیں۔ دوم جو آنکھوں سے نظر نہ آئیں یہ شیطان الجن ہیں۔ جو آنکھوں سے نظر آئیں ان کے شر سے حفاظت کی صورت اعراض و درگزر کرنا یا معقول جواب دینا ہے جیسا کہ

ابو ہریرہؓ نے کیا تھا۔ دوسری قسم کا علاج استعاذہ اور خدا سے پناہ مانگنا ہے۔ ان دونوں صورتوں کو کسی شاعر نے نظم کر دیا ہے۔

فما هو الا الاستعاذۃ ضارعا او الدفع بالحسنی ہما خیر مطلوب فہذا دواء الداء من شر

ما یری وذاک دواء الداء من شر محجوب۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۸)

دو باتیں (وسوسہ کا) بہترین علاج ہیں ایک تضرع کے ساتھ استعاذہ کرنا۔ دوم معقول پیرایہ میں جواب دینا۔ پہلی بات تو اس شیطان کے شر کا علاج ہے جو آنکھوں سے نہیں نظر آتا اور دوسری بات اس شیطان کا جو آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ (یعنی بہکانے والے انسان)

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم

اسماء دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن میں صرف ذات ملحوظ ہوتی ہے ان کا مقصد صرف اس ذات کا تعارف ہوتا ہے، براہ راست ان کی صفات کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا، دوسرے وہ جن میں خاص کسی نہ کسی صفت کا لحاظ ہوتا ہے، ان اسماء سے اس ذات کی کسی خاص صفت ہی کا تعارف ہوتا ہے اور بس پہلی قسم اسم ذات اور دوسری اسم صفت کہلاتی ہے، خدا کا ذاتی نام یا ”اللہ“ ہے۔ (شیخ اکبر کو اس میں کچھ تردد ہے۔ البیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۷۲) یا ”رحمن“ بقیہ جتنے نام ہیں اسکے صفاتی نام ہیں۔ ذات میں چونکہ جملہ صفات کا وجود لپٹا ہوا ہوتا ہے اس لیے اسماء میں اسم اعظم (اسمائے الہیہ میں تفصیل کی بحث دیکھنا ہو تو البیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۷۳ ملاحظہ کیجئے۔) شاید وہی اسم ہو سکتا ہے جس کو اسم ذات کہا جائے اس لحاظ سے اسم اعظم یا ”اللہ“ یا ”رحمن“ ہونا چاہیے۔ ”رحمن“ کو اسم صفت ہے مگر بارگاہ الوہیت میں رحمت کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کی ذات ہی گویا عین رحمت ہے اس لیے بنی اسرائیل میں ”رحمن“ خدا کے اسم ذات کی جگہ مستعمل تھا۔ شریعت اسماعیلیہ میں جو اصل اسم ذات تھا وہ خدا کو پکارنے کے لئے بتلادیا گیا اور اسی لیے جو شریعت آخری شریعت اور سب شرائع کی جامع تھی اس نے بسم اللہ میں ان دونوں ناموں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں جہاں جہاں نظر ڈالیے وہاں اسماء الہیہ میں پہلے لفظ اللہ مذکور ہوتا ہے بقیہ نام اس کے بعد بطور تابع ذکر ہوتے ہیں۔ یہی حال اسم ”رحمن“ کا ہے۔ جہاں یہ اسم مبارک اور اسماء کے ساتھ مستعمل ہے وہاں اس کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے اس لحاظ سے بسم اللہ میں دو اسم ذاتی ہیں اور ایک اسم صفتی، اس لیے ”رحمن“ ورحیم کے یکجا جمع کرنے میں جو پر از تکلفات جواب دیئے گئے ہیں احقر کے نزدیک ان کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ شریعت موسویہ چونکہ جلالی شریعت تھی اس لیے ضرورت تھی کہ اس میں خدا کو ہمیشہ ”الرحمن“ کہہ کر پکارا جائے، شریعت اسماعیلی جمالی شریعت ہے یہاں اسم ذات وہ رہے گا جو دراصل ذات باری تعالیٰ کے لئے موضوع ہو وہ لفظ اللہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ فَقَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ اللَّهَ بِالْإِسْمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أُجَابَ. (رواه اصحاب السنن)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعاء کرتے ہوئے سنا ”اے اللہ میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تو ہی ہے تیرے سوا کوئی خدا نہیں، یکتا ہے، بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی بیٹا، نہ اس کا کوئی ہمسر، آپؐ نے فرمایا کہ تو نے خدائے تعالیٰ کو وہ نام لے کر پکارا ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اس سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے اور جب اس کو پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔ (سنن)

تشریح:- مشرکین عرب جو خدائی تنزیہ سے یکسر نابلد تھے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تخیل کے مطابق نہایت بے باکی سے یہ سوال کر بیٹھے ”انصب لنا ربک“ ہمیں ذرا اپنے پروردگار کا نسب تو بتلائیے گویا ان کے نزدیک خدائے تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح حسب و نسب کے میزان میں تولد جاسکتا تھا۔ ان کے اس جاہلانہ سوال کے جواب میں ایک نہایت مختصر ترین سورت اتری، جس نے خدا کی ذات کا سب سے اعلیٰ اور سب سے پاک تعارف اس طرح پیش کیا کہ وہ یکتا و یگانہ ہے، نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ صفات میں اس کا کوئی سہیم، یہی احدیت کا مفہوم ہے۔ یہ وہ صفت تھی کہ اس سے زیادہ آسان اور اس سے زیادہ صحیح تعارف کسی اور صفت کے ساتھ مشکل ہے۔ ذات وحدہ لا شریک لہ کی ایک صفت واحدیت بھی ہے مگر احدیت اس سے کامل تر ہے تمام سورۃ اخلاص اسی کی تفسیر ہے۔ صمدیت اسی احدیت کی تکمیل ہے اور لم یلد ولم یولد اسی کی تشریح۔ صمد بے نیاز کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ ایک اور اکیلا ہو کر بھی اپنے کمال میں کسی کا محتاج نہیں۔ والد کی طرح نہیں جو اپنے بیٹے کے لئے محتاج الیہ ہو کر بھی اپنے کمالات کی شہرت و بقاء میں تمام تر اپنے بیٹے کا محتاج ہے اور نہ اس ولد کی طرح ہے جو ایک جہت سے محتاج الیہ بن کر بھی اپنے وجود میں والد کا سرتا سر محتاج ہوتا ہے۔ نسب وہاں قائم ہو سکتا ہے جہاں رشتہ اشتقاق پیدا ہو سکے۔ جہاں اوپر اور نیچے کی دونوں جانبوں میں رشتہ اشتقاق نہیں وہاں نسب کا تصور بھی نہیں۔ اصول و فروع سے گذر کر نسب کا دوسرا تخیل شعب و اطراف میں قائم کیا جاسکتا ہے۔ مگر جس کا کوئی کفو و نظیر بھی نہیں اس کے لئے نسب کا تصور اطراف و جوانب میں بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ جواب کہ اس کا کوئی نسب نہیں ان کے مذاق فطرت کے موافق نہ تھا۔ اس لیے آپؐ نے پہلے وجودی دو صفتیں ایسی ذہن نشین کر دیں جس کے نتیجہ میں دو سببی صفتیں پیدا ہو جائیں اور اس کے بعد نسب کا سوال خود بخود ذہنوں سے نکل جائے۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ غنی و صمد میں بڑا فرق ہے۔ صمد اس کو کہتے ہیں جو خود کسی سے برآمد نہ ہو سکے اور نہ کوئی دوسرا اس سے برآمد ہو سکے جیسا کہ والد اور ولد، اس لیے خدا کے نسب کی بجائے (جو ایک ذاتی چیز تھی اس کی) صمدیہ کو پیش کیا گیا ہے۔ غناء و فقر نسب کی جگہ نہیں آ سکتے، یہ خارجی اوصاف و عوارض ہیں۔ نسب ایک رشتہ خون کا نام ہے جس میں جزئیت کا مفہوم کسی نہ کسی پہلو سے ضرور سامنے آتا ہے۔ صمدیت اس رشتہ کے بالمقابل غناء و بے نیازی کا نام ہے یعنی اس ذات پاک میں اس اندرونی اشتقاق کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ کسی نوعیت سے بھی وہاں نسب کی شرکت کا تصور لایا جاسکے۔ اسماء الہیہ میں بسا اوقات الفاظ کا ترجمہ یکساں نظر آتا ہے مگر اس کے مصداق صحیح مفہوم میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان مختصر نوٹوں میں ان تمام تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں یہ تشریح صرف اس مقصد کے پیش نظر ہے کہ ابتداء کتاب میں خدائے تعالیٰ کے مختصر تعارف کے ساتھ ان اسماء کی مقبولیت و محبوبیت کی وجہ بھی کچھ نہ کچھ ذہن نشین ہو جائے۔ لم یولد اور خود جنانہیں گیا۔ شیخ اکبر

یہاں ایک لطیفہ لکھتے ہیں کہ عقل انسانی غور و فکر اور ترتیب مقدمات کے بعد جو نتیجہ بھی نکالتی ہے وہ اس کا مولود اور پیدا کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں خدائے تعالیٰ کی صفات میں یہ پہلی صفت ہے کہ وہ کسی کا مولود نہیں۔ اب بھلا اس عاقل کو خدا کی ذات کی کیا معرفت ہے جس کی معرفت خود اپنی تراشیدہ اور اپنی ہی پیداوار ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۵ ص ۵۰)

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِسْمُ اللَّهِ الْأَعْظَمُ فِي هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ وَالْهَيْكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ وَفَاتِحَةُ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ. اَلَمْ. اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ. (رواه الامام احمد وابوداؤد والترمذی)

اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے وَالْهَيْكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (البقرة: ۱۶۳) ”تمہارا خدا ایک ہے، معبود کوئی نہیں مگر وہی ایک اللہ جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے“ اور دوسری آیت سورہ آل عمران کے شروع میں ہے اَلَمْ. اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (آل عمران: ۱) ”اَلَمْ. اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سدا رہنے والا اور تمام مخلوق کی ہستی قائم رکھنے والا ہے۔ (امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی)

خدا کی ایک نمایاں صفت ”حی“ بھی ہے مگر وہ ایسا ”حی“ نہیں جس پر موت آ سکے اور گھبراہٹ کا گزر ہو سکے۔ بلکہ ایسا ”حی“ جس کے وجود کے ساتھ تمام عالم کا رشتہ حیات قائم ہو، ایسا ”حی“ کہ اگر وہ نہ ہو تو عالم کی حیات اور حیات سے پہلے اس کا وجود مٹ جائے۔ عالم میں جن کو ”حی“ کہا جاتا ہے ان کی طرح نہیں کہ اپنے قیام وجود میں ہر لمحہ دوسرے کا محتاج ہو بلکہ ایسا ”حی“ جس کی حیات دوسروں کے لئے منشاء حیات بنے اسی وجہ سے اس کا دوسرا نام قیوم ہے اسی کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُمَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ (الفاطر: ۴۱)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں، اور اگر ٹلنے لگیں تو اس کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے۔ آیت الکرسی میں اسی لئے ”الحی“ کے بعد ”القیوم“ پھر اس کے بعد ”لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ“ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ یہ نہایت اہمیت کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں اسماء الہیہ میں سے جس جس نام کا ذکر ہے پھر جو ترتیب ان اسماء میں رکھی گئی ہے وہ اپنی جگہ بڑے اسرار کی حامل ہوتی ہے محض اسماء شماری منظور نہیں ہوتی، پہلی حدیث میں ”احدیة“ و ”صمدیة“ اور یہاں ”الحی القیوم“ کے ارتباط کا کوئی شہ بیان کر دیا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّي ثُمَّ دَعَا اللَّهَ ثُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ

دَعَا اللَّهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ. (رواه ابوداؤد والترمذی)

انسؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا (نماز سے فارغ ہو کر) اس نے یہ دعا کی ”اے اللہ میں یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ تعریف صرف تیرے لیے ہے، خدا کوئی نہیں مگر تو،

زبردست محسن ہے۔ زمین و آسمان کو بلا کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے، اے جلال و اکرام والے، اے ناقابل فناء اور مخلوق کی ہستی قائم رکھنے والے، (یہ سن کر) آپؐ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کا وہ نام لے کر دعا کی ہے کہ جب وہ اس نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے اور جب اس سے مانگا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے۔ (اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ جس طرح خدا کی ذات مبارک ہے اسی طرح اس کے اسماء بھی مبارک ہیں اس لیے اس کے نام کی برکتوں سے دعائیں قبول ہوتی ہیں جب وہ ان کے وسیلہ سے پکارا جاتا ہے تو ہر پکار کی اجابت کرتا ہے ”بسم اللہ“ میں لفظ اسم اسی لیے اضافہ کیا گیا ہے کہ ہر کام کے شروع میں اس کے نام کی برکت ڈھونڈی جائے۔ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ (العلق: ۱) پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے جس نے آپؐ کو پیدا کیا۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ ذِي النُّونِ إِذَا دَعَا رَبَّهُ وَهُوَ فِي بَطْنِ الْحُوتِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِيمَا شَاءَ إِلَّا اسْتَجَابَ لَهُ. (رواه احمد والترمذی)

سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ذوالنونؓ نے جب اپنے پروردگار کو چھلی کے پیٹ میں پکارا تھا تو یوں پکارا تھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ (الح) سوا تیرے کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بے شک میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔ کوئی مسلمان کسی حاجت میں خدائے تعالیٰ کو ان کلمات سے یاد نہیں کرتا مگر وہ ضرور اس کی سنتا ہے۔ (احمد، ترمذی)

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عَشَاءً فَإِذَا رَجُلٌ يَقْرَأُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَقُولُ هَذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِيبٌ قَالَ وَأَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ يَقْرَأُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَسَمَّعُ لِقِرَاءَةِ تَبَّ ثُمَّ جَلَسَ وَأَبُو مُوسَى يَدْعُو فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْهَدُكَ أَنْكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَأَلَ اللَّهُ بِاسْمِهِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أُجَابَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْهُ بِمَا سَمِعْتُ مِنْكَ قَالَ نَعَمْ فَأَخْبَرْتُهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي أَنْتَ الْيَوْمَ لِي أَخٌ صَدِيقٌ حَدَّثَنِي بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه دین)

بریدہؓ فرماتے ہیں کہ عشاء کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بلند آواز سے قراءت کر رہا ہے میں نے عرض کیا آپ اس کے متعلق کیا خیال فرماتے ہیں، کیا یہ ریاکار ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ اپنے خدا کی طرف جھکنے والا مرد مؤمن ہے، راوی کہتا ہے کہ یہ زور سے پڑھنے والے شخص ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قراءت بغور کان لگا کر سننے لگے، پھر ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا کرنے کے لئے بیٹھے تو بولے اے اللہ! میں تجھ ہی کو گواہ بناتا ہوں کہ اللہ بس تو ہی ہے، یکتا بے نیاز ہے، نہ کسی کو جتا، نہ کسی نے اس کو جتا، نہ اس کا کوئی نظیر و ہمسرہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے خدا کا وہ نام لے کر سوال کیا ہے کہ جب وہ اس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے اور جب پکارا

جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بات جو میں نے آپ سے سنی ہے کیا ان سے بھی کہہ دوں؟ آپ نے فرمایا کہہ دو۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ خوشخبری ان کو سنا دی۔ انہوں نے کہا آج کے بعد تم میرے سچے بھائی ہو کیونکہ تم نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خوشخبری سنائی ہے۔ (زرین)

تشریح۔ عرب میں مواخاۃ (بھائی چارہ) صرف لفظی بات نہ تھی بلکہ یہ تعاون و ہمدردی کا ایک بڑا رشتہ تھا جو ان کے نزدیک خونی رشتہ سے کم نہ تھا، یہاں یہ رشتہ صرف اتنی بات پر قائم ہو رہا ہے کہ بریدہؓ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک بشارت سنائی تھی، بشر کے ساتھ سلوک کرنا ان کا عام دستور تھا، جب اس وقت کچھ اور سلوک ممکن نہ ہوا تو انہوں نے عقد مواخاۃ ہی قائم کر لیا۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اس کا اندازہ لگائیے کہ ان کے قلب میں اسلام اور بانی اسلام کے لئے جذبات کیا تھے۔

اذا دعی بہ اجاب واذا سئل بہ اعطی۔ ان دونوں جملوں میں فرق ہے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا مرد مؤمن کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ کفار کی طرح نہیں کہ اس کا جواب تک نہیں آتا۔ ”وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ“ کافروں کی پکار رائیگاں ہے۔ سوال، خاص حاجت کی طلب کو کہتے ہیں، دعاء عام ہے، اجابت دعاء سے مقصد داعی کا شرف اور اس کی قدر و منزلت بتلانا ہے۔ اس کی حاجت روائی، یہ ضمنی فائدہ ہے۔ جیسے کہ پکارنے کا مقصد بھی سوال نہیں بلکہ اس کی یاد ہے۔ اپنی حاجت پیش کرنا یہ ضمنی غرض ہے۔ اس لیے پہلا جملہ دوسرے سے ابلغ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى. وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا. وَقَالَ تَعَالَى. قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْادْعُوا

الرُّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

خدا کے لئے اسماء حسنی ہیں انہیں سے اس کو پکارا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے تم خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو یہ سب اس کے حسن و خوبی کے نام ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِّنْ

حَفَظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَإِنَّ اللَّهَ وَتَرَىٰ يُحِبُّ الْوَقْرَ. (رواہ الشیخان والترمذی)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کر

لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اور اس لیے وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ (شیخین اور ترمذی)

تشریح۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ بارگاہ الہی میں ادب یہ ہے کہ وہاں بجائے لفظ صفت اسم کا اطلاق کیا جائے اسی لیے قرآن

کریم میں اللہ کے لئے اسماء کا تو ذکر کیا گیا ہے مگر صفات کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ وہ اسماء بہ حقیقت اس کی صفات ہی ہیں۔

(ایواقیت والجواہر ج ۱ ص ۷۷) کاش اگر شیخ اکبرؒ کے اس ادب کا لحاظ رہتا تو شاید عین وغیرہ کے جو نزاعات (جھگڑے) لفظ

صفت کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں اتنے طویل نہ کھینچتے۔ (ب) شیخ اکبرؒ نے یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ اسماء الہیہ تو قیفی ہیں جو نام جس

طرح شریعت میں استعمال کیا گیا ہے اس سے تجاوز کرنا درست نہیں اس لیے خدائے تعالیٰ کو ”حی“ کہا جائے گا مگر ذو حیوۃ نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح جہاں کسی صفت کی نسبت بطریق فعل وارد ہے اس کو بھی بدلا نہیں جاسکتا جیسا کہ ”اللہ یستہزی بہم“ اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ پر ”مستہزا“ کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔ (ج) خدائے تعالیٰ کے جتنے اسماء ہیں سب حسن و خوبی کے اسماء ہیں اس لیے ”وہو خادعہم“ کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کو ”خادع“ نہیں کہا جاسکتا۔ مفسرین نے تو اس کے جوابات اور دیئے ہیں مگر شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کو تلاوت کرتے ہوئے چاہیے کہ ایک انسان ندامت کے سمندر میں غرق ہو جائے کیونکہ یہاں ہماری تفہیم و فہمائش کے لئے قرآن کریم نے تنزل کر کے بارگاہِ صمدیت میں ایسے الفاظ استعمال کر لیے ہیں جو اس کی شایانِ شان نہ تھے۔ مگر کیا کیجئے کہ عالمِ انسانیت اپنے قصور و نقصان کی وجہ سے عالمِ تجرد کے بہت سے مخاطبات کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس لیے جب ناقص رتبہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا تو پھر کامل ہی کو کچھ تنزل اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جاہل ان الفاظ کو پڑھتا اور اعتراض کرتا ہے اور عاقل فرطِ ندامت سے گڑ جاتا ہے، اس کا اعتقاد ان الفاظ کو سن کر ڈمگانے لگتا ہے اور اس کی عقیدت دُنی دُنی بڑھتی جاتی ہے۔ (الیواقیت والجوہر ج ۱ ص ۷۶) (د) شیخ اکبرؒ نے تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ گو بلحاظ لغت بعض اسماء الہیہ کا اطلاق انسانوں پر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ”نافع“ ”ذکیل“ ”نور“ مگر شرعاً و عقلاً بطریق اسمِ اعظم ممنوع قرار دیا جائے گا اور اگر بالفرض کہیں اطلاق ہوگا تو اس کے اصل معنی سے ذہول ضروری ہوگا۔ مثلاً ”مؤمن“ ایمان دار ہونے کی جہت سے درست ہو سکتا ہے مگر جس لحاظ سے خدا پر مؤمن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ قطعاً حرام ہے۔ (ایضاً ص ۷۲) اس لیے جو اسماء خدائے تعالیٰ کی بارگاہ کے لئے عرف عام یا خاص میں مشہور ہو چکے ہیں ان کا استعمال دائرہ انسان میں ممنوع رہنا چاہیے۔

(ہ) عام شارحین نے لفظ احصار کی مراد صرف زبانی یاد کر لینا قرار دی ہے مگر اربابِ حقائق لکھتے ہیں کہ مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ان اسماء کے ساتھ تخلق و تہبہ حاصل کرنا بھی ہے۔ خدائے تعالیٰ بار بار اپنے اسماءِ حسنیٰ کا ذکر کر کے چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق میں بھی اپنے اپنے مبلغِ پرواز کے موافق ان کی جلوہ نمائی کا جذبہ پیدا ہوتا کہ عالمِ انسانیت ان اسماء کی تجلیات کی بدولت قعرِ اسفل السافلین سے نکل کر سطحِ اعلیٰ علیین پر فروکش ہو سکے وہ اگر رب العالمین ہے تو یہ بھی اپنی مقدرت و استطاعت کے بقدر کمزوروں کی تربیت سے غافل نہ رہے وہ اگر رحم الراحمین ہے تو یہ بھی رافت و رحمت کا نمونہ دکھاتا رہے اور اسی طرح صفاتِ مختصہ کے علاوہ ہر صفت کا مظہر بننے کی سعی میں لگا رہے تاکہ خلافتِ اپنے صحیح معنی میں نمودار ہو اور ان اللہ خلق ادم علی صورۃ کارمڑطشت از بام ہو جائے۔ شارحین حدیث نے ہر اسم کے ساتھ تخلق کی شرح کر دی ہے تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ (و) خدائے تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں اور ابھی بہت سے وہ بھی ہیں جو ہمیں بتلائے نہیں گئے۔ حدیث کے الفاظ او استاثرت بہا فی علم الغیب عندک یا او علمتہ احد امن خلقک سے اسی طرف اشارہ نکلتا ہے (یعنی وہ اسماء جو تو نے صرف اپنے ہی علم کے لئے مخصوص رکھے ہیں یا وہ جن کو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو بتلائے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے

کہ ذات کے تعارف کی دو ہی صورتیں ہیں یا وہ خود یا اس کی صفات۔ عالم امکان میں مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اس لیے یہاں مشاہدہ ذات تو ممکن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ سے وہ دنیا میں اللہ کی رویت نہ کر سکے جس کی طرف ارشاد باری ہے لن تو انی اس لئے صرف صورت سماء و صفات کے ذریعہ تعارف کی باقی ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اسماء الہیہ بتلا دیئے جائیں اور اتنے بتلا دیئے جائیں کہ ایک معرفت ذات کا متلاشی اس راہ سے گذر کر در مقصود تک بسہولت رسائی حاصل کر لے۔ اسی لیے قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ جگہ جگہ اسماء صفاتی استعمال کرتا ہے پھر اپنے ماقبل و مابعد میں ان صفات کے مظاہر بطریق استشہاد پیش کرتا جاتا ہے تاکہ پہلے ان صفات کی عظمت ذہن نشین ہو، اور انسانی تصور ادراک و الفاظ کی وجہ سے ان کے بلند حقائق فہمی میں جو کوتاہی و خامی باقی رہ جائے وہ ان کے مظاہر کو دیکھ کر پوری ہوتی رہے اگر وہ اس کی عزت و قہر کا تذکرہ کرتا ہے تو بتلا دیتا ہے کہ یہ وہ عزت و قہر نہیں جس کی اس کے تصور میں سمائی ہو یا اگر جو دو مہر کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ سمجھا دیتا ہے کہ یہ اس نوع کا جو دو مہر نہیں کہ وہاں تک عقل کی رسائی ہو اس کے اسماء و صفات اصل مقاصد نہیں بلکہ ذات کی معرفت کا صرف ایک راستہ ہیں جن میں سے گذر کر ذات پاک کی جھلک نظر آتی رہتی ہے اگر ان اسماء و صفات کا توسط نہ ہوتا تو داغ مہجوری عالم امکان کے لئے ہمیشہ نقد وقت رہتا ذات پاک اپنی بے نیازی میں اور ممکن اپنے ادراک کے عجز و قصور میں ہمیشہ سرگرداں نظر آتا، یہ ذات اقدس کی بڑی فیاضی تھی کہ اس نے اپنی معرفت کے لئے حجاب صفات ڈال دیا ہے کہ جو مشتاق اس ذات مستجمع صفات کا نظارہ کرنا چاہے وہ اس حجاب میں آج بھی نظارہ کر سکتا ہے۔

درخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

سورۃ ملک کو پڑھئے اس کی ابتداء تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک: ۱) سے ہوتی ہے اس میں خدائی ملک کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کی وسعت کے وہ حدود بتلائے گئے ہیں جو انسانی دسترس سے وراء الوراء ہیں اس ضمن میں ایک ملک والے کے لئے جو اسماء و صفات درکار ہیں ان کو موقعہ بموقعہ ایسا چسپاں کیا گیا ہے کہ گویا وہ آیت اسی اسم کی حقیقت کی تشریح و تفہیم کے لئے اتری ہے اسی لئے علماء معانی نے اعجاز آیات کو قرآن کا ایک اعجاز قرار دیا ہے۔

بہر حال اگر اس تخیل و استحضار کے ساتھ آپ سورۃ ملک پڑھیں تو ابھی آپ آخر سورت تک پہنچنے نہیں پائیں گے کہ الہی جبروت و ملکوت کا ایک قاہرہ تسلط آپ کے دل و دماغ پر مستولی ہو جائے گا۔ استواء علی العرش اور سبع سماوات وارضین عرش و کرسی کا تذکرہ بھی اس لیے نہیں ہے کہ خدا کے لئے کسی بڑے مکان کا تصور قائم کیا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ ایک عاجز مخلوق کو ایک نادیدہ ذات کا تعارف ہو تو کیسے ہو اس لیے اس کی پرواز کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند تخیل کو اس کے سامنے رکھا گیا ہے تاکہ وہ خدائی عظمت و جلال کی بلند سے بلند رفعتوں کو عبور کرنے کے قابل ہو جائے، یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ بلا مصداق ہیں یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے، ہرگز نہیں قرآن شاعرانہ خیال بندی سے بہت دور ہے وہ اسی لیے شعری مذمت کرتا ہے کہ اس میں حقیقت نہیں ہوتی اور یہاں صرف حقیقت ہی حقیقت ہے بلکہ عالم قدس نے درحقیقت ان اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور ان کی حقیقتیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ذات پاک کا تصور پھر اس سے وراء الوراء ہے یہاں شیخ اکبر کے الفاظ کس قدر قیمتی ہیں وہ فرماتے ہیں۔

ذلک لان صور المعتقدات والمعقولات هی جسور یعبر علیہا بالعلم ای یعلم ان وراء هذه المظاهر امراً لا یصح ان یعلم ولا یشہد ولیس وراء ذلک المعلوم الذی لا یشہد ولا یعلم حقیقة ما یعلم اصلاً. (الایاتیت والجواهر ج ۳ ص ۳۹)

معتقدات اور معقولات کی صورتوں میں خدائی تجلیات اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ علم انسانی کی رسائی کے لئے ایک گذرگاہ اور پل بن سکیں جن سے عبور کر کے یہ علم حاصل ہو جائے کہ ان تجلیات کے پس پردہ کوئی ایسی باکمال ذات موجود ہے جو ہمارے احاطہ علم و مشاہدہ سے وراء الوراء ہے بس ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اسے جان نہیں سکتے۔

کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نار یا نور دیکھا اور حقیقتاً دیکھا "انا ربک فاخلع نعلیک" کی آواز سنی اور حقیقتاً سنی، مگر یہ سب سنا اس لیے باندھا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس ذریعہ سے یہ فطری علم حاصل ہو جائے کہ اس نار کے پس پردہ کوئی نور اعظم ہے اور حقیقتاً ہے جس کے لیے یہ نار اس وقت تجلی گاہ بن رہی ہے جیسا کہ ایک انسان خواب میں خدائے عزوجل کو دیکھتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ آج رات میں نے حقیقتاً خدا کو دیکھا ہے یہاں بھی دراصل اس کے معتقدات کی صورت ہی ہوتی ہے جس میں سے گذر کر اس کے دماغ میں صرف ایک یہ علم آ جاتا ہے کہ اس نے خدا کو دیکھا ہے ورنہ خود وہ صورت خدا نہیں ہوتی۔ احادیث میں جہاں جہاں محشر میں رویت باری تعالیٰ کا ذکر ہے وہ بھی تجلیات ہیں جو ہر محل کے مناسب اہل محشر کے سامنے ہوں گی مشاہدہ تجلیات کا ہوگا اور اس ضمن میں علم، ماوراء تجلیات کا ہوتا رہے گا اور یہ علم اسی طرح حدی و فطری ہوگا جیسا کہ ایک ناواقف شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا اور کہتا ہے کہ میں نے آج شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے حالانکہ بسا اوقات جو صورت وہ دیکھتا ہے وہ حلیہ مبارک سے مطابقت بھی نہیں رکھتی۔ پس جس طرح عالم رویا کی یہ صورتیں کسی ذات کی معرفت کے لئے جسور (پل اور راستہ) بن جاتی ہیں، اسی طرح تجلیات خدائی معرفت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جو مشہور ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اور جو معلوم ہوتا ہے وہ غیر مخلوق ہے اس لیے نہ ان الفاظ میں تاویل کی ضرورت ہے۔ اور نہ ذات پاک کے لئے تجسیم و تشبیہ کی حاجت۔

(حدیث ایک جدیدہ اور عمیق فن ہے اس لیے یہاں ہم حدیث فہمی کے لئے کچھ مزید تشریحات کرتے جاتے ہیں تاکہ شروع سے اس کے سمجھنے کا ایک سلیقہ آ جائے یہ اس طرح نہیں ہوگا کہ آپ ایک مرتبہ سن لیں اور بس بلکہ پے درپے جب مختلف احادیث آپ کے سامنے آتی رہیں گی اور ہر جگہ آپ اس حقیقت سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے رہیں گے تو اس مشاقی کے بعد پھر کہیں آپ کا دل و دماغ اس کی حقیقت تک پہنچ سکے گا۔ یہ مضمون ارباب حقائق سے لیا گیا ہے مگر اس کی طرف رہنمائی کا احسان صرف حضرت استاد کا ہے) (الایاتیت)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُورَانِيَّ أَرَاهُ. (رواہ مسلم)

ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے پروردگار کو (شب معراج میں)

دیکھا تھا آپ نے جواب دیا "نورانی دیکھا تھا" (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض "نورانی ارہ" پڑھتا ہے۔ ہم نے "نورانی" کے لفظ کو ترجیح دی

ہے کیونکہ بعض روایات میں "رأیت نوراً" کا لفظ بھی موجود ہے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے اگر "نورانی ارہ" پڑھا

جائے تو ترجمہ ہوگا کہ وہ نور تھا میں اسے نظر جما کر بھلا کیسے دیکھ پاتا، اس بناء پر بھی بارگاہ الہی میں نور ہی کا اطلاق ثابت ہوگا۔ شب معراج میں رویت کی بحث یہاں نہیں ہے اس پر اپنے محل میں گفتگو کی جائے گی۔ قرآن و حدیث خدائی بارگاہ کا جہاں ذکر کرتے ہیں ماحول میں نور ہی نور کا پتہ دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جب کہ اسماء الہیہ میں اس کا ایک اسم ہی ”النور“ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور: ۳۵) آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کا نور و جمال روشن ہے۔ مادیات کا عالم سرتاسر ظلمت و تاریکی ہے اور مجردات کا سرتاسر نور، یہ نور جس قدر لطیف اور قوی ہوتا جاتا ہے اسی قدر ادراک نظر و بصر سے باہر ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو ذات پاک کی تجرد کے انتہائی مراتب میں ہے وہ تمام دنیا کے ادراک نظر و بصر سے بھی باہر ہے۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳) خدا کو کسی کی بصر نہیں پاسکتی۔

احادیث میں عالم مجردات کا جہاں تذکرہ ہے وہاں اس کو نور ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کو اس نور پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ نور آفتاب سے نور بصر زیادہ اہم ہے اور نور بصر سے نور عقل زیادہ اہم پھر جو ان میں جس قدر اہم اور قوی ہے اسی قدر غیر محسوس ہے جب مادیات میں یہ نسبت ہے تو اس سے مجردات کا اندازہ کر لیجئے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيمِهِمْ إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُورٌ فَرَفَعُوا رُءُوسَهُمْ فَإِذَا الرَّبُّ قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ فَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنْ نَعِيمِهِمْ مَا ذَامُوا يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ حَتَّى يَخْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقَى نُورُهُ. (رواه ابن ماجہ)

جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب کہ جنتی کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے، اچانک ان کے سامنے ایک نور بلند ہوگا وہ سر اٹھائیں گے، کیا دیکھیں گے کہ پروردگار عالم ان پر جلوہ فرما ہے اور فرما رہا ہے اے اہل جنت السلام علیکم، قرآن کریم کی آیت سلام قولا من رب رحیم (یسین: ۵۸) (سلام کہا جائے گا پروردگار مہربان کی طرف سے) کا یہی مطلب ہے، وہ انہیں دیکھے گا اور یہ اسے دیکھا کریں گے اور (دیدار الہی میں ایسے مستغرق ہو جائیں گے کہ) جب تک ادھر نظر رہے گی جنت کی کسی نعمت کی طرف التفات تک نہ کریں گے یہاں تک کہ دیدار ختم ہو جائے گا اور صرف اس کا نور باقی رہ جائے گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔ والد و اولاد، حاکم و محکوم، احباب و اعزہ کے سلام کی لذت سے تمام دنیا آشنا ہے۔ خالق کے سلام سے لطف اندوزی صرف اہل جنت کا حصہ ہے، یہ تشریف و تکریم کی انتہاء ہے۔ جو ذات کہ نور حقیقی ہے اس کے احتجاب کے بعد نور کا بقاء ایسا ہی ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد روشنی کا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ إِسْرَافِيلَ مِنْذُ يَوْمٍ خَلَقَهُ صَافًا قَدَمَيْهِ لَا يَرْفَعُ بَصَرَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَبْعُونَ نُوْرًا مَا مِنْهَا مِنْ نُورٍ يَدْنُو مِنْهُ إِلَّا أُخْتَرِقَ. (رواه الترمذی وصحیحه)

عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب سے اسرافیل (صاحب صور فرشتہ) کو

پیدا فرمایا ہے وہ دونوں پاؤں برابر کیے کھڑا ہے، نظر اوپر نہیں اٹھاتا، اس کے اور پروردگار کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، ہر پردہ ایسا ہے کہ اگر اس کے قریب بھی جائے تو خاک ہو جائے۔ (ترمذی)

حدیث میں حجاب کا عدد ستر مذکور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں صرف کثرت مراد ہے، جیسا کہ اردو میں بھی یہ عدد صرف کثرت کیلئے مستعمل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عام مخلوق اور خاص نورانی مخلوق کے درمیان حجاب کا کچھ فرق بھی ملحوظ ہو بہر حال نفس حجاب کا ثبوت یہاں بھی ہے۔

عَنْ زُرَّارَةَ بْنِ أَوْفَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَجَبْرِئِيلَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ
فَانْتَفَضَ جِبْرِئِيلُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سَبْعِينَ حِجَابًا مِّنْ نُورٍ لَّوْذَنُوتُ مِنْ بَعْضِهَا
لَا خُتَرْتُ. (هكذا في المصابيح ورواه ابو نعيم في الحلية عن انس الا انه لم يذكرنا فانتفض)

بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا ”تم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟“ یہ سن کر وہ کانپ اٹھے اور بولے اے محمد! میرے اور اس کے درمیان تو نور کے ستر پردے ہیں اگر میں کسی ایک کے نزدیک بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں۔ اس حدیث کو مصابیح میں ایسا ہی روایت کیا ہے لیکن ابو نعیم نے اپنی کتاب الحلیۃ میں بجائے زرارة کے انس سے روایت کیا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کے کانپنے کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح۔ جبرائیل علیہ السلام جیسے ملک معظم بھی سرپردہ عظمت و جلال سے دور دور گھوم رہے ہیں وہ ذات ایک اور صرف ایک ہی ذات تھی جس کے لئے سب حجابات اٹھا کر اعلان کر دیا گیا تھا کہ آؤ اور اپنے پروردگار کے جمال کا بے پردہ نظارہ کر لو، سبحان اللہ وہ بندہ بھی کتنا مقرب بندہ ہوگا جس کے لئے وہ سارے حجابات اٹھا دیئے گئے جن میں سے جبرئیل جیسے ملک مقرب کے لئے ایک بھی نہ اٹھ سکا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِينُ اللَّهِ مَلَأَ لَا
يَغِيضُهَا نَفَقَةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مِنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَهُ يَغِيضُ مَا فِي
يَمِينِهِ قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ بِيَدِهِ الْآخَرَى الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ. (رواه احمد والشيخان والبيهقي والاربعة)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کا دست مبارک ہمیشہ پر ہے فیاضی کرنے سے خشک نہیں ہوتا، شب و روز انعامات کی بارشیں برساتا رہتا ہے آپؐ نے فرمایا کہ جب سے اس نے آسمان و زمین بنایا ہے بھلا کتنا خرچ کیا ہوگا اس پر بھی اس کے دست مبارک میں کوئی کمی نہیں آئی اور آپؐ نے فرمایا کہ (پہلے) اس کے عرش اور پانی کے درمیان کچھ نہ تھا (پھر بعد میں مخلوق پیدا ہوئی) خدائے تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ میں میزان عدل ہے اسے پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ (اس حدیث کو امام احمد اور شیخین اور سنن اربعہ وغیرہم نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ یہ خدائے قدوس کے خزائن اور اس کی فیاضی کی تفہیم ہے تاکہ اس کی محتاج مخلوق میں اس کی طرف ایک فطری انجذاب پیدا ہو جائے۔ اس کا عرش جہاں تھا اب بھی وہاں ہے لیکن پہلے درمیان میں کوئی اور مخلوق نہ تھی پانی ہی پانی تھا اب آسمان و زمین بن گئے اس لیے اس کے نیچے بجائے پانی کے آسمان کہاں جائے گا۔ جامع ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ سموات پر اب بھی ایک سمندر ہے اور اس سمندر پر عرش عظیم ہے۔ اگر محدثین اس روایت کو صحیح مان لیں، تو پھر یہاں پانی سے یہ پانی مراد لے لینا اچھا ہے۔ حدیث میں اس کو بحر سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ وہ بحر نہیں ہے جس کی حقیقت ہم کو معلوم ہو۔ بہر کیف حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ پہلے عرش پانی پر رکھا ہوا تھا پھر کہیں اور اٹھا کر رکھا گیا ہے۔ بلکہ صرف اس کا بیان ہے کہ پہلے اس کے نیچے کیا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ پانی یہی پانی ہو بلکہ ممکن ہے کہ جس کو جامع ترمذی کی روایت میں بحر کہا گیا ہے وہ پانی مراد ہو۔ یہاں حدیث میں دست قدرت کے ایک ہاتھ کو یمن یعنی مبارک کہا گیا ہے دوسرے ہاتھ کو آخری سے تعبیر کیا گیا، یسار کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ مشکوٰۃ میں یہ تصریح ہے کلتا یدی الرحمن، یمنیٰ رحمٰن ہر جہت سے پاک ہے۔ اس لیے اس کے دونوں ہاتھ یمن و مبارک ہیں وہاں دایاں یا بایاں نہیں بعض رواۃ نے آخری کی بجائے یسری کا لفظ کہہ دیا ہے، یہ یقیناً راویوں کا تصرف اور روایت بالمعنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عالم غیب کے حقائق ادا کرنے کے لئے جب نطاق الفاظ تنگ ہونے لگتا ہے تو عقول انسانیہ اسے معاف نہیں کرتیں یا پھر اپنے ادراک کے مطابق اس کی شکل و صورت اختراع کرنے لگتی ہیں ورنہ سرے سے انکار کے لئے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان بیرون عقل و فکر کو اپنے میزان عقل و فکر میں تولنا چاہتا ہے حالانکہ اس کو اپنی عقل کا قصور معلوم پھر اپنی قوت حافظہ و تخیلہ کا قصور معلوم، اس پر قوتِ واہمہ کا تصادم معلوم اس کے باوجود جب اس کے سامنے معاملات ربانیہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اپنی ہی عقل و فکر کی تقلید کرنے لگتا ہے کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ جو خدائے تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق بتلایا ہے اسے وہ بے چون و چرا مان لیتا اور اپنے اس کفر کی تقلید نہ کرتا جو اسی کے خیال کا مقلد ہے۔ (البواقیت ص ۹۸-۹۹)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْبِضُ اللَّهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ

بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ آتَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ . (رواه احمد والشيخان وغيرهم)

ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن خدائے قدوس اپنے دست مبارک میں زمین کو لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، اب زمین کے بادشاہ کدھر ہیں۔ (احمد شیعین)

زمین کے لئے لفظ قبض اور آسمانوں کے لئے طی (لپٹنا) کا لفظ قرآن نے بھی استعمال کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین میں طی کی صلاحیت نہیں اور آسمان کا مادہ کوئی ایسی چیز ہے جس میں لپٹنے کی صلاحیت ہے۔ موجودہ سائنس اگر آج افلاک کے وجود کی منکر ہے تو ابھی جلدی نہ کیجئے شاید کہ بہت جلد دوسرے حقائق کی طرح اسے یہاں بھی رجوع کرنا پڑے۔ حدیث کا حاصل عنوان باب سے ظاہر ہے۔

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ

أَطْبَتِ السَّمَاءُ وَحَقٌّ لَهَا أَنْ تَبْطَأَ مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ لَوْ عَلِمْتُمْ مَا أَعْلَمُ

لَصَبَحْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَا تَلْدُذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرْشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ عَلَى أَعْلَى الصُّعَدَاتِ

تَجَارُونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى قَالَ أَبُو ذَرٍّ وَاللَّهِ لَوِ دِدْتُ إِنِّي شَجَرَةٌ تُعْصَدُ . (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چڑھ آواز کر رہا ہے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے کیونکہ اس میں چار انگشت برابر بھی کوئی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا نہ ہوا اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو رویا بہت کرتے اور ہنستے کم اور اپنے بستروں پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوتے اور خدا کی طرف شور مچاتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاتے۔ ابوذر فرماتے ہیں، اے کاش! میں ایک درخت ہوتا (جو جڑ سے) کاٹ دیا جاتا۔ (کہ حساب کا خطرہ نہ رہتا)

تشریح۔ جو بات یہاں شروع میں بطور مقدمہ ارشاد ہوئی ہے وہ تمام عالم غیب پر ایمان و ایقان کی روح ہے یعنی عالم غیب ایک ایسا عالم ہے جو ہمارے حواس کے ادراک سے بالاتر ہے اس لیے رسول اس عالم کی جو چیز بھی دیکھتا یا سنتا ہے وہ سب کچھ ہمارے لیے اسی کے اعتماد پر قابل تسلیم ہونا چاہیے یہ عقلی بحث و تمحیص کا میدان نہیں سماع و مشاہدہ کا مقام ہے۔ یہ رسول کا ہی ظرف ہے کہ وہ اس عالم کے خوف ناک سے خوف ناک مناظرہ کو دیکھتا اور تحمل کر لیتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا صحابی اس جہان کا ایک مجمل سا حال صرف سن پاتا ہے تو اپنی موت کو حیوۃ پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عالم غیب عوام کی نظروں سے کیوں پوشیدہ رکھا گیا ہے معلوم ہوا کہ نہ ہر علم ہر مخاطب کے قابل ہے نہ ہر تماشہ ہر ایک کے دیکھنے کے لائق پھر جب رسول جیسا قلب و بصر تمہیں میسر نہیں تو اس سے جھکڑ و مت اور جو وہ کہتا ہے بس اسے مان لو۔

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ وَمَنْ عَلِمَ أَنِّي أَقْبَرُ عَلَى الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفِرْنِي بِقُلُوبِكُمْ غَفَرْتُ لَهُ وَلَا أُبَالِي وَكُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ وَكُلُّكُمْ فَقِيرٌ إِلَّا مَنْ أَغْنَيْتُ فَاسْأَلُونِي أُغْنِكُمْ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ (وَفِي رِوَايَةٍ وَأَنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ وَصَغِيرَكُمْ وَكَبِيرَكُمْ وَذَكَرَكُمْ وَآثَاكُمْ) وَحَيِّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمِعُوا عَلَى أَشْقَى قَلْبٍ مِنْ قُلُوبِ عِبَادِي مَا نَقَصَ فِي مُلْكِي جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبٍ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِي مَا زَادَ فِي مُلْكِي مِنْ جَنَاحِ بَعُوضَةٍ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ (وَفِي رِوَايَةٍ وَأَنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ وَصَغِيرَكُمْ وَكَبِيرَكُمْ وَذَكَرَكُمْ وَآثَاكُمْ) وَحَيِّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمِعُوا فَسَأَلْنِي كُلُّ سَائِلٍ مِنْهُمْ مَا بَلَغَتْ أُمِّيَّتُهُ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مِنْهُمْ مَا سَأَلَ مَا نَقَصَنِي كَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ مَرَّ بِشَفَةِ الْبَحْرِ فَعَمَسَ فِيهَا إِبْرَةً ثُمَّ انْتَزَعَهَا كَذَلِكَ لَا يَنْقُصُ مِنْ مُلْكِي، ذَلِكَ بَأْتِي جَوَادَ مَا جَدَّ صَمَدَ عَطَائِي كَلَامَ وَعَذَابِي كَلَامَ (وَفِي رِوَايَةٍ عَطَائِي كَلَامِي وَعَذَابِي كَلَامِي) إِذَا أَرَدْتُ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ. (رواه احمد ومسلم والترمذی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کہتا ہے، اے میرے بندو! تم سب قصور وار ہو مگر وہ جسے میں پچالوں، تو مجھ سے بخشش طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا جو شخص یہ جانتا ہے کہ مجھے بخشش کی طاقت ہے پھر مجھ سے بخشش مانگتا ہے تو میں اسے بخش دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا، تم سب کم کردہ راہ ہو مگر وہ جس کو میں

راہ دکھلاؤں تم مجھ سے ہدایت مانگا کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا، تم سب محتاج ہو مگر وہ جس کو میں بے نیاز کردوں تو مجھ سے مانگو میں تمہیں بے نیاز کردوں گا۔ اگر تمہارے اگلے پچھلے (اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انسان اور جن، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت) زندہ اور مردہ، تر اور خشک، سب مل کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ شقی القلب بندہ کی طرح ہو جائیں تو میری سلطنت میں چھڑکے پر کے برابر کوئی کمی نہیں آسکتی اور اگر سب کا دل متقی سے متقی انسان کی طرح ہو جائے تو میری سلطنت میں ایک چھڑکے پر کے برابر زیادتی نہیں ہو سکتی۔ اگر تمہارے اول و آخر (اور ایک روایت میں انسان و جن، چھوٹے اور بڑے، مرد و عورت) زندہ اور مردہ، تر اور خشک سب جمع ہوں اور ان میں ہر سائل مجھ سے وہ مانگے جو اس کی انتہائی آرزو ہو پھر ان میں ہر سائل کو میں اس کی منہ مانگی مراد دے دوں تو بھی میرے خزانہ میں کچھ کمی نہ آئے گی جیسا کہ تم میں کوئی شخص سمندر کے کنارے گزرے اور اس میں سوئی ڈبو کر نکال لے (تو سمندر میں کوئی کمی نہیں آتی) اسی طرح میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں آتی یہ اس لیے کہ میں بخشنے والا ہوں، بزرگی والا ہوں، بے نیاز ہوں، بات میری بخشش اور بات میرا عذاب ہے اور ایک روایت میں ہے، میری بات (میں) میری بخشش ہے اور میری بات (میں) میرا عذاب ہے (کچھ کرنا نہیں پڑتا) اور جب میں کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو صرف یہ کہہ دیتا ہوں کہ موجود ہو جاوہ موجود ہو جاتی ہے۔ (امام احمد اور مسلم اور ترمذی)

تشریح۔ اس حدیث میں خدا کی توحید و عظمت کی وہ روح پھونکی جا رہی ہے کہ اس کے بعد اب کوئی ہاتھ نہ رہے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف اٹھے کوئی دوسری بارگاہ نہ رہے جس پر حاجت روائی کا گمان کیا جاسکے۔ عاصی اگر معصیت کرتا ہے تو جان لے کہ اس کی مضرت اسی کے لیے ہے عابد اگر عبادت کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک محدود ہے اس کی بے نیازی کا یہ عالم کہ اگر تمام مجرمین کو بخش ڈالے تو پرواہ نہیں فیاضی کی یہ انتہاء کہ اگر ایک ایک کو منہ مانگی مراد دے دے تو اس کے خزانہ غیب میں کوئی نقصان نہیں، سلطنت کی یہ قہر مانی کہ اس کے ارادہ و مراد میں تخلف نہیں دنیا میں بڑے سے بڑا تعاون اسباب و عمل کا گرفتار ہے ان کی یہ شان کہ اسباب و مسببات ان کے حکم کے منتظر ہیں۔ سبحان اللہ خدا کا اسلام کتنا باشوکت و عظمت ہے۔

(وَعَنْهُ فِي أُخْرَى) عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرَوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنِّي حَرَمْتُ عَلَى نَفْسِي الظُّلْمَ وَعَلَى عِبَادِي إِلَّا قَلًا تَصَالَمُوا، كُلُّ بَنِي آدَمَ يُخْطِئُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرُ لَهُ وَلَا أُبَالِي، وَقَالَ يَا بَنِي آدَمَ كُلُّكُمْ كَانَ ضَالًّا إِلَّا مَنْ هَدَيْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ عَارِيًّا إِلَّا مَنْ كَسَوْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ جَائِعًا إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ ظَمَانًا إِلَّا مَنْ سَقَيْتُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِيَكُمْ وَاسْتَغْسُونِي أَكْسِكُمْ وَاسْتَطْعَمُونِي أُطْعِمُكُمْ وَاسْتَسْقُونِي أَسْقِيَكُمْ يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ (فَذَكَرَ نَحْوَ الْحَدِيثِ الْمُتَقَدِّمِ وَفِيهِ لَمْ يَنْقُصُوا مِنْ مُلْكِي شَيْئًا إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ رَأْسُ الْمَخِيطِ مِنَ الْبَحْرِ). (رواه احمد و مسلم و الترمذی)

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نفس پر بھی ظلم کرنا حرام کیا ہے اور اپنے بندوں پر بھی ظلم کرنا حرام کیا ہے تو سن لو کہ ایک دوسرے پر ظلم

نہ کیا کرو، تمام اولاد آدم شب و روز خطا کرتی رہتی ہے پھر مجھ سے معافی مانگتی ہے تو میں اسے معاف کرتا رہتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا اور فرمایا کہ اے اولاد آدم تم سب بے راہ تھے مگر وہ جس کو میں نے راہ دکھائی، سب ننگے تھے مگر وہ جس کو میں نے لباس پہنایا، سب بھوکے تھے مگر وہ جس کو میں نے کھانا کھلایا، سب پیاسے تھے مگر وہ جس کو میں نے پانی پلایا تو مجھ سے ہی ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا، مجھ سے ہی لباس مانگو، میں تمہیں لباس دوں گا، مجھ سے ہی کھانا مانگو، میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا، مجھ سے ہی پانی مانگو میں تمہیں پانی پلاؤں گا، اے میرے بندو! اگر تمہارا اول و آخر (اس کے بعد پہلی حدیث کے قریب مضمون بیان کیا صرف فرق یہ ہے کہ یہاں یہ الفاظ ہیں ”میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں پیدا کر سکتے مگر جتنا کہ سوئی کی نوک سمندر کے پانی میں“) (احمد و مسلم ترمذی)

ترغیب و تفہیم کی حد ہو گئی کہ ظلم کے بارے میں خالق نے اپنا بھی استثناء نہیں کیا اور اس کی کراہت و حرمت میں اپنے آپ کو بھی اپنی مخلوق کے برابر ٹھہرا لیا۔ مگر مخلوق کی بے حیائی کی بھی انتہاء نہ رہی کہ اس نے اپنے خالق سے آگے بڑھ کر ظلم ہی کو اپنا نصب العین بنا لیا۔

عَنْ أَبِي الدُّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجِلُّوا اللَّهَ يَغْفِرْ لَكُمْ

قَالَ ابْنُ ثَوْبَانَ (أَحَدُ الرُّوَاةِ) يَعْنِي أَسْلِمُوا. (رواه احمد والطبرانی)

ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احترام کرو، وہ تمہیں بخش دے گا، ابن ثوبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (حدیث کا ایک راوی ہے) کہتا ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ اسلام لے آؤ۔ (امام احمد اور طبرانی)

تشریح۔ معلوم ہوا کہ دیگر مذاہب خدائے تعالیٰ کے احترام کا کتنا ہی دعویٰ کریں مگر اس کا صحیح احترام صرف اسلام قبول کرنے میں ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ أَنَّى رَجُلٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ

أَنِّي لَقِيتُ بَعْضَ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نَعَمْ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنْكُمْ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كُنْتُ أَكْرَهَهَا مِنْكُمْ فَقُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ. (رواه احمد والطبرانی)

حذیفہ بن الیمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے خواب

میں دیکھا ہے کہ میں کسی اہل کتاب سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم کیا اچھے لوگ تھے اگر ما شاء اللہ و شاء محمدؐ نہ کہا کرتے (یعنی جو اللہ

تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں) آحضرتؐ نے فرمایا کہ میں بھی تمہاری اس بات کو ناپسند کیا کرتا تھا لہذا (بجائے اس کے) یہ کہا کرو

ما شاء اللہ ثم محمدؐ (پہلے جو خدا چاہے اس کے بعد جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں) اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد و طبرانی نے روایت کیا ہے۔

تشریح۔ عربی زبان میں واؤ شرکت کے لئے آتا ہے اور ثم تراخی و تاخیر کے لئے اس لیے عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو مگر بارگاہ

خداوندی کی عظمت چاہتی ہے کہ اس کی صفات میں عبارتی شرکت کا بھی شائبہ نہ آنے پائے۔ جہاں عبارتی ادب اتنا ہے وہاں

عقیدہ کا ادب کتنا ہوگا۔ حدیث تو یہ کہتی ہے مگر آپ سوچئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں، اسلام کی توحید کیا ہے اور آپ کا عمل کہاں ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَعَلْتَنِي وَاللَّهِ عِدْلًا بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَخَدَعُهُ. (رواه احمد)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ما شاء اللہ و شئت (جو اللہ تعالیٰ چاہے

اور آپ چاہیں) آپ نے اس شخص سے کہا کہ کیا تو نے مجھے اور اللہ تعالیٰ کو برابر کر دیا؟ صرف یہ کہہ جو ایک اللہ چاہے۔ (امام احمد)
یعنی خدا اور رسول کا احترام الگ الگ پہچانو اور ہر ایک کے حقوق کو غلط ملط نہ کرو، خدا کا احترام یہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں کوئی نہیں۔ حقیقت شریعت تو درکنار وہاں لفظی شرکت و مساوات بھی مکروہ عمل ہے۔

وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَقُولُ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قِيَامُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاعْفِرْ لِي مَا قَلَّمْتُ وَآخَرْتُ وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلَهِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ. (رواه احمد والشيخان ومالك واللاله)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں زمین و آسمان اور جو مخلوق اس میں ہے سب کا نور تو ہے اور تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ زمین و آسمان اور جو مخلوق اس میں ہے سب کا وجود قائم رکھنے والا تو ہے اور تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تو سچا اور تیرا قول سچا ہے تیرا وعدہ سچا اور تیرا ملنا سچا ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت کی آمد حق ہے، اے اللہ! میں تیرا ہی مطیع ہوا، تجھ پر ہی ایمان لایا، تجھ پر ہی بھروسہ کیا، تیری ہی طرف متوجہ ہوا، تیری ہی طاقت سے اپنے دشمن کا مقابلہ کیا، تیری ہی طرف فیصلہ کے لئے آیا، میرے گناہ جو میں کر چکا اور جو بعد میں کیے، جو پوشیدہ کیے اور جو کھلے طور پر کیے، سب بخش دے تو میرا معبود ہے، سوائے تیرے میرا کوئی اور معبود نہیں۔ (امام احمد، شیخین)

تشریح۔ حقیقت یہ ہے کہ ادعیہ و اذکار کو لوگ غور سے نہیں پڑھتے۔ حالانکہ اسلام میں خدائی عظمت کا ٹھیک ٹھیک پتہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا صحیح سراغ اسی نیم شب کے نالہ و بکا میں ملتا ہے ایک دعا میں جو تین تین بار ولک الحمد کہہ جاتا ہو ایک نماز میں جو ہر بار رکوع سے اٹھ کر رہنا ولک الحمد کہتا ہو سوچو کہ اس کے قلب میں اپنے خالق کے لئے کتنا جذبہ حمد پنہاں ہوگا پھر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اللہم صل وسلم وبارک علیہ ما دارت الملو ان۔

خدائے تعالیٰ عز و جل کی تنزیہی صفات

عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُحَمَّدُ اُنْسِبْ لَنَا رَبَّكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (الاخلاص) (رواه احمد)

ابی بن کعب روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد! ہمیں اپنے پروردگار کا نسب تو بتلائیے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ قل هو اللہ الخ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ہے بے نیاز، نہ کسی کو اس نے جنم نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ (احمد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كَذَّبَنِي عَبْدِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَهَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ (وَلَهُ رِوَايَةٌ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ) أَنْ يَقُولَ فَلَنْ يُعِيدَنَا كَمَا بَدَأْنَا، وَأَمَّا هَتَمُهُ إِيَّايَ يَقُولُ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ (رواه احمد والشيخان)

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور یہ اس کو مناسب نہ تھا اور مجھے برا بھلا کہا حالانکہ یہ اس کے لیے موزوں نہ تھا۔ اس کا میری تکذیب کرنا (ایک روایت میں یوں ہے کہ بہر حال اس کا مجھے جھٹلانا تو) یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اس نے جیسا ہمیں پہلے پیدا کیا تھا ایسے ہی پھر زندہ نہیں کرے گا اور اس کا برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا ہے نہ کسی نے مجھ کو اور نہ میرا کوئی نظیر و ہمسر ہے۔ (اس حدیث کو امام احمد شیعین)

تشریح۔ بہت سے الفاظ صرف اعتقادیات کی نجاستوں سے ہی ملوث نہیں ہوتے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ شریعت اسلام ہر ایک کو ذوق فطرت کے مطابق متاثر کرنا چاہتی ہے اگر کوئی عقائد کی تطہیر و تنزیہ کا مذاق نہیں رکھتا تو کم از کم اخلاقی لحاظ سے اس کو معقول کرنا چاہتی ہے اور سمجھاتی ہے کہ جو الفاظ تم اپنے منہ سے نکالتے ہو یہ صرف عقائد شرکیہ ہی نہیں بلکہ سب و شتم اور خدائے پاک کے تکذیب کے بھی الفاظ ہیں تم کہتے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اس کلمہ کی شاعت صرف ایک عقیدہ کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس خدائے تمہیں دوبارہ پھر زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے گویا اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے، تم کہتے ہو کہ اس کے بیٹا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے کسی کو جنا ہے تو اس کو بھی کسی نے جنا ہوگا اور یہاں جب سلسلہ ولادت ہے تو اس کے لئے بیوی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سوچو کہ جو ذات مادیات کی ہر ظلمت سے بالاتر ہے اس کے لئے مادیات کے اس نازل تر تخیل کا قائم کرنا اخلاق سے کتنی گری ہوئی بات ہے۔ ایک درشت خوگر سادہ فطرت رکھنے والے کے لئے کیا خوب طریقہ تفہیم ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْذِنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ اللَّهَ وَأَنَا اللَّهُ بِبَيْدِ الْأَمْرِ أَقْلِبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. (رواه احمد والشيخان وغيرهم)

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ابن آدم مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے، دہر اور زمانہ کو برائیاں لگاتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں، سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں، شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (اس حدیث کو احمد شیعین وغیرہم نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ اسلامی ادب کی یہ انتہائی نزاکت ہے کہ ایک انسان جب اپنی عام بات چیت میں ایسے محاورات استعمال کر بیٹھتا ہے جس کی زد بارگاہ صمدیت پر پڑ سکتی ہے تو وہ ان کو عام بول چال میں لانا بھی پسند نہیں کرتا اور خدائی عظمت کو ہر وقت و ہر لحظہ اتنا دل نشین کر دینا چاہتا ہے کہ غفلت کے حال میں بھی ہر چھوٹے بڑے تصرف کی نسبتیں سب ایک ہی ذات کی طرف رکھی جائیں بالخصوص جب کہ اس کے سامنے وہ لوگ بھی موجود ہیں جو زمانیات کو زمانہ ہی کے تاثیر کا نتیجہ قرار دیتے ہوں، اس وقت اگر ایک

توحید کا قائل بھی کسی استعارہ و مجاز میں یہی تعبیر اختیار کر لے تو پھر ایک اسلامی اور دھری میں کیا فرق باقی رہے گا۔ اب سوچو کہ جو مذہب تمہارے الفاظ کو بھی شرک سے اتنا دور رکھنا چاہتا ہے وہ تمہارے قلب و دماغ کو کتنا دور رکھنا چاہتا ہوگا۔ دل و دماغ پر معانی کا انعکاس الفاظ ہی کے واسطے سے ہوتا ہے اس لیے عام بول چال میں بھی غفلت کرنا مناسب نہیں ہے ہمارے دور میں محض وقتی دلچسپی کے لئے شریعت کے عقائد و اعمال کا استہزاء کوئی بات نہیں رہی یہ غلط طریقہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہو کر رہے گا کہ ایک دن ان کی وقعت حقیقہ دلوں سے نکل جائے گی اور یہ وقتی خوش مذاقی دائمی بد مذاقی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى

أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللَّهِ يَدْعُوَنَّ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ. (متفق عليه)

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ سے زیادہ تکلیف دہ کلمات سن کر تحمل کرنے والا کوئی نہیں، مشرکین اس کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں، وہ اس پر بھی عافیت بخشا اور روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ (شیخین) تشریح۔ خدا کی ذات پاک کسی کی ایذا دہی سے بالاتر ہے۔ مگر جب اس کی بنائی ہوئی مخلوق اپنی جانب سے ایذا دہی کے سامان تیار کر لیتی ہے تو وہ اس کی اطلاع دے دیتا ہے کہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ مگر اس کے جواب میں عافیت و رزق فرماتا رہتا ہے اگر اس کے سوا دوسرے جواب کا ارادہ کر لے تو سب دنیا ویران ہو جائے، ہماری پستی اور اس کی بلندی، ہماری تنگ ظرفی اور اس کی فراخ حوصلگی، ہماری بغاوت اور اس کے تحمل کا یہ نقشہ قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ اسلام چاہتا ہے کہ فردائے قیامت میں اپنے حلقہ بگوشوں کو اس رسوائی سے بچالے۔

اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت

انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا پہلا تعارف اگرچہ صفت ربوبیت کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے مگر ربوبیت کی اصل روح رحمت ہی ہے اس لیے سورہ فاتحہ میں رب العالمین کے بعد رحمن و رحیم کی صفت کا ذکر ہے اگر رحمت نہ ہوتی تو یہ تربیت بھی ہوتی بلکہ تمام جہان کی پیدائش ہی اسی رحمت کا ثمرہ ہے۔ رحمت ہی کا یہ جوش تھا کہ بلا مطالبہ، بلا استحقاق محض عدم کو لباس وجود عطا کیا مگر رحمت کا اقتضاء صرف معدوم کو موجود اور معصوم کو بخش کر پورا نہیں ہوتا تھا اس لیے رحمن نے بالقصد نور و ظلمت سے ایک مرکب مخلوق بنائی تاکہ وہ گناہ کرے اور جب وہ بھولے سے بھی استغفار کے لئے ہاتھ اٹھائے تو رحمت کو بخشش کا بہانہ مل جائے یہ گناہ کر کر کے شرمندہ ہوا کرے وہ معاف کر کے فخر کیا کرے، فلاسفہ و معتزلہ کو صرف عادل خدا درکار ہے مگر ہم گنہگاروں کو وہ عادل درکار ہے جس کے غصہ پر اس کی رحمت غالب ہو، یہ عجیب بات ہے کہ گنہگاروں کو رحمن کی اتنی تلاش نہیں، جتنی رحمن کو گنہگاروں کی اور یہی وجہ ہے کہ معصومین موجود تھے مگر گنہگاروں کی جگہ پھر خالی تھی، رحمت کا جوش چاہتا تھا کہ ان کو بخشے جن پر فرد جرم لگ چکی ہو، جب اسے کوئی ایسا نہ ملا تو اس نے ایک مخلوق اسی صفت کی پیدا فرمائی مگر جب یہ مخلوق پیدا ہوئی تو ان میں سے بہتوں نے رحمن کا دروازہ چھوڑ دیا رحمت بلاتی رہ گئی اور انہوں نے منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا مگر جب عمر بھر روگردانی کے بعد بھی سمجھ آ گئی تو رحمت نے پھر گلے لگانے سے

کسی کو انکار نہ کیا اور گزشتہ سب گستاخیوں پر قلم غفو کھینچنے کا اعلان کر دیا۔ صفت قہر و غضب پوری تمامیت و کمال کے باوجود اپنے مستحقین پر اترنے کے لئے بھی مشیت کا انتظار کرتی ہے مگر صفت رحمت ہے کہ ہر چیز کو بلا تفریق محیط ہے رحمتی وسعت کل شئیء عالم کا کوئی گوشہ نہیں جسے صفت رحمت سے کوئی نہ کوئی حصہ نہ ملا ہو، اسی اعتبار سے عرش پر اسم رحمن کی تجلی ہے تاکہ تمام مخلوق رحمت کے نیچے بسر کرے اور اسی لیے جو نوشتہ کہ عرش رحمن کی زینت بنا ہوا ہے وہ یہ کہ ان رحمتی سبقت غضبی۔

اس سبقت و غلبہ کے اظہار کے لئے رحمت کی کچھ کرشمہ سازیاں میدان محشر میں نظر آئیں گی انہیں پڑھ کر خدا کی صفت قہر و غضب سے مطمئن نہ ہونا چاہئے رحمت کی سبقت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں صفت غضب نہیں، گناہوں کی باز پرس، مظلوموں کی دادرسی نہیں، ظالموں کی بیداری، متکبروں کے غرور، مفسدین کے بگاڑ کا کوئی حساب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک انسان سوتل کر کے اور ایک کافر عمر بھر کی بغاوت کے بعد بھی رحمت کی طرف متوجہ ہونا چاہے تو رحمت پھر حساب نہیں لگائے گی اور ان جیسے مجرمین کے لئے بھی اس میں وسعت نظر آئے گی۔ لیکن کوئی مجرم اگر صفت رحمت کا خود سہارا نہیں ڈھونڈتا تو پھر اسے خدائی غضب کی پکڑ سے مامون نہ رہنا چاہئے۔

شیخ اکبرؒ نے سہل تستریؒ اور ابلیسؒ کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ ایک دن ابلیس نے ان سے کہا جب قرآن رحمتی وسعت کل شئیء کہتا ہے (یعنی میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے) تو پھر کس دلیل سے تم مجھے رحمت سے نکال سکتے ہو کیا میں شئیء نہیں، سہل کہتے ہیں یہ اعتراض سن کر میں حیران رہ گیا اور دل ہی دل میں بار بار آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے لگا دفعۃً مجھے خیال آیا کہ اس کے آگے ہی اس کا جواب موجود ہے۔ فسأکتبھا للذین یتقون (میں اپنی رحمت ان کے لئے لکھ دوں گا جو متقی ہیں) میں نے بڑی خوشی خوشی کہا اے ملعون مگر اس رحمت کو اللہ تعالیٰ نے چند قیود کے ساتھ مقید کیا ہے چونکہ تجھ میں وہ صفات نہیں اس لیے تو رحمت کا مستحق بھی نہیں، یہ جواب سن کر ابلیس ہتک آمیز لہجہ میں مسکرا پڑا اور بولا اے سہل میرا خیال تمہارے متعلق یہ نہ تھا کہ تم اور صفات الہیہ سے اتنے جاہل ہو گے تقید تو تمہاری صفت ہے خدائے تعالیٰ کی جو صفت بھی ہے وہ قیود کے داغ سے مبرا و منزہ ہے، وہاں اطلاق ہی اطلاق ہے، سہل کہتے ہیں اس کا یہ اعتراض سن کر میرا منہ خشک ہو گیا اور مجھے کوئی جواب نہ آیا۔ (البواقیت والجواہر ج ۱ ص ۵۶)

حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب) قدس سرہ فرماتے تھے کہ آیت میں صرف خدائی رحمت کی وسعت کا بیان کیا گیا ہے جواز خود اس میں نہ آئے یہ اس کا قصور ہے رحمت کی وسعت کا نہیں۔ اگر ایک مکان میں سو آدمیوں کی گنجائش ہے مگر اس مکان میں آنے والے صرف پچاس ہی آدمی ہوں تو اس میں مکان کی وسعت کا قصور نہیں یہ نہ آنے والوں کی کوتاہی ہے، شیطان اور اس سے بڑھ کر متمرّد کے لئے بھی رحمت میں ہر وقت گنجائش ہے مگر وہ خود ہی اگر نہ آئے تو یہ اس کی بد نصیبی ہے، انلز مکموھا وانتم لها کارھون۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ. (اعراف: ۱۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے تو اس کو ہم ان کے لئے لکھ دیں گے جو پرہیزگار ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقَالَ تَعَالَى قُلْ يَعْبادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ. (الزمر: ۵۳)

کہہ دیجئے! اے میرے بند و جنہوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، اللہ کی مہربانی سے آس مت توڑو، بے شک اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ سب گناہ بخش سکتا ہے، وہی گناہ بخشے والا اور مہربان ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي.

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو لوح محفوظ میں یہ لکھ دیا، میری رحمت میرے غصہ سے بڑھی ہوئی ہے یہ تحریر اس کے سامنے عرش پر موجود ہے۔

تشریح۔ کارخانہ عالم تمام کا تمام اسباب و مسببات کا محکوم ہے اس لیے احادیث میں اگر کہیں کتاب و کتابت کا ذکر آ جاتا ہے تو اس کو نہ مجاز و استعارہ بنانے کی ضرورت ہے نہ کسی اور تاویل یا تامل کی۔ ہاں اس جسارت و دلیری کی بھی ضرورت نہیں کہ عالم غیب کو عالم شہادت پر قیاس کر کے کاغذ، قلم، دوات کے جوالات یہاں درکار ہیں وہی عالم بالا میں تصور کر لیے جائیں۔

رحمت کی سبقت کا یہ مطلب ہے کہ نزولِ قہر کے لئے سبب درکار ہے مگر رحمت کو سبب کا انتظار نہیں اس لیے رحمت ہمیشہ غضب سے بڑھی رہتی ہے۔ یہ کتبہ اس لیے عرش پر رکھا گیا ہے کہ اس کے نیچے بسنے والی مخلوق مطمئن رہے کہ اس کے مقدمہ کی سماعت آئین رحمت کے ماتحت ہوگی صفت انتقام یا صرف صفت عدل کے ماتحت نہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمَعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر مومن جانتا اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا ہے تو اس کی جنت کی کوئی طمع نہ رکھتا اور اگر کافر جانتا خدا کی رحمت کتنی ہے تو اس کی جنت سے کوئی مایوس نہ رہتا۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةً جُزْءٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ تَقَرَّاحُ الْخَلَائِقِ حَتَّى تَرْفَعَ الدَّابَّةُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةً أَنْ تُصِيبَهُ.

تشریح۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصہ کیے، ننانوے حصہ تو اپنے لئے محفوظ رکھے ہیں اور صرف ایک حصہ زمین والوں کو بخشا ہے، یہی ایک حصہ ہے جس سے مخلوق باہم ایک

دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتی ہے، یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچے سے ہٹا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں اس پر جانہ پڑے۔

خدائی صفات کمال کا یہ کمال ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ اتنی کامل ہے کہ ایک کا نظارہ دوسرے کے تصور سے غافل بنا دیتا ہے مگر خدا کی ذات کا یہ کمال ہے کہ اس کی ہر شان ہر وقت یکساں ظہور کرتی رہتی ہے وہ عین رحمت کے حال میں غضب اور

عین غضب کے حال میں رحمت کرتا رہتا ہے۔

نَبِيَّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ. وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (الحجر: ۴۹، ۵۰)

(میرے بندوں کو بتادیتے کہ غفور رحیم صرف میں ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ
الْجَنِّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُونَ وَبِهَا تُعْطِفُ الْوُحُشُ عَلَى وَلَدِهَا
وَأَخْرَهَا اللَّهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه وفي رواية مسلم في

آخره قال فاذا كان يوم القيامة اكملها بهذه الرحمة. (روى هذه الاربعة الشيخان والترمذی)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے لئے سو رحمتیں ہیں جس میں سے اس نے جن و انس، جانور اور موزیات میں رحمت کا صرف ایک حصہ اتارا ہے، اسی ایک حصہ کی وجہ سے وہ باہم ایک دوسرے کی طرف جھکتے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اسی ایک حصہ کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچہ سے الفت رکھتا ہے (بقیہ) رحمت کے ننانوے حصوں کو اس نے قیامت کے دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے کہ ان سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا اور مسلم میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان ننانوے حصوں کو رحمت کے اس ایک حصہ سے پورا کر کے (پوری سو کی سو رحمتوں سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔) (شیخین اور ترمذی)

تشریح۔ غیر محدود رحمت کے تصور سے انسان عاجز ہے اور اس کو سمجھانا یہ ہے کہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی رحمت اور تنہا خدا کی اس رحمت میں جو یوم حساب میں ظاہر ہوگی کیا تفاوت ہے، اس تفاوت کے ذہن نشین کرنے کے لئے یہ ایک فرضی حساب بیان کیا گیا ہے تاکہ فکر انسانی کو غیر محدود رحمت کے اندازہ کرنے کا راستہ مل جائے ورنہ غیر محدود کو نہ سو میں تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ دو سو میں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ درجات جنت سو ہیں اور جنت میں جانا چونکہ بلا رحمت الہیہ ہو نہیں سکتا اس لیے ہر درجہ کے مقابلہ میں رحمت کا ایک جزء ملا دیا گیا ہے۔ حدیث نمبر ۳ میں اسی کی توضیح و تفہیم مقصود ہے۔

عَنْ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللَّهِ لَا يَغْفِرُ اللَّهُ لِقَلَانٍ وَأَنَّ اللَّهَ

تَعَالَى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيَّ إِلَّا أَغْفِرَ لِقَلَانٍ فَإِنِّي لَذَا غَفْرَتٍ لِقَلَانٍ وَأَخْبَطْتُ عَمَلَكَ

أَوْ كَمَا قَالَ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَسْتُرُ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه مسلم)

جندبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے خدا کی قسم کھا کر کہا وہ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا، خدائے تعالیٰ نے فرمایا یہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھا رہا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا (جا) میں نے فلاں کو بخشا اور تیرے عمل اکارت کیے (راوی کو تر دو ہے کہ یہ یا اس کے مشابہ کوئی اور جملہ فرمایا) اور ایک روایت میں یہ ہے جس بندہ کی اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ پوشی فرمالے (امید ہے کہ) آخرت میں بھی ضرور اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (مسلم)

تشریح۔ مسند امام احمد میں اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے ایک عبادت گزار دوسرا گنہگار تھا۔ یہ اس گنہگار سے کہا کرتا گناہ مت کیا کروہ جواب دیتا تجھے کیا پڑی ہے میں جانوں اور میرا رب اس نے ایک دن اسے کوئی بڑا گناہ کرتے دیکھا تو پھر اس کو روکا اس نے کہا تو مجھ پر کوئی داروغہ تو مقرر نہیں ہے اسے غصہ آیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا جا خدا تیری مغفرت نہیں کرے گا

اور نہ تجھے اپنی جنت میں داخل کرے گا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا اس نے دونوں کی روح قبض کر لی، جب اس کے دربار میں دونوں کی پیشی ہوئی تو پہلے گنہگار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا۔ پھر اس سے کہا تیری طاقت ہے کہ تو میرے بندہ پر میری رحمت روک دے؟ وہ بولا ”اے رب ہرگز نہیں“ حکم دیا ”اسے دوزخ میں لے جاؤ“ اس حدیث میں اس کی صفت قدرت کا مظاہرہ ہے یعنی وہ چاہے تو ایک گنہگار کو صرف اپنی رحمت سے بخش دے اور چاہے تو ایک نیکو کار کو ادنیٰ سی بات پر گرفت فرمالے۔ احادیث میں لفظ ”لا ابالی“ اس کی اسی شان بے نیازی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں اس نکتہ نواز کو گنہگار کی اعتماد رحمت کی ادا پسند آگئی اور عابد کی خدائی رحمت پر اس وثوق کے ساتھ اپنی جانب سے بندش ناگوار گزری اس لیے نتیجہ پلٹ گیا۔ مخلوق کو چاہیے کہ خالق کے عذاب و ثواب کی تقسیم میں کسی حال دخل انداز نہ ہو، ہم عمل کے مخاطب ہیں اور جزاء کا وہ مختار ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ بِسَبْيٍ فَإِذَا امْرَأَةً مِنَ السَّبْيِ تَبْتَغِي إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرُونَ هَذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا لَا وَاللَّهِ وَهِيَ تَقْدِرُ أَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بَوْلَدِهَا. (رواه الشيخان)

عمر بن الخطابؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، ان میں ایک عورت پر نظر پڑی جو اپنا بچہ تلاش کرتی پھرتی تھی جونہی اس کو بچہ مل گیا اسی وقت اس نے اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور دودھ پلانے لگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنے اس بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے ہم نے عرض کیا خدا کی قسم نہیں بالخصوص جب کہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے کی قدرت بھی ہے (کوئی مجبوری نہیں) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر زیادہ پیار ہے بہ نسبت اس عورت کے اپنے بچہ پر۔ (شیخین)

تشریح۔ آگے حدیث آرہی ہے اور یہ ان دونوں جگہ آنکھوں کے سامنے مخلوق کی محبت و شفقت کا انتہائی جوش نظر آ رہا ہے، انسانی فطرت شناس چاہتا ہے کہ اسی تاثر کے حال میں اس کو وہ رحمت یاد دلائے جس کو صرف سمجھانے کے لئے اس سے سو گنا زیادہ کہا گیا ہے اور اس طرح خدا کی رحمت کی عظمت اتنی ذہن نشین کر دے کہ یہ مخلوق کی رحمتیں نظروں میں ہیچ ہو جائیں۔ اسلامی عقائد صرف علوم نہیں بلکہ فطرت کے تاثرات اور ان کے نقش و نگار ہیں، خدائی رحمت کا ہمیں صرف علم درکار نہیں بلکہ وہ یقین درکار ہے جس کے بعد بے ساختہ قلب میں اس کی طرف ایک انجذاب محسوس ہونے لگے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شَبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً وَمَنْ لَقِنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةٌ لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَقِيْتُهُ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً. رواه مسلم والترمذی ولفظه قال الله تعالى يا ابن آدم انك ما دعوتني ورجوتني غفرت لك على ما كان فيك ولا ابالي

يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغْتَ ذُنُوبَكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أَبَالِي يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوِ اتَّيَسَّرَ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَا كُتِبَتْكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةٌ.

ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا اللہ تعالیٰ کہتا ہے جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گناہ بدلہ ملے گا اور میں اس پر بھی اضافہ کروں گا اور جو برائی کرے گا اس کو صرف ایک برائی کا بدلہ ملے گا اور امکان یہ بھی ہے کہ میں اسے معاف کر دوں، جو میری طرف ایک بالشت قریب آئے گا میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب آؤں گا اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہو گا میں اس کے دو ہاتھ قریب ہوں گا اور جو میری طرف ٹہلتا ہوا آئے گا میں اس کی طرف لپکتا ہوا آؤں گا جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ کر کے ملے گا میں اس سے اتنی ہی بڑی مغفرت لے کر ملوں گا۔ بشرطیکہ اس نے میرا کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہو۔ اس حدیث کو مسلم ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا خواہ تیرے عمل کیسے بھی ہوں اور میں بے نیاز ہوں اے ابن آدم! اگر تیرے گناہوں کا ڈھیر آسمان تک پہنچ جائے پھر تو مجھ سے معافی مانگنا چاہے تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لے کر آؤں گا بشرطیکہ تو نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھیرایا ہو اور میں بے نیاز ہوں اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر خطاؤں کا بوجھ لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تو نے شرک نہ کیا ہو تو میں اسی کے برابر تیرے پاس مغفرت لے کر آؤں گا۔

تشریح۔ قرب و بعد کو حدود میں محصور تصور کرنے والا انسان جب ان قیود سے بالاتر ہستی کے قرب و بعد کا ذکر سنتا ہے تو اس کو بھی بالشتوں اور گزروں سے ناپنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو ان حدود سے آزاد ہے اس کے لئے ان حدود کا تصور کیوں کیا جائے۔ انسان خواب کے عالم میں بہت کچھ دیکھتا ہے مگر نہیں بتلا سکتا کہ اس کو اس جہان سے تحت و فوق یا قرب و بعد میں سے کون سی نسبت حاصل ہے وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسی جیسے وسیع جہان میں پھر رہا ہے حالانکہ وہ سارا جہان اس میں ہے اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس میں ہے اس سے کتنا قریب ہے کتنا بعید ہے۔ شریعت الفاظ کی تنگی کی وجہ سے ہماری تفہیم کے لئے ایک مؤثر انداز بیان اختیار کرتی ہے ہم اس کی صورت ڈھالنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہاں حدیث کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ جتنا بندہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مادی کا قرب مادی سے بے شک مکانی ہے مگر مجرد کا مجرد سے یا مادی کا مجرد سے یا مجرد کا مادی سے مکانی قرب نہیں باقی ہمہ آخری تین قسموں میں جو قرب ہے وہ پہلی قسم سے کہیں زیادہ ہے باپ اور بیٹے میں بعد مسافت کے باوجود جو قرب ہے وہ دو اجنبی شخصوں میں ایک جگہ بیٹھ کر بھی نہیں۔ اسی لحاظ سے نبی کو جو قرب و محبت مؤمنوں کی جانوں سے حاصل ہوتا ہے وہ خود ان کو اپنی جانوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرب مکانی کا رشتہ بہت ضعیف و کمتر رشتہ ہے، قرب کی ہر تعبیر کو زمان و مکان کی قیود میں محدود کر دینا بڑی کوتاہی ہے، خدا ایک مطیع و فرمانبردار بندہ سے بہت قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ اس کی رگ جاں بھی اتنی قریب نہیں مگر وہ قرب نہیں جو مادی کا مادی سے ہوتا ہے بلکہ وہ جو مجرد کو مادی سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ عاصی و نافرمان سے بہت بعید ہے مگر وہ بعد نہیں جس کا حدود و نہایات سے اندازہ کیا جاسکے غرض کہ اگر وہ قریب ہے تو اتنا کہ اس سے زیادہ کوئی قریب نہیں اور بعید ہے تو ایسا کہ اس سے زیادہ کوئی بعید نہیں مگر دونوں صورتوں میں اس کا

قرب و بعد وہی ہے جو ایک مجرد کو مادی سے ہو سکتا ہے نہ وہ جو مادی کو مادی سے شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

ومن عجبی انی احسن الیهم
وتشاقهم روحی وهم بین اضلعی

(البیواقیت والجواہر ص ۶۰)

”یعنی مجھے اپنے حال پر تعجب ہے کہ میں کیوں ان کا مشتاق رہتا ہوں اور ان کے متعلق ہمیشہ کیوں دریافت کرتا پھرتا ہوں جب کہ وہ ہمہ وقت میرے ساتھ ہیں اور اس پر کہ میری آنکھیں ان کے لئے کیوں رویا کرتی ہیں، جب کہ وہ اس کی پتلی میں موجود ہیں اور میری جان ان کے لئے کیوں مشتاق رہتی ہے حالانکہ وہ میرے دل میں جلوہ نکلن ہیں۔“

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَائِلِ حَتَّى أَحْبَبْتُهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لِأَعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لِأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے، میرا بندہ میرا تقرب کسی اور عمل سے جو مجھے پسند ہوتا تھا حاصل نہیں کرتا جتنا کہ اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور وہ پاؤں جن سے وہ چلتا ہے اب اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے گا تو میں اسے دوں گا اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے گا تو میں اپنی پناہ میں لے لوں گا، اور مجھے کسی کام کرنے میں جو مجھے کرنا ہے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مومن کی روح قبض کرنے میں اسے موت پسند نہیں ہوتی اور مجھے اس کا دل گیر ہونا گوارا نہیں ہوتا اور موت اس کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔ (بخاری)

تشریح۔ دو انسانوں کے درمیان مراحل محبت طے کرتے کرتے بسا اوقات ایسے اثرات نظر آنے لگتے ہیں جنہیں ایک اجنبی شخص بھی دیکھ کر یہ اندازہ کر لیتا ہے کہ ضرور ان دو شخصوں میں کوئی ایسا تاثر و مغلوبیت کا تعلق ہے جس نے ان کے ظاہر کو بھی مسخر کر لیا ہے وہ دیکھتا ہے کہ نشست و برخاست کے اوضاع و اطوار سے گذر کر ان کے خط و خال میں بھی صفت ہمرنگی پیدا ہو گئی ہے، جب آرزو کے اتحاد، ارادہ کے اتحاد، جذبات کے اتحاد کے ساتھ ظاہر کا یہ اتحاد بھی نظر آنے لگتا ہے تو اس اتحاد کی صحیح ترجمانی کے لئے لفظ اتحاد کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری
متنبی کہتا ہے

ما الخل الا من اود بقلبه واری بطرف لا یری بسوائه

فارسی و عربی کے شعراء نے آثار محبت کے ادائیگی کے لئے جس مناسب تعبیر کا انتخاب کیا ہے وہ لفظ اتحاد ہے مگر ان الفاظ سے یہاں کسی کو بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ اس اتحاد کی وجہ سے ان کی حقیقی اثنینیت باقی نہیں رہتی پھر جب مخلوق کے دائرہ میں ان الفاظ سے یہ کھلی ہوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تو خالق و مخلوق کے درمیان کسی تعبیری توسع سے عقیدہ کی غلط فہمی کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ جب ایک بندہ راہ عہدیت پر گامزن ہوتا ہے اور فرائض و نوافل کے سبب عجز و نیاز کے قدم اٹھاتا چلا جاتا ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب اس کے ظاہر و باطن کو سلطان الوہیت نے پورا پورا مسخر کر لیا ہے اگر وہ سنتا ہے تو وہی سنتا ہے جسے خدا نے سننے کا امر کیا ہے اگر دیکھتا اور بولتا ہے تو وہی دیکھتا اور بولتا ہے جس کی اسے اجازت دی گئی ہے اگر وہ اپنا ہاتھ یا قدم اٹھاتا ہے تو وہی اٹھاتا ہے جہاں اس کے مولیٰ نے اس کے لئے اٹھانا پسند کیا ہے اس کے سوا نہ وہ کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ اور کوئی ادنیٰ جنبش کرتا ہے تو اس ربط محبت کے اظہار کے لئے لامحالہ وہی الفاظ اختیار کرنے پڑتے ہیں جو اس موقعہ محل کے لئے مانوس ہیں پھر جس طرح وہاں ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب صرف اس رشتہ محبت کی ترجمانی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ اب یہ بندہ وادی محبت طے کرتا ہوا اپنے مولیٰ کی رضا و تسلیم میں فنا ہو چکا ہے اور ادا امر شریعت کا اس طرح مطیع و منقاد ہو گیا ہے جیسا کہ ایک شائستہ گھوڑا اپنے سوار کے اشارات کا، نہ اس گھوڑے کی حس و حرکت اپنی ہے نہ اس بندہ کی نقل و حرکت اپنی، دیکھنے میں تو یہ خود ٹھہرتا اور حرکت کرتا ہے اور حقیقت میں اس کی حس و حرکت اس کے مالک ہی کی ہے اس کے جوارح اس کے ارادہ کے مظاہر بنے ہوئے ہیں۔ جب مخلوق کی قوت ارادی اس درجہ فنا ہو جاتی ہے کہ اس کی حرکت و سکون دوسرے کے ارادہ کے تابع ہو جائے تو پھر اس کا حکم اسی صاحب ارادہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ کتا جیسا خبیث جانور معلم ہو کر جب اپنی قوت ارادی فناء کر دیتا ہے اور ہمہ تن اپنے مالک کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے تو شریعت نے اس کے جوارح کا اپنا کوئی حکم باقی نہیں رکھا بلکہ جو اس کے مالک کا حکم ہے اس کا بھی وہ حکم رکھ دیا ہے اسی لیے اگر وہ کتا مسلمان کا ہے تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر کافر کا ہے تو اس کا شکار حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درجہ فنایت کے بعد اب یہ شکار کتے کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کے مالک کا ہے اگر وہ مسلمان تھا تو یہ بھی حلال ہے اسی طرح جب بندہ اپنے ارادات کو فنا کر دیتا ہے تو پھر یہ اطلاق درست ہو جاتا ہے کہ اس کے سمع و بصر مشیت ایزدی کا مظہر بن گئے ہیں آپ نے دیکھا کہ فناء ارادہ کے اس مرحلہ پر پہنچ کر کس طرح ایک کتا اپنے مالک کا حکم اختیار کر لیتا ہے مگر جب ایک انسان شریعت کی متابعت کی بجائے اس سے ٹکرانے لگتا ہے تو پھر اس کا حکم جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ایک مشکل لفظ تردد ہے کیونکہ خدا کی بارگاہ میں تردد کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں مگر یہاں ایک عمیق حقیقت ہے جس کے سمجھانے کے لئے اس کے سوا کوئی اور لفظ بھی نہیں اور وہ ایک معاملہ ہے جو انسان کی موت کے سلسلہ میں خالق کی جانب سے پیش آتا ہے ظاہر ہے کہ موت فطرت انسان کے لئے ایک تلخ گھونٹ ہے جو اپنے اختیار سے پسند نہیں کیا جاسکتا رحمت چاہتی

ہے کہ اس کے لئے اسے تیار کر دے اور اتنا تیار کر دے کہ وہ اسے لقاء رب کی شیرینی سمجھ کر بشوق و رغبت خود اپنے کی خواہش کرنے لگے یہ کیونکر ہو اس کے لئے وہ اسباب پیدا کرتی ہے یعنی موت سے قبل مصائب کا ہجوم، تجارت میں نقصان، دوستوں کی بے وفائی، عزیزوں کی بے رخی، اولاد کی سرکشی جیسے صبر آزمائیاں پڑھتے رہتے ہیں اور اس کا دل دنیا سے سرد ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آنے سے پہلے کہ دنیا اس سے جبراً چھڑائی جائے خوشی خوشی از خود ترک کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ عین عیش و راحت اور پورے لذت و اطمینان کی ساعات میں اسے موت آ جاتی مگر رحمت عبد مؤمن کی موت اس طرح نہیں چاہتی کہ فرشتہ اس کو لقاء رب کی دعوت دیتا رہے اور وہ حیوۃ دنیا کو ترجیح دیتا رہے۔ بندہ کی فطری حرص زندگی اور رحمت کے اسباب نفرت کی ان تمہیدوں کا صحیح نقشہ کھینچنے کے لئے تردد کے لفظ سے زیادہ پیارا کوئی اور لفظ نہیں ہے یعنی اگر کوئی دور سے بیٹھ کر بندہ کو موت پر رضا مند کرنے کے لئے ان ترددات کو دیکھے تو یہی سمجھے کہ شاید قدرت کو اس کی موت کے لئے بڑا اہتمام کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ موت پسند نہیں کرتا وہ اسے دلگیر کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے بڑے لطائف الحیل سے گویا اس کو تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ سب صرف مؤمن کی تشریف و تکریم کے لئے، قدرت اگر چاہے تو ت بلا کسی ادنیٰ پس و پیش کے ایک آن میں روح قبض کرے مگر اس صورت میں اس کی قدرت و اختیار کا ہی مظاہرہ ہوگا جو بلاشبہ ہے، مؤمن کی تشریف و تکریم کیا ظاہر ہوگی جو ہر طرح محتاج ہی محتاج ہے اس اعزاز و اکرام کی خاطر یہاں بلا کسی ادنیٰ تردد کے وہ سامان بندھا جاتا ہے جس کو بجز لفظ تردد کسی اور طرح تعبیر نہیں کیا جاسکتا اسی کو شیخ اکبرؒ نے فرمایا تھا کہ جب الفاظ کے دائرے حقائق غیب کی صحیح ترجمانی سے تنگی کرنے لگتے ہیں تو وہ خود تنزل کر کے اپنی بارگاہ کے لئے ان الفاظ و تعبیرات کی اجازت دے دیتے ہیں جن کا استعمال ان کی بارگاہ میں سرتاسر گستاخی تھا۔

اس تمام قیل و قال سے قطع نظر کر کے سمجھو کہ یہاں اصل مقصد یہ بتلانا ہے کہ اسلام کا خدا تمام تر استغناء و جلال کے باوجود اپنی مخلوق سے لا پرواہ نہیں اور اسی لیے اسلام کے خدائی تصور میں مخلوق کیلئے جتنی جاذبیت و کشش ہے اتنی کسی دوسرے مذہب کے خدائی تصور میں نہیں۔ واللہ المثل الاعلیٰ۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَحْكِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ أَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا. فَقَالَ
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنْ لَّهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ
بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَيُّ رَبِّ اَغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَبْدِيْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنْ
لَّهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَيُّ رَبِّ اَغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى
اَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنْ لَّهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِالذَّنْبِ اَعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ ایک بندہ نے گناہ کیا اور کہا اے اللہ! میرا گناہ بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار بھی ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ اس کی کچھ مدت بعد پھر گناہ کرتا اور کہتا ہے کہ اے رب! میرا گناہ بخش دے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ

کرتا ہے۔ پھر کچھ مدت بعد وہ بندہ گناہ کرتا اور کہتا ہے کہ اے رب! میرا گناہ بخش دے حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ کوئی اس کا پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر گرفت کرتا ہے۔

(اگر تیری انابت کا یہی طور ہے) تو اب جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا۔

تشریح۔ یعنی خدا کی رحمت پر اعتماد اور اس کی قدرت پر پورا یقین رکھنے کی دو صفتیں نزول مغفرت کا سب سے بڑا سامان ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیں غالب تماشاے اہل کرم دیکھتے ہیں

حدیث انا عند ظن عبدی بی کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنے بندہ سے معاملہ اس کے اعتماد و وثوق

کے بقدر ہوتا ہے اگر اس کو یہ یقین ہے کہ گناہوں پر گرفت یا چشم پوشی کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے

اس حسن عقیدت کا خلاف کرنا پسند نہیں کرتا اور اس کے لئے مغفرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ ”جو چاہے کرو“ یہ لفظ تہدید و

تخویف، اعزاز و تشریف کے دونوں مقام پر بولا جاتا ہے اور دونوں جگہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ قرینہ مقام کے

مناسب یا صرف تخویف مراد ہوتی ہے یا تشریف۔ قرآن کریم میں اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (فصلت: ۴۰) اور مَنْ شَاءَ

فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکہف: ۲۹) اسی محاورہ پر استعمال ہوا ہے۔ محاورات میں منطق چلانا نہیں چاہیے۔

وَعَنْهُ اَنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَّمْ يَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ لَّا هَلِيْهٖ اِذَا مَاتَ

فَحَرَّقُوْهُ ثُمَّ اَذْرُوْا نِصْفَهٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِی الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ لَيُعَذِّبْنَهٗ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهٗ

اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِیْنَ فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمُ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ وَاَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ

مَا فِیْهِ ثُمَّ قَالَ لِمَا فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشِیَّتِكَ يَا رَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہ کیا تھا اپنے

گھر والوں سے یہ وصیت کی کہ دیکھو جب اس کی وفات ہو جائے تو اسے جلانا پھر اس کی نصف خاک جنگل میں اڑا دینا اور

نصف دریا میں بہا دینا۔ خدا کی قسم! اگر کہیں حق تعالیٰ نے اس کو جمع کر لیا تو ایسا عذاب دے گا کہ تمام جہان میں ایسا عذاب کسی

کو نہ دے گا۔ اس شخص کا انتقال ہو گیا اور گھر والوں نے اس کی وصیت پوری کر دی۔ حق تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا (کہ اس کے

اجزاء پریشان کو جمع کرے) اس نے سب جمع کر دیئے اور (اسی طرح) سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کے جواجزاء اس میں

تھے جمع کر دیئے اس کے بعد فرمایا (بول) تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟ اس نے عرض کیا، اے پروردگار! صرف تیرے خوف و

ڈر سے اور تو خود خوب واقف و دانہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

تشریح۔ یہاں اس گنہگار نے شدت خوف و مایوسی کے عالم میں عذاب الہی سے نجات کا ایک غلط راستہ تجویز کیا تھا اور اس

اضطراب میں جو بے مصداق کلمات ایک جاہل کے منہ سے نکل سکتے ہیں نکال دیئے تھے جب قدرت نے اس پر علمی گرفت نہیں

کی تو آپ بلا وجہ کیوں اس پر گرفت کرتے ہیں ایک جاہل کے الفاظ سے اس کے عقائد کا اندازہ لگانا نہ چاہیے اس کی عبارت

ہمیشہ قاصر، اس کے الفاظ ہمیشہ ناتمام ہوتے ہیں۔ غلط عمل ہمیشہ غلط ہے اور کسی وقت قابل تحسین نہیں مگر نیت اگر اچھی ہو تو

جہالت کی بعض معذوریوں میں رحمت اسے نبھالیتی ہے اس لیے یہاں اس شخص کی مغفرت اس کے عمل کا نتیجہ سمجھنا نہ چاہیے بلکہ یہ کرشمہ رحمت ہے۔ رحمت کے ساتھ جب پوری قدرت، پورا اختیار حاصل ہو تو اس قسم کے کرشموں کا ظہور ضروری ہے۔ احادیث میں لفظ ”لا ابالی“ مجھے پرواہ نہیں اسی انداز استغناء کی طرف اشارہ ہے خدائی قدرت کے ساتھ اگر رحمت کا غلبہ ہو تو بڑے سے بڑا گناہ بے وزن ہو جاتا ہے اور اگر قہمت و عدل کا رجحان ہو تو بڑی سے بڑی عبادت بے وزن ہے۔ ضعیف انسان کی سرتاسر ناقص عبادت کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے اس میں تمام وزن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب شرف قبولیت میسر آ جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ فَيَمَنُ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةَ وَتِسْعِينَ نَفْسًا فَسَأَلَ عَنْ أَهْلِ الْأَرْضِ قَدْ لُغِيَ عَلَى رَأْسِهِ فَأَتَاهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ تِسْعَةَ وَتِسْعِينَ نَفْسًا فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ لَا فَقَتَلَهُ فَكَمَّلَ بِهِ مِائَةً ثُمَّ سَأَلَ عَنْ أَهْلِ الْأَرْضِ قَدْ لُغِيَ عَلَى رَجُلٍ عَالِمٍ فَأَتَاهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ يُحَوِّلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ انْطَلِقْ إِلَى أَرْضٍ كَذَّافًا فَإِنْ بِهَا أَنْاسٌ يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَأَعْبُدِ اللَّهَ مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ إِلَى أَرْضِكَ فَإِنَّهَا أَرْضٌ سُوءٌ فَانْطَلِقْ حَتَّى إِذَا نَصَفَ الطَّرِيقَ أَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَأَتَاهُمُ مَلَكٌ فِي صُورَةِ آدَمِيٍّ فَجَعَلُوهُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ قِيَسُوا مَا بَيْنَ الْأَرْضَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا كَانَ أَذْنَى فَهُوَ لَهُ فَقَاسُوهُ فَوَجَدُوهُ أَذْنَى إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي أَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ. (روى هذه الثلاثة الشيخان)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا اس نے ننانوے قتل کیے اور اپنے شہر کے سب سے بڑے عالم کو دریافت کیا تو اس کو ایک درویش کا پتہ بتایا گیا وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں، کیا اب بھی اس کے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس نے جواب دیا ”نہیں“ اس نے اسے بھی قتل کر ڈالا اور پورے سو کر دیئے، پھر کسی بڑے عالم کو دریافت کیا تو کسی اور عالم کا پتہ بتایا گیا وہ اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اس نے کہا اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان بھلا کون حائل ہو سکتا ہے، فلاں فلاں بستی میں چلا جا، جہاں خدائے تعالیٰ کے عبادت گزار بندے رہتے ہیں تو بھی جا کر ان کے ساتھ عبادت کر اور اپنے وطن کی طرف واپس مت لوٹ کہ وہ معصیت کی زمین ہے وہ چلا، جب نصف راستہ پر پہنچا تو اس کی موت آ گئی، یہاں عذاب و رحمت کے فرشتوں میں حجت ہونے لگی رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کر کے خدا کی طرف دلی توجہ سے آ رہا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے اپنی گزشتہ زندگی میں کبھی کوئی نیک کام کیا ہی نہ تھا۔ اسی درمیان میں ان کے پاس انسانی صورت میں ایک فرشتہ آیا انہوں نے اس کو اپنا بیچ بنالیا اس نے کہا اچھا دونوں زمینوں کا فاصلہ ناچوس طرف وہ زیادہ قریب نکلے ادھر ہی کا سمجھا جائے ناپا تو وہ ادھر زیادہ قریب نکلا جدھر اس نے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لئے رحمت کے فرشتوں نے اسے قبض لیا۔ (شیخین)

تشریح۔ ایک بے گناہ قتل پر دائمی عذاب آئین عدل ہے اور سو بے گناہ قتل پر اغماض آئین فضل یہ قادر مختار کی مرضی اور

وقت کی بات ہے کہ جس آئین پر چاہے عمل کر لے۔ اس حدیث کے ایک طریق میں تھوڑا سا جزء اور مذکور ہے اور وہ یہ کہ جب فرشتوں نے زمین کی پیمائش شروع کر دی تو اس کو حکم ہوا کہ جس طرف اس قاتل کا رخ تھا اس طرف ذرا قریب ہو جائے اور جس طرف اس کی پشت تھی اس طرف ذرا بعید ہو جائے۔ جب انہوں نے پیمائش کی تو جس جانب اس کا رخ تھا ایک بالشت زمین بڑھی ہوئی نکلی۔ گویا قدرت نے ان دو متضاد آئین میں یہاں خود توفیق کی یہ صورت تجویز کر لی کہ اس کا فضل صورت عدل میں نمودار ہو۔ اس لیے زمین کی ناپ تول تو اس لیے رہی کہ عدل کی صورت محفوظ رکھی جائے۔ صرف ایک بالشت بھر زمین کی زیادتی پر غلبہ رحمت اس لیے ہوا کہ آئین فضل کا مظاہرہ ہو جائے۔ ہمارے اس بیان سے صرف ایک بالشت بڑھنے کا نکتہ بھی حل ہو گیا ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ عدل و فضل کی باگ صرف اختیار قدرت میں ہے اس لیے صفت عدل پر نظر کر کے مایوسی یا اس کے فضل پر بھروسہ کر کے بے خوفی دونوں راہیں صواب نہیں۔ یدعون ربہم خوفا وطمعاً۔ اپنے رب کو اس طرح پکارنا چاہیے کہ اس کے قہر کا خوف اور اس کے مہر کی طمع ہر وقت لگی رہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حَدِيثًا أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِ مَرَّاتٍ سَمِعْتُهُ يَقُولُ كَانَ الْكَفْلُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ فَاتَتْهُ امْرَأَةٌ فَأَعْطَاهَا سِتْنَيْنِ دِينَارًا عَلَى أَنْ يَطَّأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنْ امْرَأَتِهِ أَرْعَدَتْ وَبَكَتْ فَقَالَ مَا يُبْكِيكِ أَأَكْرَهْتُكَ؟ قَالَتْ لَا وَلَكِنَّهُ عَمِلَ مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ وَمَا حَمَلَنِي عَلَيْهِ إِلَّا الْحَاجَةُ فَقَالَ تَفْعَلِينَ أَنْتِ هَذَا وَمَا فَعَلْتِهِ إِذْ هَبِي فَهِيَ لَكَ وَقَالَ لَا وَاللَّهِ لَا أَعْصِي اللَّهَ بَعْدَهَا أَبَدًا فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَأَصْبَحَ مَكْتُوبًا عَلَى بَابِهِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكَفْلِ. (رواه الترمذی)

ابن عمرؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث سات مرتبہ سے زیادہ فرماتے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ کفل بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا (یہ وہ رسول نہیں ہے جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے) کسی گناہ سے پرہیز نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی، اس نے ساٹھ دینار اس شرط پر اس کو دیئے کہ اس سے زنا کرے، جب وہ اس جگہ بیٹھ گیا جہاں مرد اس خیال سے عورت کے سامنے بیٹھا کرتا ہے تو وہ کانپ اٹھی اور رو پڑی، اس نے پوچھا کیوں روتی ہے؟ کیا میں نے تجھے کچھ مجبور کیا ہے؟ وہ بولی نہیں لیکن یہ کام کبھی میں نے اپنی عمر بھر نہیں کیا تھا مگر اب صرف اپنی حاجت روائی کی مجبوری سے کرنا پڑتا ہے اس نے کہا اچھا کبھی تو نے یہ کام نہیں کیا؟ اور اب مجبوراً کرتی ہے، جا یہ دینار میں نے تجھے یونہی بخشے اور قسم کھائی کہ آج کے بعد میں کبھی خدائے تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا (اتفاق) کہ اسی شب میں اس کا انتقال ہو گیا صبح کو اس کے دروازہ پر یہ نوشتہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔ (ترمذی)

تشریح۔ بعض عمل اپنے عزم و خلوص کی وجہ سے مقبولیت کا وہ رتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا تنہا وجود مغفرت کا سامان بن جاتا ہے۔ یہ صرف انسانی عمل کا کمال نہیں بلکہ رحمت کی قدر دانی کی بات ہے یہ کفل کتنا ہی بدکار سہی مگر اس موقع پر خدائی خوف کا جو نقشہ اس نے پیش کیا شاید ہی کوئی عمر بھر کا نیک مشکل سے پیش کر سکتا ہے اس کا ایسے گناہ سے اس طرح اٹھ کھڑا ہونا جہاں انسان کی کمزور فطرت لغزش کھائے بغیر نہیں رہ سکتی پھر آئندہ کے لئے خدا کی نافرمانی سے احتراز کا عزم کر لینا ایسی پسندیدہ ادا تھی

کہ اس ایک تہ ادا پر رحمت نے اس کی ساری عمر کی سیہ کاریوں سے چشم پوشی کر لی اور بنی اسرائیل کی سنت کے مطابق اس کی مغفرت کا لکھا ہوا اعلان لوگوں نے دیکھ لیا۔ بنی اسماعیل میں یہ سنت منسوخ ہو گئی۔ اس امت میں گناہ کو پردہ پوش کر لیا جاتا ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللَّهِ فَلَا يَزَالُ بِذَلِكَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَجِبْرِيلَ إِنَّ فُلَانًا عَبْدِي يَلْتَمِسُ أَنْ يُرَضِّيَنِي أَلَا وَإِنْ رَحِمْتِي عَلَيْهِ فَيَقُولُ جِبْرِيلُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى فُلَانٍ وَيَقُولُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَيَقُولُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتَّى يَقُولُهَا أَهْلُ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهُ إِلَى الْأَرْضِ. (رواه احمد)

ثوبانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش رکھتا ہے اور اس تلاش میں لگا ہی رہتا ہے تو اللہ عز و جل جبریل علیہ السلام سے فرماتے ہیں فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنے کی تلاش میں ہے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری رحمت اس کے لئے ہو چکی، یہ سن کر جبریل علیہ السلام آواز لگاتے ہیں کہ فلاں شخص پر خدا کی رحمت ہے اس کے بعد حاملین عرش یہی نداء دیتے ہیں پھر آس پاس کے فرشتے یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمان والے یہی کہتے ہیں اس کے بعد اس کے لئے اہل زمین (کے قلوب) میں رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ (امام احمد)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مقبولیت و نفرت اسباب کا ثمرہ نہیں خالق کی قبولیت و نفرت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم نے یہ اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (مریم: ۹۶)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لئے رحمن ضرور محبت پیدا کرے گا۔“

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ يَعْْنَى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَفِي يَدِهِ شَيْءٌ قَدِ انْتَفَى عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيهَا أَصْوَاتَ فِرَاحٍ طَائِرٍ فَأَخَذْتُهِنَّ فَوَضَعْتُهِنَّ فِي كِسَائِي فَجَاءَتْ أُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلَيَّ رَأْسِي فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ فَلَفَفْتُهِنَّ بِكِسَائِي فَهُنَّ أَوْلَاءٌ مَعِيَ قَالَ ضَعْنَهُنَّ فَوَضَعْتُهِنَّ وَأَبَتْ أُمُّهُنَّ إِلَّا لَزُوهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّعَجِبُونَ لِرُحْمِ أُمِّ الْأَفْرَاحِ فَوَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ اللَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ أُمِّ الْأَفْرَاحِ بِفِرَاحِهَا إِرْجِعْ بِهِنَّ حَتَّى تَضَعَهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُنَّ وَأُمُّهُنَّ مَعَهُنَّ فَرَجَعَ بِهِنَّ. (رواه ابو داؤد)

عامر رام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم آپؐ کی خدمت میں (راوی تفسیر کرتا ہے) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اس پر ایک کملی تھی اور اسکے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو اس میں لپیٹ رکھی تھی اس نے کہا یا رسول اللہ! میں جھاڑیوں میں گذراتا تو مجھے پرندوں کے بچوں کے بولنے کی آواز آئی میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی کملی میں رکھ لیا، ان کی ماں آئی اور میرے سر پر گھومنے لگی میں نے کملی بچوں کے اوپر سے ہٹا دی وہ بچوں پر آ پڑی میں نے سب کو لپیٹ لیا اور وہ سب میرے ساتھ یہ موجود ہیں، آپؐ نے فرمایا: ان کو نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، ان کی ماں ان سے پھر جدا نہ ہوئی، آپؐ نے فرمایا: کیا

تم اس ماں پر اپنے بچوں کی اس محبت سے تعجب کر رہے ہو، اس ذات کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے جتنی اس کو اپنے بچوں سے محبت ہے، خدائے عزوجل کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ جاؤ اور جہاں سے تم نے ان بچوں کو پکڑا ہے وہیں رکھ آؤ اور ان کی ماں کو بھی ان کے ساتھ لے جاؤ وہ شخص ان سب کو لے کر واپس چلا گیا۔ (اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا انداز تعلیم ہے کہ بچوں کے کھیل تماشہ میں یہاں ذات و صفات کے عمیق مسائل ایسے پر تاثیر طریقہ پر ذہن نشین کر دیئے جاتے ہیں کہ پھر وہ فطرت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور کسی غور و خوض تکلف و تصنع کے محتاج نہیں رہتے جس طرح ماں کی محبت ایک بدیہی اور یقینی حقیقت ہے وہ خدا کی محبت کا ایسا ہی یقین پیدا کر دیتے ہیں اور اسی لیے ایمانی عقائد میں وہ کیف و سرور اور لذت و مسرت محسوس ہونے لگتا ہے جو فطری احساسات میں ہوا کرتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنْ الْقَوْمُ قَالُوا نَحْنُ الْمُسْلِمُونَ وَامْرَأَةٌ تَحْضِبُ بِقَدْرِهَا وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا فَإِذَا أُرْتَفِعَ وَهَجٌ تَنَحَّيْتُ بِهِ فَاتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ يَا أَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَلَيْسَ اللَّهُ أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ قَالَ بَلَى قَالَتْ أَلَيْسَ اللَّهُ أَرْحَمَ بِعِبَادِهِ مِنَ الْأُمِّ بَوْلِيدِهَا قَالَ بَلَى قَالَتْ إِنَّ الْأُمَّ لَا تُلْقِي وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَكَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَيْهَا فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِي يَتَمَرَّدُ عَلَى اللَّهِ وَآبِي أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه ابن ماجه)

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کون لوگ ہو؟ وہ بولے مسلمان، ان میں ایک عورت اپنی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جب آگ کی لپٹ اٹھتی اپنے بچہ کو ایک طرف ہٹا لیتی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی ”رسول اللہ آپ ہی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ”میں ہی ہوں“ وہ بولی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا خدا ارحم الراحمین نہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک ہے۔ اس نے کہا کیا خدا اپنے بندوں پر زیادہ مہربان نہیں بہ نسبت ایک ماں باپ کے اپنے بچوں پر؟ فرمایا بے شک ہے، اس نے کہا ایک ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا سر مبارک جھکا لیا اور رو پڑے پھر سر اٹھایا اور فرمایا خدا اپنے بندوں میں کسی کو عذاب نہیں دے گا مگر صرف اس سرکش کو جس کی سرکشی خدا کے ساتھ بھی قائم ہے جو لا الہ الا اللہ کہنے کو تیار نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔ اس عورت کے سوال پر خدا کی بے نہایت رحمت کا نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا اور آپ پر گریہ رحمت طاری ہو گیا۔ اس تاثر اور بے خودی کے عالم میں اس کو آپ نے اتنا ہی مختصر جواب دے دیا کہ خدا کی رحمت نے تو کسی کو اپنے دامن سے باہر نہیں رکھا مگر کیا کیا جائے کہ اس کی بعض سرکش مخلوق نے خود ہی اس کے دامن میں آنے سے انکار کر دیا۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا أَحَبُّ أَنْ لِي الدُّنْيَا بِهَذِهِ

الْآيَةِ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا. الْآيَةُ (الزمر: ۵۸)

فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ أَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أَلَا وَمَنْ أَشْرَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (رواه احمد)

ثوبان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے اگر اس آیت کے بدلہ میں مجھے تمام دنیا مل جائے تو بھی مجھے پسند نہیں یا عبادی الخ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے امید نہ توڑو، الخ۔ ایک شخص نے عرض کیا اچھا کیا وہ شخص بھی جس نے کہ شرک کیا ہے؟ آپ خاموش رہے پھر فرمایا سن لے جس نے شرک کیا ہے وہ بھی تین بار فرمایا۔ (امام احمد)

تشریح۔ بغوی معالم السنن میں ابن عباسؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی قاتل حمزہؓ کو جب دعوت اسلام دی تو اس نے کہلا بھیجا کہ میں نے تو قتل، زنا، شرک سب کچھ کیا ہے اور قرآن یہ کہتا ہے۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الفرقان: ۶۸، ۶۹) (جس نے یہ گناہ کیے انہیں اس کا صدمہ مل کر رہے گا اور اس کو دو گنا عذاب ہوگا) پھر میں اسلام میں داخل ہو کر کیا کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ قرآن میں یہ استثناء بھی تو ہے إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (الفرقان: ۷۰) (مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے) اس نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کٹھن شرط ہے شاید ایمان اور عمل صالح کے معیار پر میں پورا نہ اتر سکوں اگر قرآن میں کوئی اور آیت ہو تو ارشاد فرمائیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا ذُوْن ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸) (اللہ یہ تو معاف نہیں کرے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا) وحشی نے کہا کہ اب بھی معاملہ صاف نہیں ہوا مجھے معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت ایزدی کیا ہے کوئی اطمینان بخش ضمانت دیجئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی قُلْ يَا عِبَادِيَ..... الْخ (الزمر: ۵۸) وحشی نے کہا جی ہاں بے شک یہ نجات کی صاف ضمانت ہے اور اسلام قبول کر لیا۔ حاضرین نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ بشارت ان کے لئے مخصوص ہے یا سب کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا سب کے لئے۔

خدا کی یہ شان مغفرت سن کر کسی نے مشرک کی مغفرت کا سوال کیا آپ نے یہی جواب دیا کہ مشرک کے لئے بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں وہ بھی توبہ کرے اور اس عام رحمت میں آجائے۔ بعض شارحین کو توبہ سے شرک کی مغفرت بدیہی بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس سوال و جواب میں اور بہت سی توجیہات کی ہیں ہمارے نزدیک جس دور میں زنا و سرقہ جیسے معاصی کی معافی کا تصور مشکل ہو، اس میں شرک کی مغفرت کا تصور مشکل نظر آئے تو کیا بعید ہے۔ یہ ہدایت اسلامی دور کی بات ہے نہ کہ عہد جاہلیت کی۔ ابوذر کی حدیث میں ابھی آنے والا ہے کہ زنا و سرقہ کی مغفرت پر انہیں کتنا تعجب تھا۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى

أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (الزمر: ۵۸) وَلَا يَأْتِي. (رواه احمد و الترمذی)

اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا ہے یا عبادی الخ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے امید نہ توڑو، خدا کی یہ شان ہے کہ وہ سب گناہ بخش سکتا ہے اور کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ (احمد ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَوةٍ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقَالَ
أَعْرَابِي وَهُوَ فِي الصَّلَوةِ اَللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمَحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ لَقَدْ تَحَجَّرْتُ وَاسْعَا. (رواه البخاری وغیرہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو ایک دہقانی نے نماز میں ہی کہا اے اللہ! صرف میرے اوپر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم کر، ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم مت کر۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو اس دہقانی سے فرمایا تو نے تو بڑی وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ (بخاری)

اس ان پڑھ نو مسلم کی سمجھ میں بھلا خدا کی رحمت کی وسعت کا تصور کہاں آ سکتا تھا یہی اس کے بڑے خلوص کی بات تھی کہ اس نے اس نعمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت گوارا کر لی مگر اس سے زیادہ شرکت وہ برداشت نہ کر سکا کہ اس بیچارہ کے خیال کے موافق شرکاء کی تعداد جتنی بڑھتی جائے گی اس کا حصہ اتنا ہی گھٹتا جائے گا۔ آپ نے فرمایا گھبرا مت رحمت تو اتنی ہے کہ سب پر چھا جائے پھر تنگ نہ ہو، تو ہی اسے تنگ سمجھ رہا ہے۔ ان الفاظ میں قرآنی لفظ رحمتی وسعت کی طرف اشارہ تھا سبحان اللہ جواب میں کتنی سادگی اور سادگی میں کتنی حقیقت ہے۔

بندوں پر خدائے تعالیٰ کا کیا حق ہے

عَنْ مَعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رِذْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عَفِيرٌ فَقَالَ يَا مَعَاذُ
تَذَرِي مَا حَقَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى
الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَلَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ
بِهِ شَيْئًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّبُوا. (رواهما الشيخان والترمذی)

معاذ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار تھے جس کو عفیر کہا جاتا تھا میں آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے آواز دی اے معاذ! (بعض روایات میں تین بار آواز دینے کا ذکر ہے تاکہ یہ خوب متوجہ ہو جائیں) جانتے ہو بندوں پر خدا کا اور خدا پر بندوں کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت ہو تو یہ خوشخبری اور لوگوں کو بھی سنا دوں؟ فرمایا نہیں کہیں وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں۔ (شیخین ترمذی)

تشریح۔ عفیر۔ مسند احمد میں اس کا نام یعفور ہے۔ عرب میں حیوانات کے نام رکھنے کا بھی دستور تھا جیسا کہ انگریز بھی کتوں کے نام رکھتے ہیں۔ مالک پر مملوک کا آقا پر غلام کا بھلا کیا حق مگر صفت رحمت وجود چاہتی ہے کہ محتاجوں کی خود قرض دار بن جائے اور پھر اس حق کو اس اہتمام سے ادا کرے گویا اس کے ذمہ یہ واقعی واجب حق تھا کمال قدرت کے ساتھ اگر کمال وجود بھی ہو تو اس کا اقتضاء یہ ہونا چاہئے ورنہ اللہ کی ذات پاک پر کسی کا حق نہیں اسی کا حق سب پر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَاهُ رَيْرَةُ هَلْ تَذَرِي مَا حَقَّ النَّاسِ

عَلَى اللَّهِ وَمَا حَقَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ أَنْ يُعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَحَقَّ عَلَيْهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ. (رواه احمد)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہؓ جانتے ہو لوگوں کا خدا پر اور خدا کا لوگوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا خدا کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور جب وہ ایسا کریں تو اس پر یہ حق ہے کہ پھر ان کو عذاب نہ دے۔ (احمد)

تشریح۔ عام طور پر اس بشارت کو سنانے کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کو صحابہؓ کے متعلق فرائض چھوڑ بیٹھنے کا کوئی احتمال ہو سکتا تھا۔ فرض و واجب جن کا شریعت مطالبہ رکھتی ہے بھلا کون ترک کرتا۔ بلکہ یہاں صرف وہ اعمال مراد ہیں جہاں بندہ رغبت میں سرگرمی اور اطمینان کے حال میں سر دمہری دکھلانے کا خود مختار ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسا کمزور اور بے صبر ہے کہ خوف زیادہ ہو جب عمل سے معطل ہو جاتا ہے اور اگر اطمینان زیادہ ہو تو بھی سست رفتار بن جاتا ہے۔ رحمت چاہتی ہے کہ ہر حال دے اور اتنا دے جتنا کوئی حریص سے حریص لے سکتا ہے دوزخ سے نجات کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے لئے بڑی کامیابی ہے مگر رحمت صرف اس پر راضی نہیں وہ چاہتی ہے کہ اپنے وفاداروں کو اپنے اور خزانے لوٹنے کا موقع دے اس لیے مقصود یہ ہے کہ عملی سرگرمی زیادہ سے زیادہ جاری رہے۔ پیچھے حدیث رام رضی اللہ عنہ پر غور کیجئے اس میں کلمہ شہادت کے ساتھ نماز، روزہ کا بھی ذکر ہے اور وہاں بھی بشارت پر یہی سوال و جواب مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں نماز، روزہ جیسے فرائض میں سستی کا ذکر نہیں بلکہ ان عبادات نافلہ کا ذکر ہے جس میں نفسیاتی تاثرات سے انسان سستی یا چستی دکھلانے کا مختار ہے کوئی شبہ نہیں کہ اگر صدر اول کے نو مسلموں کو صرف فرائض پر جنت کی بشارت سنائی جاتی تو ان میں نوافل کی ادائیگی کا جذبہ سست پڑ جانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس حدیث سے اگلی حدیث میں اس کی صاف تصریح ہے کہ جنت میں ایک سے ایک بڑھ کر طبقہ ہے، رحمت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ سب کو اس کی ترغیب دے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعی کر کے جنت کا بلند سے بلند مقام حاصل کرے اور صرف نجات پر قناعت کر کے مقامات عالیہ سے محروم نہ رہے۔ شارحین نے یہاں اور بہت توجیہات کی ہیں مگر ہمارے نزدیک احادیث کی روشنی میں حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب) مرحوم کی صرف یہی ایک توجیہ دل پذیر ہے۔

عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْبَيْضَاءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا رَدِيفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سُهَيْلُ بْنُ الْبَيْضَاءِ وَرَفَعَ صَوْتَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يُجِيبُهُ سُهَيْلٌ فَسَمِعَ صَوْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَنُّوا أَنَّهُ يُرِيدُهُمْ فَحَبَسَ مَنْ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِحَقَّهُ مَنْ كَانَ خَلْفَهُ حَتَّى إِذَا اجْتَمَعُوا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ وَأَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ (وَفِي رِوَايَةٍ)

أَوْجَبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بِهَا الْجَنَّةَ وَأَعْتَقَهُ بِهَا مِنَ النَّارِ. (رواه احمد والطبرانی)

سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور میں

آپ کا ردیف تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوبار یا تین بار بلند آواز سے پکارا اے سہیل بن بیضاء! یہ ہر مرتبہ جواب دیتے رہے (مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ نہ فرماتے تاکہ وہ خوب متوجہ ہو جائیں اور اس تاخیر میں دوسروں کو بھی سننے کا موقع مل جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی سن پائی اور خیال کیا کہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں اس لیے جو لوگ وہاں موجود تھے وہ ٹھہر گئے اور جو پیچھے تھے وہ آ ملے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا جو گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ، وہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا اور اسے یقیناً جنت دے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شہادت کی وجہ سے یقیناً اس کو جنت دے گا اور دوزخ سے نجات بخشے گا۔ (احمد، طبرانی)

تشریح۔ کفار دوزخ کی حلال خوراک ہیں وہ اسی طرح انہیں کھائے گی جیسا حلال کھانا بے کھٹکے کھایا جاتا ہے مگر مؤمن اس پر حرام کیا گیا ہے اس لیے مؤمن سے اس طرح اجتناب کرے گی جیسا حرام سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہمارے بیان سے اب اس تعبیر کا حسن آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہاں دوزخ مؤمن پر حرام کر دی جائے گی کے بجائے دوزخ پر مؤمن کے حرام ہونے کی تعبیر کیوں اختیار کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ نَفَرٌ مِنْ قَوْمِي فَقَالَ ابْشُرُوا وَبَشُرُوا مَنْ وَرَاءَكُمْ أَنَّهُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ صَادِقًا بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُبَشِّرُ النَّاسَ فَاسْتَقْبَلَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) فَرَجَعَ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا يَتَكَلَّمُ النَّاسُ فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواه احمد والطبرانی)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو اور جو لوگ تمہارے اس طرف ہیں ان کو بھی یہ خوشخبری سنا دو کہ جو شخص صدق دل سے گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ، وہ جنت میں جائے گا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سے یہ خوشخبری سنانے کے لئے نکلے تو سامنے سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ رہے تھے وہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر واپس لے گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگ تو اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ نہ فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُونَ قَالَ إِذَا يَتَكَلَّمُوا وَأَخْبَرَبَهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِمًا (رواه الشيخان والترمذی)

معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص صدق دل سے گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں وہ یقیناً اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ انہوں نے عرض کیا، کیا یہ خوشخبری میں اور لوگوں کو بھی سنا دوں؟ فرمایا پھر لوگ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اس لئے معاذ نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان

کی، مبادا اخفاء حدیث کا گناہ ان کے سر رہ جائے۔ (شیخین ترمذی)

تشریح۔ اس حدیث سے اندازہ کرو کہ صحابہ کو احادیث کی تبلیغ کی کس درجہ اہمیت تھی یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مشہور سے مشہور حدیث بھی اپنے سینہ میں لے جانا کتمان علم کے برابر سمجھتے تھے۔ اگر احادیث کی حیثیت تشریحی نہ ہوتی یا کتاب اللہ کے بعد یہ تشریحات غیر ضروری ہوتیں تو یہ اہتمام کس لیے تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى﴾ (البقرہ: ۱۵۹) (میں) جس طرح کہ آیات قرآنیہ داخل تھیں اسی طرح احادیث نبویہ بھی داخل تھیں اور امت کا فریضہ یہ تھا کہ دین اپنی مجموعی تشریحات کے ساتھ ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک دور سے دوسرے دور تک پہنچایا جائے جو لوگ احادیث سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں وہ احادیث سے نہیں خدا کے رسول سے بے نیازی چاہتے ہیں نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَنَا مِمَّنْ شَهِدَ مُعَاذًا حِينَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ يَقُولُ اكْشِفُوا عَنِّي سَجْفَ الْقُبَّةِ أَحَدُكُمْ حَدِيثًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَحَدٌ نَكْمُرُهُ إِلَّا أَنْ تَتَكَلَّمُوا سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ يَقِينًا مِنْ قَلْبِهِ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ وَقَالَ مَرَّةً دَخَلَ الْجَنَّةَ وَلَمْ تَمْسُهُ النَّارُ (رواه احمد)

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں معاؤ کی وفات کے وقت موجود تھا انہوں نے فرمایا میرے سامنے سے ذرا قبہ کا پردہ ہٹا دو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناؤں گا جواب تک صرف اس لیے نہیں سنائی تھی کہ تم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ جاؤ، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو صاف دل سے (یاد لی یقین کے ساتھ راوی کو لفظ میں تردد ہے) گواہی دے کر خدا کوئی نہیں مگر اللہ، وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا اور ایک مرتبہ یہ لفظ فرمائے کہ جنت میں جائے گا اور آگ اسے چھو بھی نہ سکے گی۔ (احمد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَيُصَلِّيَ الْخُمْسَ وَيَصُومُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَهُ قُلْتُ أَفَلَا أُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ دَعَهُمْ يَعْمَلُوا (رواه احمد)

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو خدا سے ملے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہو، پانچوں نمازیں پڑھی ہوں، رمضان کے روزہ رکھے ہوں وہ بخش دیا جائے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت ہو تو یہ خوشخبری مسلمانوں کو سنادوں؟ فرمایا انہیں عمل میں لگا رہنے دو۔ (احمد از مشکوٰۃ)

تشریح۔ یہ حدیث صرف سابق واقعہ کی مزید تشریح کے لئے نقل کی گئی ہے۔

عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ لَا أَذْرِي أَذْكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ أَنْ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَكَتَ بِأَرْضِهِ الَّتِي وَلَدَ بِهَا قَالَ مُعَاذٌ إِلَّا أَخْبِرُ بِهَا النَّاسَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعِ النَّاسَ يَعْمَلُونَ فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا وَفَوْقَ ذَلِكَ

عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهَا تَفْجَرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفَرُقُوسَ. (رواه الترمذی)

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو رمضان کے روزے رکھے، نماز پڑھے، بیت اللہ کا حج کرے، مجھے یاد نہیں کہ آپ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں تو خدا پر حق ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے خواہ اس نے خدا کے لئے ہجرت کی ہو یا اسی جگہ پر رہا ہو جہاں اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کیا لوگوں کو بھی اس کی اطلاع نہ کر دوں؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا انہیں عمل کرنے دو کیونکہ جنت کے سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین میں اور فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر طبقہ ہے اس پر رحمن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو۔ (ترمذی)

تشریح۔ بعض مصنفین نے یہ سمجھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر یہ خوشخبری سننے کی ممانعت اس بناء پر فرمائی تھی کہ اسلام کے تازہ حلقہ بگوش صرف شہادتین پر فوز و فلاح کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں مگر سوال یہ ہے کہ جب ایک بار نماز، روزہ کی فرضیت ان کے سامنے واضح کی جا چکی تھی تو پھر اس غلط فہمی کا موقعہ کیا تھا کیا یہ حدیث نماز، روزہ کی فرضیت کو منسوخ کر رہی تھی۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب) قدس سرہ نے ترمذی کی اس حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہؓ کے متعلق یہاں اس غلط فہمی کا کوئی احتمال نہ تھا چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ جب اسی روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو اس میں شہادتین کے ساتھ بقیہ اور فرائض اسلام کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تفصیلی روایت میں آپ کی بشارت جملہ فرائض اسلام کی ادائیگی سے وابستہ ہے تو پھر ان کے ترک کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔ ترمذی کی اس روایت نے یہ بات بالکل صاف کر دی ہے کہ آپ کا روئے سخن ہرگز فرائض کی جانب نہیں بلکہ ان اعمال کی جانب ہے جن سے نجات کے سوا جنت کے مراتب کا تعلق ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جنت کے سو درجہ ہیں، نجات تو ہر درجہ میں حاصل ہے مگر آپ کی تمنا یہ ہے کہ امت نجات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل کرے ابتداء میں عبادت نفع و ضرر کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے نجات کی بشارت سن کر شب و روز کی اعلیٰ جدوجہد میں سستی پیدا ہو سکتی ہے لیکن جب نفع و نقصان کا سوال پیش نظر نہیں رہتا اور قرب و رضاء کا بلند مقصد سامنے آ جاتا ہے تو پھر انسان اتنا حریص بن جاتا ہے کہ نجات جیسی اہم کامیابی پر بھی قناعت نہیں کرتا اور قرب کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل طے کرنے کے بعد تشنہ اور پیاسا ہی رہتا ہے جس کے سامنے مقصد یہ ہے اس کے لیے تو نجات کی بشارت سے کیا خطرہ لیکن جواب بھی تک صرف نجات کو آخری منزل سمجھ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی پر نجات کی بشارت سن کر یہیں تھک کر بیٹھ رہے اور نوافل کی سرگرمی چھوڑ دے۔ رسول خدا چاہتے ہیں کہ یہ شخص بھی سرگرم عمل رہے تاکہ آپ کی امت کا مبتدی اور منتہی سب نجات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب میں کامیاب رہیں۔ اس حدیث کو بغور پڑھئے تو بے تکلف یہی مضمون آپ کے ذہن میں آ جائے گا۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت کی چھت کیا ہے اس کے سب سے اونچے درجہ کا نام کیا ہے اور جنت کی نہروں کا اصل منبع کہاں ہے۔ عالم غیب کی کچھ باتیں ہمیں بتلا دی گئی ہیں تاکہ ایمان لانے کے لئے ان کا تھوڑا سا تصور بھی ہو جائے

ورنہ جو عالم کہ مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اس کی تفصیل میں جانا بلاوجہ دماغ کے لئے ایک پریشانی کا موجب ہے انگلستان کی پوری حقیقت انگلستان دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے اگر اس کے چمن، روشنیاں اور سڑکوں کا جدید ڈیزائن تفصیلی طور پر بیان کی جائے تو جو اس طور و انداز سے بالکل نا آشنا ہیں ان کے لئے بلاوجہ یہ ایک ناقابل برداشت بار ہوگا وہ اپنے ملک کے انداز کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور جب اس سے ہٹ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے گی تو ان کا دماغ الجھے گا۔ شریعت اس بے معنی الجھاؤ میں دماغوں کو مبتلا کرنا چاہتی نہیں جو چیز کل مشاہدہ کے بعد بہت آسانی سے بغیر الجھاؤ نظر آنے والی ہے اس کو قبل از وقت کیوں زیر بحث لایا جائے۔ آج عمل کی تفصیل درکار ہے اور کل جزاء کی تفصیل خود بخود سامنے آجانی ہے۔ حکیم وہی ہے جو تفصیل کے موقعہ پر تفصیل اور اجمال کے محل میں اجمال کی رعایت کرے۔ جدید دماغوں کا قبل از وقت آخرت کے تفصیلی نقشوں کا ہم سے مطالبہ کرنا نا انصافی اور جلد بازی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تجلیات

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت کے دواہم طریقے یہ ہیں:

(۱) رسولوں کے ذریعہ (۲) تجلیات کے ذریعہ

تجلی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کسی شے کو اپنی ذات کا عنوان اور اپنی معرفت کا اور اپنے احکام دینے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت اس شے کی اپنی مستقل حیثیت ختم ہو جاتی ہے یعنی بالکل نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ اس لیے جب اس حالت میں اس شے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اس سے خود وہ شے مقصود نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شے خود خدا بن جاتی ہے یا خدا اس میں حلول کر جاتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھو

فرض کرو کہ بڑے جاہ و جلال والا ایک بادشاہ جس تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے ایک پبلک مقام میں ایک بڑا ٹیلی ویژن نصب کر دیا اور اعلان کر دیا کہ میری رعایا فلاں وقت اس ٹیلی ویژن کے گرد جمع ہو جایا کرے اور اس وقت ٹیلی ویژن پر ان کو جو حکم دیا جائے اس پر عمل کو واجب سمجھیں اور جس بات سے روکا جائے اس سے رُک جائیں۔ اس اعلان کے بعد بادشاہ اپنی منظمہ کے افراد کو کہتا ہے کہ وہ اس مقام پر بادب حاضر ہوں اور ٹیلی ویژن پر وہ ان کو جو احکام دے وہ ان کو بجالائیں۔ پھر وقت مقرر رہ پر بادشاہ اپنا شاہی تاج پہن کر تخت پر بیٹھتا ہے اور براہ راست ٹیلی ویژن چلا دیا جاتا ہے۔ اب سکرین پر بادشاہ کی تصویر اور عکس آتا ہے۔ بادشاہ کسی کو قریب کرنے اور کسی کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے کسی کو انعام دینے اور کسی کو سزا دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس مثال سے سمجھو کہ ٹی وی سکرین پر جو صورت نظر آتی ہے یہی اس بادشاہ کی تجلی ہے۔ مادی اعتبار سے بادشاہ اور ہے اور اس کا عکس اور ہے لیکن ظاہری صورت کے اعتبار سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ ہی نے ان کو حکم دیا ہے اور سکرین پر عکس و تصویر ہونے کی مستقل حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ بعینہ بادشاہ ہی کی طرف سے ہے۔

تنبیہ: جب تجلی سے مقصود تجلی کرنے والی ذات ہوتی ہے اور اسی کی طرف مکمل توجہ مطلوب ہوتی ہے اور تجلی والی شے کی اپنی ذاتی حیثیت معدوم ہو جاتی ہے تو ذات تجلی کے ذریعہ جن باتوں کا اظہار چاہتی ہے اور ان کو نمایاں کرنے کا ارادہ کرتی ہے ان کی نسبت ذات ہی کی طرف کرنا مناسب ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی عرش پر قائم ہوئی تو یہی کہنا حقیقت اور مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو اس طرف گئے۔ سمجھے کہ آگ ہے تا پنے کے لیے کچھ لے آئیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی تھی۔ نہ وہ خود خدا تھی اور نہ خدا نے اس میں حلول کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لیے عنوان اور اپنی معرفت کا ذریعہ بنالیا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ آگ کے مادے کی طرف نہ رہی بلکہ ان کی توجہ سراسر اللہ تعالیٰ کی طرف رہی اور ان کو یقین تھا کہ وہ خدا تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الہی کی درخواست پر بھی پہاڑ پر ایک نسبتاً بڑی تجلی نازل فرمائی جو جمال خداوندی کی محض ایک جھلک پر مشتمل تھی لیکن وہ بھی گویا تیز بجلی تھی جس کی برداشت کسی دنیوی مادے میں نہیں لہذا وہ پہاڑ اس تجلی کا تحمل نہ کر سکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبُ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيهِ وَمَنْ يُسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرُ لَهُ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے ہمارے رب (یعنی اس کی تجلی) کا آسمان دنیا کی طرف نزول ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ایک وقت میں متعدد تجلیاں ہو سکتی ہیں مثلاً عرش پر اس کی مستقل تجلی ہے جو ہمیشہ رہتی ہے خواہ وہ دن و رات کا کوئی بھی حصہ ہو۔ اس کے علاوہ ایک یہ تجلی ہے جو آسمان دنیا پر رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔ ان متعدد تجلیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے احکام کی نسبت کرنا ممکن ہے جو باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ عرش پر مستوی رہتے ہیں اور یہ کہ رات کے آخر حصہ میں اللہ تعالیٰ نچلے آسمان پر اترتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَمَا تَرَدُّذْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهُ وَلَا بُدَّ مِنْهُ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اپنے) مؤمن (بندے) کی روح کے قبض کرنے میں جتنا مجھے تردد ہوتا ہے (اور میں رکاوٹ محسوس کرتا ہوں) کسی اور کام میں نہیں ہوتا جس کو میں نے کرنا ہے۔ (جس کی وجہ یہ ہے کہ) میں اس کو ناگواری میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا حالانکہ موت اس کے لیے ناگزیر ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں مؤمن بندوں سے مراد وہ خاص لوگ ہیں جن کی روح پر تجلی قائم ہو۔ یہ تجلی ان کے سارے اعلیٰ روحانی مقاصد اور مطالب کی تکمیل کی ضامن ہوتی ہے اور وہی ان کی تمام مشکلات اور دکھ درد کے ازالہ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس تجلی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ایسی تمام باتوں کو ناپسند فرماتے ہیں جنہیں خدا کا یہ بندہ طبعی اور فطری طور پر اپنے اختیار سے پسند نہیں کرتا لیکن اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایک اور عظیم الشان تجلی بھی ہے جس کا ہر حکم ہر فرد انسانی پر نافذ ہوتا ہے۔ خواہ وہ فرمانبردار ہو یا نافرمان اس کو قرب الہی حاصل ہو یا وہ اس سے دور ہو۔ یہ تجلی ہر فرد کے بارے میں چاہتی ہے کہ ایک وقت تک اس کو بقاء حاصل ہو اور پھر ایک وقت میں وہ فنا ہو جائے۔ اس تجلی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ بندہ مؤمن کی موت چاہتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ عام طور سے بندے کو مصائب اور نقصانات اور دیگر صبر آزما حالات میں مبتلا کرتے ہیں جن کی وجہ سے اس کا دل دنیا سے سرد ہو جائے اور وہ از خود دنیا ترک کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔



کِتَابُ الشِّرْكِ

شُرک انسان کی فطرت نہیں

عَنْ عِيَّاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي خُطْبَةٍ أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أَعْلِمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هَذَا كُلُّ مَا لِي نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي خُنَفَاءَ كُلُّهُمْ وَأَنَّهُمْ أَتَتْهُمْ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَا لَتَهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحَلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنَّ اللَّهَ نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَّتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِبَتْلِيكَ وَأَبْتَلِي بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانِ وَأَنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَحْرِقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ إِذَا يَتَلَفَعُوا رَأْسِي فَيَدْعُوهُ خُبْرَةٌ قَالِ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا أَخْرَجُوكَ وَاغْزُهُمْ نَغْرَكَ وَأَنْفِقْ فَسَنَفِيقْ عَلَيْكَ وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خُمْسَةَ مِثْلَهُ وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ. (رواه مسلم)

عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا سن لو میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ میں تم کو بھی بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لئے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور اس پر ابھارا کہ میرا شریک ٹھیرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب و عجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے تاکہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا۔ تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو۔ (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے نہ پانی اسے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لئے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ میں قریش کو جلا کر تباہ کر ڈالوں اس پر میں نے عرض کیا وہ تو میرے سر کو کچل ڈالیں گے اور اس کو ایک روٹی کی طرح بنا کر رکھ دیں گے فرمایا تم ان کو نکال باہر کرو جیسا انہوں نے تم کو وطن سے نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خوب لشکر

پر خرچ کرو ہم تمہیں خرچ دیں گے اور ان پر فوج کشی کرو ہم اُن کی ہچکچی اپنی جانب سے اور بھیجیں گے اور اپنے تابعداروں کو ساتھ لیکر ان سے جنگ کرو جو تمہاری نافرمانی کرے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ بتوں کے نام کے بہت سے جانور اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک و کفر سے پاک پیدا فرمائی ہے اس لئے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کسی کے کہنے پر حلال کو حرام سمجھ لینا بھی خدا کے شریک ٹھہرانے کے ہی مرادف ہے اسی کو شرک فی الطلعة کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرک فی الذات ہو یا فی العبادت یا فی الطاعت یہ سب انواع انسانی فطرت کے خلاف ہیں ان کا بانی صرف شیطان ہے اور جو اس کی تقلید کرتا ہے وہ عبد حرمٰن نہیں اسی کا بندہ ہے جب خارجی اثرات یا والدین کی تعلیم سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو پھر عقائد شرکیہ فطرت کا تقاضہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَامٍ أَنَّ أَبَا سَلَامٍ حَدَّثَهُ أَنَّ الْحَارِثَ الْأَشْعَرِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يُحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَأَنَّهُ كَذَّابٌ أَنْ يُبْطِلُ بِهَا قَالَ عِيسَى إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فَإِذَا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِذَا أَنْ أَمُرَهُمْ فَقَالَ يُحْيَى أَخْشَى أَنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخَسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسُ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَأَمْتَلًا وَقَعَلُوا عَلَى الشُّرْفِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَأَمُرُكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنْ مَثَلٌ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصٍ مَالِهِ بِلَهَبٍ أَوْ وَرَقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَأَعْمَلَ وَأَذَّ إِلَى فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَأَنَّ اللَّهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْفَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْصُبُ وَجْهَهُ لَوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْفَحْ وَأَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَإِنْ مَثَلٌ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عَصَابَةٍ مَعَهُ ضُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ وَكُلُّهُمْ يُعْجِبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنْ رِيحُ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَأَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنْ مَثَلٌ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسْرَهُ الْعَدُوَّ فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَقَلَمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ فَقَالَ أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَقَدَا نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَأَمَرَكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللَّهَ فَإِنْ مَثَلٌ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي آثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا آتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَخْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحَرِّزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَمُرُكُمْ بِخَمْسِ اللَّهِ أَمَرَنِي بِهِنَّ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهَجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَبْلَ شَبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يُرَاجَعَ وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُنَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ فَقَالَ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّتِي سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ. (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب)

زید بن سلام سے روایت ہے کہ ان سے ابو سلام نے کہا کہ حارث اشعری نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان پر وہ خود بھی عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے کہہ دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے کہنے میں کچھ تاخیر ہونے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے بھی عمل کرنے کے لئے کہہ دیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہہ دیجئے یا پھر میں ان سے کہہ دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لئے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسانہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں اس کے بعد انہوں نے فوراً لوگوں کو بیت مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کر دوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس غلام کی جس کو ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے بلا شرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتا دے کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دیدیا کرنا۔ یہ غلام مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دیدیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہذا جب تک نماز میں رہو ادھر ادھر دیکھنا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے روزہ کی مثال ایسی ہے جیسی کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بومشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کر لیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لئے اس کو لئے جا رہے ہوں۔ یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے چھوڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آ رہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط قلعہ کے اندر آ جائے اور اس میں آ کر اپنی جان کو دشمن سے بچا لے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں تم کو ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدائے تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا جہاد کرنا، ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے اسی کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے اسلام میں پھر زمانہ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس و خاشاک میں داخل ہوا ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نمازیں

بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ فرمایا اگرچہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے اس لئے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم اور مومن رکھ دیا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان پانچ باتوں کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر پہلی باتوں پر بھی پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ نماز، روزہ اور بالخصوص زکوٰۃ و صدقات یہ مسلمانوں کی صرف انفرادی عبادتیں نہیں بلکہ انکی اجتماعی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی عبادتوں کا نظم و نسق بلا جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی جماعت بلا کسی امام و امیر کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لئے آپ نے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا ہے جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادتیں پوری طاقت اور آزادی کے ساتھ ادا نہیں کی جاسکتیں آخری شریعت درحقیقت پہلی شریعتوں کے لئے مکمل ہے۔

شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے

عَنْ عُمَرُو بْنِ شَرْحِبِيلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ بَدَلًا وَهُوَ خَلَقَكَ ثُمَّ قَالَ أَيُّ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلِذَلِكَ خَشِيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ ثُمَّ قَالَ أَيُّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَأَنْزَلَ تَصْدِيقُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ. (بخاری شریف)

عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھیرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد، فرمایا یہ کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مار ڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہو جائے، اس نے کہا پھر اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہو گئی۔ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ النِّح

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ بَدَلًا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ ذَلِكَ لَعَظِيمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلِذَلِكَ فَخَافَهُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ. رواه مسلم وفي طريق آخر فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَهَا (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا)

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھیرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بیشک یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مار ڈالے کہ وہ (بڑا ہو کر) کھانے میں تیرا شریک ہو گا۔ میں نے عرض کیا پھر، فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بی بی سے زنا کرے۔ صحیح مسلم کے دوسرے طریق میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں نازل فرمائی۔ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي إِنْ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعَتْ وَحُرِّقَتْ
وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةَ مَكْتُوبَةٍ مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِثَ مِنْهُ الدِّمَّةَ وَلَا تَشْرَبِ
الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواه ابن ماجه)

ابو الدرداء سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ
تمہاری بوٹی بوٹی کردی جائے اور تم کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز
چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا
يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَيَقِيْمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ فَسَأَلُوهُ مَا
الْكَبَائِرُ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزُّحْفِ وَقَتْلُ النَّفْسِ. (رواه الحاكم في المستدرک)

ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت
کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائے، نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور
بالضرور جنت میں جائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے
ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں۔ (مستدرک)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ اللَّهُ تَعَالَى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِهِ مَا لَمْ يَقْعِ الْحِجَابُ

قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ أَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ. (رواه البيهقي في كتاب البعث والنشور)

ابو ذرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشا رہتا ہے جب
تک اللہ تعالیٰ کی رحمت (اور اسکے بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑتا۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ پردہ یہ ہے
کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آجائے۔ (کتاب البعث والنشور)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يَعْدِلُ بِهِ شَيْئًا فِي

الدُّنْيَا لَمْ تَكُنْ عَلَيْهِ مِثْلُ جِبَالِ ذُنُوبٍ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ أَيْضًا.

ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے بغیر مرجائے اللہ
تعالیٰ اس کی بخشش فرما دے گا اگرچہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں۔

أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَاتَ لَا

يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه احمد والشيخان)

ابو ایوب انصاریؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے خود سنا ہے جو شخص شرک سے پاک

وصاف مرجائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (احمد و شیخین)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ عَلِمَ أَنِّي ذُو قُدْرَةٍ عَلَى مَغْفِرَةِ الذُّنُوبِ غَفَرْتُ لَهُ وَمَا أَبَالِي مَا لَمْ يُشْرِكْ بِي شَيْئًا. (رواه في شرح السنه)

ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخش دوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں۔ (شرح السنہ)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِينَ ثَلَاثَةٌ دِيْوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللَّهُ إِلَّا شِرَاكَ بِاللَّهِ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ. وَدِيْوَانٌ لَا يَتْرُكُهُ اللَّهُ ظُلْمَ الْعِبَادِ فِيمَا بَيْنَهُمْ حَتَّى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِيْوَانٌ لَا يَعْأُ اللَّهُ بِهِ ظُلْمَ الْعِبَادِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ قَذَاكَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَذْبَهُ وَإِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے ”خداے تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے۔“ دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لئے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگزر فرمادے۔ (شعب الایمان)

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْ صَانِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَخُرِفَتْ وَلَا تَعْقُنْ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَا لِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً فَإِنْ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِثَ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَلَا تُشْرِبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حُلَّ سَخَطِ اللَّهِ وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزُّحُفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَاتَّبِثْ وَأَنْفِقْ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا وَآخِفْهُمْ فِي اللَّهِ. (رواه احمد)

معاذ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک بھی کر دیا جائے۔ (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا بھی حکم دیں۔ (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگرچہ اور لوگ بھاگ جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں وباء پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا (اور بھاگنا مت) (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے

رہنا۔ (۹) بنظر ادب اپنا ڈنڈا اُن سے نہ ہٹانا۔ (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے بھی رہنا۔ (احمد)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاعُهُ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو گا وہ صرف آگ کے دو چپل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ۔ یہ ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ) (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَطْلُعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِكُلِّ خَلْقٍ إِلَّا مُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ. (رواه ابن ماجہ ورواه احمد)

ابو موسیٰ اشعریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ۔ احمد)

شُرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ الدِّينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبَسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذَالِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَمْ يَظْلِمْنَا نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكَ أَلَمْ تَسْمَعُوا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهِ بَنِي لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. وَفِي رَوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ. (متفق علیہ)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب آیت الدین آمنوا نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سخت پریشانی لاحق ہوئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں ظلم سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ یہ بڑا ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- ایمان میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ زبان پر تو خدا کی توحید کا دعویٰ ہو اور عملاً اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا شکوہ فرمایا ہے۔ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہو گا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اسے امن و اطمینان نصیب ہوگا۔ ایمان اسی وقت نجات بخش ہوتا ہے جبکہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو حتیٰ کہ جس عمل میں شرک خفی یعنی ریاء کی بھی بو ہو وہ بھی آخرت میں کالعدم ہو جائے گا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتَ بْنِ قَيْسٍ أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَغْتَبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقِي وَلَا دِينِي وَلَكِنِّي أَكْثَرُهُ الْكُفْرَ لِي الْإِسْلَامَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُرَدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيثَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِيثَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقًا. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیسؓ کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ثابت بن قیسؓ اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جو انہوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کر سکتی ہو، انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے ثابت بن قیسؓ سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری شریف)

تشریح:- ثابت بن قیسؓ پست قد تھے ان کی بی بی کا دل ان سے ملتا نہ تھا جب دل نہیں ملتا تو معاشرتی زندگی میں بے سبب اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بی بی کتنی سچی، کتنی دانا اور کتنی دیانتدار تھیں کہ اپنی مقصد براری کیلئے اپنے شوہر کے سر کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر کھڑا نہیں کرتیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنے قلبی اختلاف کا اظہار کر دیتی ہیں کتنی دیندار ہیں کہ جدائی کی درخواست اس لئے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اسلام میں کفر کی ادنیٰ آمیزش بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ جس انس و محبت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ بہ صورت موجودہ اس کو نباہ نہیں سکتیں ایک محسن کے ساتھ قلبی کراہت بھی ایک قسم کا کفر ہے جو اسلام خدائے تعالیٰ کے ساتھ کفر سے روکتا ہے وہی اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتا ہے اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ہو تو وہ انسان کے اسلام کو بد نما کر دیتا ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے اسلام سے کفر نما افعال کی جڑ بنیاد نکال پھینکے۔ اسی وقت اس کا اسلام سچا اور پکا اسلام کہلانے کا مستحق ہے۔

مشرك کے حق میں شفاعت قبول نہیں

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي ابْنُ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيْرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ بَصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

عوف بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہو جائے اور چاہوں تو امت کیلئے شفاعت اختیار کر لوں۔ میں نے شفاعت کو پسند کر لیا ہے اور یہ ہر اس شخص کیلئے ہو کر رہے گی جو اس حالت پر مر جائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح:- یعنی آپؐ کی شفاعت کیلئے اور کسی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیۃً اجتناب رہے

کیونکہ شرک آپ کی شفاعت کیلئے بھی حجاب ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ أَرْزَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَعَلَى وَجْهِهِ أَرْزَقْتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْبُدْنِي فَيَقُولُ لَهُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لَا أَغْصِيكَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي إِلَّا تُخْزِينِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ فَأَيُّ خَزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُولُ اللَّهُ إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ ثُمَّ يُقَالُ لِإِبْرَاهِيمَ مَا نَحْتُ رَجُلِيكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِدَبْحٍ مُتَلَطِّحٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ. (رواه البخاري)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور وہ غبار آلود ہوگا تو وہ فرمائیں گے کیا میں نے آپ سے دنیا میں نہیں کہہ دیا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجئے وہ جواب دیں گے اچھا اب نہیں کروں گا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جوشِ محبت میں) دعا فرمائیں گے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ محشر میں مجھے رسوا نہ کرے گا۔ آج میرے اس رحمت سے دور افتادہ والد کی حالت سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی۔ ارشاد ہوگا میں تو جنت کو کافرین پر حرام کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ان سے کہا جائے گا اچھا ذرا اپنے پیروں کے پاس تو دیکھو کیا چیز ہے وہ دیکھیں گے تو ایک کچھڑ میں لٹھروی ہوئی ہنڈار کی مسخ شدہ صورت ان کو نظر آئے گی (یہ مکر وہ صورت دیکھ کر تکوینی طور پر ان کے قلب سے شفقت پوری نکل جائے گی) پھر آزر کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:- یہ والد بزرگوار کے لئے سفارش نہیں تھی اس کی ممانعت تو پہلے ہو چکی تھی بلکہ یہ اس وعدہ کی یاد دہانی ہے جو ان کی رسوائی سے حفاظت کے متعلق کیا جا چکا تھا۔ قدرت نے اس کا یوں ایفاء کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تاکہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں اگرچہ اس یاد دہانی میں دوسرے پیرایہ سے سفارش کی ہو نہیں آ رہی تھی مگر یہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مشرک امت کے حق میں شفاعت سے قح قح کر فرمایا اِنَّ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ یعنی میں آج بحق نبوت تو کچھ بول نہیں سکتا مگر تیری خدائی اور ان کے رشتہ بندی کو یاد دلاتا ہوں اب تو چاہے تو اپنے بندے سمجھ کر ان کو عذاب دیدے اور چاہے تو بخش دے اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچا نہ بچا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچالے اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کر دیئے۔ کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا۔ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقُلْتُ لَا تَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْكَ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ فَلَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ

أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ
لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ. (رواه الحاكم في التفسير وصححه الذهبي أيضا والحديث يروى في الصحيح)

حضرت علیؑ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے سنا تو میں نے کہا کہ تو ان کے لئے استغفار نہ کر کیونکہ وہ مشرک تھے اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے مغفرت طلب نہ کی تھی حالانکہ وہ بھی تو مشرک تھے۔ یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی اور مومنین کے لئے یہ شایان شان نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص جبکہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہو کہ مشرکین سب دوزخی ہیں۔ رہا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کیلئے استغفار کا معاملہ تو وہ صرف ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب ان کو یہ واضح ہو گیا کہ ان کا والد خدائے تعالیٰ کا دشمن تھا تو وہ بھی ان سے الگ ہو گئے (اور سفارش ترک کر دی) ابراہیم مزاج کے نہایت نرم اور بڑے گریہ وزاری کر نیوالے نبی تھے۔ (حاکم)

تشریح:- اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لئے دعا مغفرت بھی نہ کرنی چاہئے کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان کر دیا گیا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اس کیلئے مغفرت کی دعا کرنی قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابوطالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کے تخفیف کیلئے ہوگی اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے بہر حال مغفرت کا دروازہ کافر کیلئے بند ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ
اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِيمَا اسْتَغْفِرُ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِيمَا أَزُورُ قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِي فَزُورُوا
الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر لوں، تو مجھ کو دیدی اور میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان کی مغفرت کے لئے درخواست پیش کروں تو مجھ کو اس کی اجازت نہ دی۔ تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مسلم)

تشریح:- اس قسم کی احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کا جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اس پر کسے باشد سب یکساں ماخوذ ہوں گے اب اگر فرض کر لیجئے کہ کسی کی خاطر رحمت کوئی کرشمہ قدرت دکھا دے اور کسی کو اسی عالم میں دوبارہ زندہ کر کے ایمان کی توفیق بخش دے تاکہ مشرک کے حق میں اس کا آئین بھی محفوظ رہے اور رعایت کرنے کا ایک سبب بھی پیدا ہو جائے تو یہ اس کی مرضی کی بات ہے اس میں کون مداخلت کر سکتا ہے لیکن اس قسم کا مضمون صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔ صحیح حدیثوں سے جتنا ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی ان ہی کی مرضی پر موقوف ہے انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب و طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے

عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں اور جب ذرا آثارِ ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ.

عَنْ ابْنِ الْمُسَيْبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ أَيُّ عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أُمِّيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتُرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَاهُ حَتَّى قَالَ اخْرَسَنِي كَلِمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسْتَغْفَرُونَ لَكُمْ مَا لَمْ أَنَّهُ عَنْهُ فَنَزَلَتْ. مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يُسْتَغْفَرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَى قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ. وَنَزَلَتْ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ. (رواه البخاری)

ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی موجود تھا، آپ نے ان سے کہا چچا جان لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ کے لئے کچھ گفت و شنید کا موقع مل جائے اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ فوراً بولے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کا آبائی دین چھوڑ دو گے اور اس سلسلہ میں وہ ابوطالب کو اتنا اور غلاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے جو سب سے آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبد المطلب ہی کی ملت پر ہوں آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری۔ نبی اور مومنوں کے لئے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ (بخاری شریف)

عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالٍ خَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَكِنًا عَلَى وَسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشَوَهَا لَيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ فَلْيُوسِّعْ عَلَيَّ أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَقَالَ أَوْفَى هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ أُولَئِكَ قَوْمٌ عَجَلَتْ لَهُمْ طَبَائِثُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي رَوَايَةٍ أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ. (متفق عليه)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا جال بھرا ہوا تھا اور ایک گھرے بورے پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے جسم مبارک اور بورے کے درمیان کوئی کپڑا تک نہ تھا اس لئے بورے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر ابھر آئے تھے۔ یہ سادہ دیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت پر بھی کچھ وسعت فرمادے۔ دیکھئے تو سہی آخر یہ فارس و روم بھی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں، آپ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی پیچیدگی

میں پھنس رہے ہو، ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ پیشگی طور پر دنیا ہی میں دیدیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا رہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ اسْتَسْقَى يَوْمًا عُمَرُ فَجِئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيبَ بِغَسَلٍ فَقَالَ إِنَّهُ طَيِّبٌ لَكِنِّي أَسْمَعُ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ نَعَى عَلَى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَانْخَافَ أَنْ تَكُونُوا حَسَنَاتِنَا عَجَلْتُمْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ. (رواه دزین)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزے دار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اڑا چکے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر شربت ہرگز نہ پیا۔ (رزین)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطِي بِهَا فِي الدُّنْيَا وَيُجْزِي بِهَا فِي الْآخِرَةِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتٍ مَا عَمِلَ بِهَا لِلَّهِ فِي الدُّنْيَا حَتَّى إِذَا أَقْضِيَ إِلَى الْآخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُجْزَى بِهَا. (رواه مسلم)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدائے تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں نمٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے۔ (مسلم شریف)

عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ أَتَى بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قَتِيلٌ مُضْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ إِنْ غُطِيَ رَأْسُهُ بَدَثَ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ وَارَاهُ قَالَ وَقَتِيلَ حَمَزَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي ثُمَّ بَسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بَسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِينَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِينَا وَلَقَدْ خَشِينَا أَنْ تَكُونُوا حَسَنَاتِنَا عَجَلْتُمْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي حَتَّى تَرَكَ الطَّعَامَ. (رواه البخاری)

سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیرؓ شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کیلئے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر نکلا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہؓ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدرجہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لئے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہوئی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جا رہا ہو، یہ کہہ کر اتاروئے کہ کھانا (اسی طرح) چھوڑ دیا۔ (بخاری)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَحْسَنَ مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا كَافِرٍ إِلَّا آتَاَهُ اللَّهُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا آتَاَهُ الْكَافِرُ قَالَ إِنْ كَانَ قَدْ وَصَلَ رَحِمًا أَوْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ أَوْ عَمَلَ حَسَنَةً آتَاَهُ اللَّهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَالصِّحَّةَ وَأَشْبَاهَ ذَلِكَ قَالَ فَقُلْنَا مَا آتَاَهُ فِي الْآخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُونَ الْعَذَابِ قَالَ وَقَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ

الْعَذَابِ . (اخرجه الحاكم في التفسير ص ۲۵۳/۲۵۵ وقال الذهبي فيه عتبه بقطان وا)

حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے، یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال، اولاد، تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دیدیتا ہے ہم نے عرض کیا یہ تو دنیا میں بدلا ہوا آخرت میں ان کا بدلا کیا ہوگا۔ فرمایا عذاب کی تخفیف، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ادخلوا آل فرعون الخ فرعونوں کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ (متدرک)

تشریح:- بظاہر آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو سکتی ہیں

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ رَسُولِ اللَّهِ أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنُّ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ أَوْ عَتَاةٍ أَوْ صِلَةٍ رَحِمَ أَفِيهَا أَجْرٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسَلَّمْتَ عَلَى مَا أَسَلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ . (رواه البخاری ومسلم والحاكم في مستدرکہ فی مناقب حکیم)

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ فرمائیے میرے وہ نیک کام جو میں زمانہ جاہلیت میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنا کیا ان کا بھی مجھ کو ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا تم جتنی نیکیاں پہلے کر چکے ہو، ان سب کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے ہو۔ (یعنی ان کا بھی ثواب ملے گا) (بخاری۔ مسلم۔ متدرک) تشریح:- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کے نیک عمل اسلام کے بعد معتبر ہو سکتے ہیں لیکن بحث طلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو جب بھی ان کا کوئی نفع ظاہر ہو گا یا نہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو زکوٰۃ، عتق، اور صلہ رحمی کے مختلف ابواب میں روایت کیا ہے اور ہر جگہ اس پر صدقہ مشرک اور عتق مشرک کا عنوان قائم کر کے ”ثم اسلم“ (یعنی پھر اسلام قبول کر لے) کی قید لگادی ہے۔ یعنی اگر مشرک صدقہ یا غلام آزاد کر کے مسلمان ہو جائے تو کیا اس کے یہ اعمال موجب ثواب ہوں گے؟ حافظ ابن حجر نے غالباً اسی لئے یہ تفصیل اختیار فرمائی ہے کہ کافر اگر اسلام قبول کر لے جب تو اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک امام بخاری نے ان تراجم میں اس مسئلہ کے فیصلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیچیدہ اور

مختلف فیہ ہونیکی وجہ سے کسی ایک جانب جزم کرنا خلاف احتیاط سمجھا ہے اور اس لئے الفاظ حدیث ہی کو عنوان باب بنا دیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کافر کے طاعات معتبر ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے یہی اس کے حق میں بہت بڑی بات ہے اس کے سواء اس کے حق میں نجات ابدی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَغْنَيْتَ عَنْ عَمِكَ فَإِنَّهُ كَانَ يَحْوِطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (رواه البخاری فی قصة ابی طالب)

عباس بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اپنے چچا (ابوطالب) کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ فرمایا دوزخ میں ان کو ٹخنوں تک عذاب ہوگا۔ اگر کہیں میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں ہوتے۔ (بخاری)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَتَلَعَّ كَعَبِيهِ تَغْلِي مِنْهُ أُمَّ جَعَاغِهِ. (رواه البخاری)

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کے متعلق آپ کو یہ فرماتے سنا، قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دیدے اور اس کی وجہ سے وہ تھتلی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہو سکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خاص موقع پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جاتی۔ مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے ”شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم لابی طالب والتخفيف عنه بسببه“ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابوطالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی سفارش میں ان کی اس جاں نثاری کا دخل بھی ضرور تھا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول کی ذات سے متمتع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ الداعی انما ينتفع من وجهين اما بدعاء الرسول واما بإيمان الداعی به وطاعته ومحبهه فاذا كان الرسول لم يدع له وهو لم يؤمن به لم ينتفع بالرسول صلى الله عليه وسلم فابو طالب مع كفره لما كان يحوط الرسول ويمنعه شفع فيه حتى خفف عنه العذاب. (کتاب الرد علی الکفری ص ۶۲)

کسی دعاء کرنیوالے کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعاء و سفارش کرے، یا یہ شخص خود اس رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو پس اگر نہ تو رسول اس کے حق میں دعاء کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ابوطالب باوجودیکہ کافر تھے لیکن چونکہ وہ آپ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپ نے ان کے حق میں دعاء فرمائی تھی) اس لئے ان کے حق میں آپ کی سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے برخلاف قرآن کی تصریح یہ ہے کہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ۔ کافروں کو شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس کا سب سے بہتر اور بے تکلف جواب امام قرطبی کا ہے وہ فرماتے ہیں۔

المراد بها في الآية الاخراج من النار وفي الحديث المنفعة بالتخفيف.

آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں مل سکتی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نجات نہیں۔ (فتح الباری)

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ وَيَفْعَلُ
فَهَلْ لَهُ فِي ذَلِكَ يَغْنِي مِنْ أَجْرِ قَالَ إِنَّ أَبَاكَ طَلَبَ أَمْرًا فَأَصَابَهُ. (رواه احمد)

عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے تھے انہیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ کچھ ان کا ثواب ملے گا آپ نے جواب دیا کہ تمہارے والد کی جو نیت تھی وہ انہیں حاصل ہوگئی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ اتنی ہوگئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت ضرب المثل ہوگئی یہ کمال بلاغت تھی کہ بیٹے کے منہ پر باپ کی عدم مغفرت بیان کرنے سے اعراض فرمایا) (احمد والطبرانی)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَ جُدْعَانَ كَانَ يَقْرِي الضَّيْفَ وَيَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ
وَيَفْعَلُ أَيْنَعُهُ ذَلِكَ قَالَ لَا إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا قَطُّ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ابن جدعان بڑی مہمان نوازی، بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتا تھا، کیا یہ کام اس کیلئے کچھ سودمند ہوں گے فرمایا نہیں اس نے کسی دن (بھولے سے) بھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار! قیامت میں میری خطاؤں سے درگزر کرنا۔ (ابن جریر و حاکم و مسلم)

عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي قِصَّةِ أَنَّ ثَوْبَةَ مَوْلَاةَ لَابِي لَهَبٍ وَكَانَ أَبُو لَهَبٍ
أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أَرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حَبِيبَةٍ قَالَ لَهُ
مَاذَا لَقِيتَ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ آتَى سَقِيئُ فِي هَلِهِ بِعَتَا قَتِي ثَوْبَةَ. (رواه البخاري) وفي

الفتح ذكر السهيلي ان العباس قال لما مات ابو لهب رأيت في منامي بعد حول في شرح حال

فَقَالَ مَا لَقِيتَ بَعْدَكُمْ رَاحَةً إِلَّا أَنَّ الْعَذَابَ يَخْفَفُ عَنِّي فِي كُلِّ يَوْمٍ اثْنَيْنِ قَالَ وَذَلِكَ أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَدِيَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَكَانَتْ ثَوْبِيَّةُ بَشْرَتِ ابْنِ الْهَبِّ بِمَوْلَدِهِ فَاعْتَقَهَا

زہری سے روایت ہے کہ عروہ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اس آزاد شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے پوچھا کہ کیا گزری ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی راحت نہیں مل سکی۔ جز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس لئے اس کے بدلہ میں مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (بخاری) فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباسؓ کہتے ہیں جب ابولہب مر گیا تو میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ بھی نہیں چکھا۔ صرف پیر کے دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے خوشی میں آ کر اس کو آزاد کر دیا تھا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنُهُ هِشَامٌ خَمْسِينَ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهُ عُمَرُ أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَإِنْ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِينَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً فَأَعْتَقْتُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَبَسْتُمْ عَنْهُ بَلَّغَهُ ذَلِكَ. (رواه ابوداؤد)

عمر بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے تھے دوسرے فرزند عمرو نے بقیہ پچاس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد ماجد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت فرمائی تھی پچاس تو میرے بھائی ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں اور پچاس ابھی باقی ہیں اجازت ہو تو ان کی طرف سے وہ میں آزاد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے تو پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا کچھ صدقہ دیتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب بیشک ان کو پہنچتا۔ (ابوداؤد)

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ يَزِيدَ الْجُعْفِيِّ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَآخِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّنَا مُلَيْكَةً كَانَتْ تَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ هَلَكْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ قُلْنَا فَإِنَّهَا كَانَتْ وَأَرِثَ أُخْتَانَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ الْوَائِدَةُ وَالْمُؤَدَّةُ فِي النَّارِ إِلَّا أَنْ تَذُرِكَ الْوَائِدَةُ الْإِسْلَامَ فَيَغْفِرَ اللَّهُ عَنْهَا. (رواه احمد)

سلمہ بن یزید سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے (حاضر ہو کر) پوچھایا رسول اللہ ہماری والدہ ملیکہ بڑی (نیک اور پارسا بی تھیں) صلہ رحمی کرتیں، مہمان نوازی کرتیں اور بھی اچھے اچھے کام کیا کرتی تھیں۔ کفر ہی کے زمانہ میں ان کا انتقال ہو گیا ہے کیا ان کے یہ اعمال انہیں کچھ سودمند ہوں گے آپ نے فرمایا کچھ نہیں پھر ہم نے پوچھا کہ انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اس معصوم کو (گناہ کی تمیز سے پہلے مر جانے سے) کوئی فائدہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ یہ رسم بداداد کرنے والی اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں ہیں ہاں اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والی اسلام قبول کر لیتی اور اللہ تعالیٰ اس کا یہ جرم بخش دیتا تو پھر نجات کی صورت ہو سکتی تھی۔ (احمد طبرانی)

تشریح:- یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف اتنا قصہ مذکور ہے ”الوائدۃ والمؤودۃ فی النار“ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کلیہ ہے اور اس وجہ سے اطفال مشرکین کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے لہذا مؤودہ سے یہی خاص مؤودہ مراد ہوگی۔ ابوداؤد میں حناء اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں اس میں اس کے خلاف یہ ہے والوئید فی الجحیم (مشکوٰۃ ص ۲۳۵)۔ آخرت میں اصل نفع چونکہ عذاب دوزخ سے نجات ہے اسلئے سائلین کے سوال پر آپ مجملاً نفع کی نفی فرماتے رہے۔ نیز کافروں کے اعمال کے معمولی سے نفع کی بے وجہ تشریح کرنا صاحب نبوۃ کیلئے ذرا موزوں بھی نہ تھا۔ آپ دنیا کو شرک سے نفرت دلانے کیلئے آئے تھے خدا کی رحمتوں اور اس کی رحمتوں کے کرشموں کے بیان کرنے کا محل اور ہے۔

عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ أَوْشَيْخٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ فَنَزَلَ عَلَى مَسْرُوقٍ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا لَمْ تَضُرَّهُ مَعَهُ خَطِيئَةٌ وَمَنْ مَاتَ وَهُوَ يُشْرِكُ بِهِ لَمْ تَنْفَعْهُ مَعَهُ حَسَنَةٌ. قَالَ الْهَيْثَمِيُّ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَرَجَالَهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ مَا خَلَا التَّابِعِي فَإِنَّهُ لَمْ يَسْلَمْ وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ

فَجَعَلَهُ مِنْ رِوَايَةِ مَسْرُوقٍ وَرَوَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو كَمَا فِي رَحْمَةِ الْمَهْدَاةِ.

ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص یا ایک بوڑھا شخص (راوی کو شک ہے) آیا اور مسروق کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت پر مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو کوئی گناہ اس کو جنت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا اور جو شخص شرک کی حالت پر مرے تو کوئی نیکی اس کو سودمند نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔ (احمد طبرانی)

تشریح:- یہ امر تو تقریباً طے شدہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اس کے اسلام کے بعد معتبر ہو سکتی ہیں یعنی رحمت ان پر بھی اس کو ثواب دے سکتی ہے بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر مسلمان نہ ہو تو کیا پھر بھی اس کی نیکیوں کا کوئی ثمرہ آخرت میں ظاہر ہو سکے گا یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان کی نیکیاں کس درجہ میں قابل اعتبار ہوں کیا یہ حکم ان کی عبادتوں کو بھی شامل ہے یا عبادتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بِيَّ حُصَيْنٍ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلَهًا قَالَ أَبِي سَبْعَةً سِتًّا فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَأَيُّهُمْ تَعْبُدُ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ قَالَ يَاحُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَلَّتْنِي فَقَالَ قُلِ اللَّهُمَّ اٰلِهْمْنِي رُشْدِي وَاعِلْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي. (رواه الترمذی)

عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے پوچھا تم موجودہ حالات میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو میرے والد نے جواب دیا سات خداؤں کی جن میں چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں۔ آپ نے پوچھا اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لئے تم نے کس کو بنا رکھا ہے انہوں نے جواب دیا آسمان والے کو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا حصین! اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تم کو بڑے سودمند ہوتے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا یا رسول اللہ جن دو کلموں کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ پڑھ لیا کرو اللھم الھمنی الخ خدا یا میرے مقدر کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے (کہ میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچالے۔ (ترمذی)

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور سادہ سوال و جواب نے حصین کی سلیم فطرت کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ جب محبت اور خوف کا علاقہ اس کے نزدیک بھی صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر مفت میں بقیہ چند خداؤں کے آستانہ پر جبہ سائی کا فائدہ؟ یہ صرف ہدایت کا ایک معمولی قالب تھا اس میں اصلی روح آپ کی چند لمحوں کی وہ کیمیا اثر صحبت تھی جو بجلی کی طرح سعادت مند قلوب میں دوڑ جایا کرتی تھی اور آن کی آن میں ان کے باطن کی کایا پلٹ دیتی تھی اسی نے یہاں حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس حدیث سے مشرکین عرب کے شرک کی کچھ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید کی اصل روح توحید فی العبادت ہے جب تک رشتہ عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے تو حید نصیب نہیں ہوتی اور اس کا شمار مشرکوں ہی میں رہتا ہے اگرچہ اپنے زعم میں نفع و نقصان کا مالک ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہو، اسی لئے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو توحید فی العبادت ہے۔ آج بھی بہت سے مسلمان ہیں جو کلمہ لا الہ الا اللہ زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں۔ اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم دماغ میں آ جائے تو پھر ان افعال کے قریب پھٹنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت غیر اللہ کی ذرا بھی ہو آ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ إِرْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ أَرْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ وَلْيَعِزِّمْ مَسْئَلَتَهُ إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرَهَ لَهُ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہنا کرو، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما دے اور تو چاہے تو مجھے روزی دیدے بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و تردد کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ وَلَكِنْ لِيَعْزِمَ الرَّغْبَةَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَتَعَاطَمُهُ شَيْءٌ أَعْطَاهُ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہنا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلا شرط دعا مانگا کرو اور اپنی ہمت بلند رکھا کرو، کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی۔ (مسلم)

تشریح:- حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں، یا تو شکم اپنی شان بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اس لئے وہ انداز استغناء میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقعہ ہے اور نہ اس کے لئے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے بخشے میں کوئی دشواری ہے پھر دعاء کے الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہوئے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَا جُبُكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُجِبُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَا تَدْعُ أَنْ تَقُولَ فِي ذُبْرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اعْنِي عَلَيَّ ذِكْرَكَ وَشُكْرَكَ وَخُسْنِ عِبَادَتِكَ. (نسائی ابو داؤد)

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی آپ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما۔ (نسائی۔ ابوداؤد)

عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَّتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْغَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ. (رواه مسلم)

ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سو رہا تھا جب آپ کے وضوء کے لئے پانی اور دیگر ضروریات کی اشیاء لیکر حاضر ہوا تو آپ نے (مسرور ہو کر) مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے عرض کیا جنت میں آپ کے قرب میں رہنے کا سوال رکھتا ہوں۔ فرمایا یہ کیا مانگتے ہو کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے۔ فرمایا تو اس اہم مقصد کے لئے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے لئے نمازوں میں سجدے کر کر کے میری بھی کچھ مدد کرو۔ (مسلم)

تشریح:- مطلب یہ تھا کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدوں کی چکیوں

میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے العطا یا علی متن البلا یعنی انعامات سخت ترین آزمائشوں میں گذر کر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ کامل دین یہ نہیں سکھاتا کہ فوز و فلاح کا راستہ بے عملی کے ساتھ صرف دعاؤں سے طے ہو جائے گا وہ عمل اور صرف عمل سے طے ہوگا۔ نسبی شرافتوں اور بزرگوں کے توسل کے بھروسہ پر عمل سے تغافل برتنا اسلامی تعلیم نہیں۔ کمال و تکمیل کی اس اصل روح کے ساتھ یہاں آپ نے کس خوبی سے اپنی عبدیت و عجز کا اظہار بھی فرما دیا یعنی تمام مراتب قرب کے باوجود بارگاہ بے نیاز میں خلاف آئین سفارش کرنے میں اور سب در ماندہ ہیں۔ اگر عمل کا قدم اٹھا کر تم میری مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہو تو سفارش کا قدم اٹھانے کا وعدہ میں کرتا ہوں۔ حسن خدمات کے ساتھ اگر یہ اچھی سفارش مل جائے تو فوز و فلاح کی امید رکھنا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے ”وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ“ سجدے کر کے آپ ہمارا قرب تلاش کیجئے۔ اس آیت میں قرب خداوندی کا جو آئین آپ کو بتایا گیا تھا وہی آئین آپ نے یہاں قرب رسول کے اس متلاشی کو بتا دیا اور اس ضمن میں یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ جنت میں تمہارے رسول کا مقام تجلیات الہیہ کی سب سے قریب ترین منزل ہے جہاں پہنچنے کے لئے قدوسیوں کے پر جلتے اور مقربین کے ہوش اڑتے ہیں۔ اس کے قرب کی تمنا کرنا بہت بڑا سوال ہے۔ اب اگر اس سوال کی ہمت کرتے ہو تو عمل کی ہمت بھی پیدا کرو یہی وہ حقیقت تھی جس کا اعلان آپ نے بطون عرب کو خطاب کرنے کے بعد اپنی سب سے محبوب ترین صاحبزادی کے سامنے کر دیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کی توحید یہ ہے کہ کامیابی و ناکامی کا معاملہ صرف دست قدرت میں سمجھنا چاہئے۔ عمل کا قدم اٹھائے جاؤ اور رسول کی شفاعت کے بعد اپنے ان ہیچ دریچ اعمال کی قبولیت کی امید رکھو۔ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کا خلاف کر کے یہ امید رکھنا کہ رسول خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہم کو زبردستی بخشوا لیں گے۔ رسول کی محبت نہیں اس کی صریح مخالفت ہے۔ اسی سفاہت پر ابو ہریرہؓ کی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي مُرَّةِ بْنِ كَعْبٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي هَاشِمٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأُبَلِّغُهَا بِهَا إِلَيْهَا. (رواه مسلم وهو في المتفق عليه مع بعض تغير)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آیہ و اندر و عشیرتک الا قربین نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا وہ جمع ہو گئے آپ نے ان کے عام اور خاص سب قبائل کو پکار پکار کر کہا اے کعب بن لؤی کی اولاد، دوزخ کی آگ سے اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اے کعب ابن مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچا، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی

مد نہیں کر سکتا۔ ہاں میرے تمہارے مابین جو رشتہ کا تعلق ہے میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ ثُمَّ قَالَ لَا أَلْفِينَ أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِي فَاَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ صَمْحَةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِي فَاَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثَغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِي فَاَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِيَاخٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِي فَاَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِي فَاَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِي فَاَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ. (متفق عليه وهذا لفظ مسلم وهو الم)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اس میں آپ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور سے زور دیکر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پراونٹ لدا ہوا بڑا بڑا رہا ہو اور وہ شخص مجھے آواز دے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مدد فرمائے تو میں اس کے جواب میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گدی پر گھوڑا لدا ہوا اور وہ نہنٹا رہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں اس سے کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ بول رہی ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مدد فرمائیے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص قیامت کے دن آئے اور اس پر کوئی انسان بیٹھا چیخ رہا ہو اور یہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں، میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کے اوپر سونا چاندی لدا ہوا ہو اور وہ پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں کہہ دوں میں آج بھلا تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو دنیا ہی میں تجھ سے سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دو قسم کے مالوں کا ذکر ہے ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح کی حرکت کے تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اول تو کاندھے پر لدا ہوا مال ہی کب

پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لئے بھی ہر شخص کی نظر ادھر اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ کسی کو محض رشتے ناتے کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہئے۔ خدائے تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ عمل کئے جاؤ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کئے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُنْجِيَ أَحَدًا مِنْكُمْ شَمْلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ فَنَسْتَدْوُوا وَقَارِبُوا وَغَدُوَا وَرَوْحُوا وَشَى مِنْ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدِ تَبْلُغُوا. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کو بھی صرف اس کا عمل آخرت میں نجات نہیں دیگا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو بھی فرمایا ہاں مجھ کو بھی بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں گھیر لے لہذا میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو۔ پس کچھ صبح و شام کچھ شب کی تاریکی میں میانہ رفتار کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- رسول بارگاہ ایزدی میں مقرب سے مقرب ہو کر بھی سر تا پا آداب عبودیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ عین عالم استغراق میں بھی ایک حرف اپنی زبان پر ایسا نہیں لاتے جو ان کی شانِ عبدیت سے ذرا بھی اتر اہوا ہو۔ دیکھو یہاں رحمۃ للعالمین کے سامنے جب بارگاہ رب العالمین کا ذکر آ جاتا ہے تو وہ اس کی رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کا بھی کوئی استثناء نہیں فرماتے اور بڑے مضطربانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت کا تو وہ بھی محتاج ہے جس کو اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پس یہاں رمت کے بغیر نہ عملی سرگرمی سے کچھ کام بنتا ہے اور نہ صرف رحمت کا بھروسہ کچھ کارآمد ہو سکتا ہے مسافر آخرت پر لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم بڑھائے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْأَلَ شَيْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ. (اوفی روایتہ عن ثابت البنانی مرسلًا حَتَّى يَسْأَلَ الْمِلْحَ وَحَتَّى يَسْأَلَ شَيْعَهُ إِذَا انْقَطَعَ. (رواہ الترمذی)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہئے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدائے تعالیٰ سے مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مراد طور پر اتنا اور اضافہ منقول ہے کہ نمک بھی اس سے مانگو۔ (ترمذی)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاتَّكِفُلْ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ أَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا. (رواه ابو داود والنسائي)

ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ ثوبان نے عرض کیا میں اس کے بعد وہ کسی سے کوئی چیز بھی مانگا نہیں کرتے تھے۔ (ابو داؤد نسائی)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَيَّ أَنْ لَا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ إِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتَّى تَنْزِلَ إِلَيْهِ فَتَأْخُذَ. (رواه احمد)

ابو ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا میں نے کہا قبول ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاتھ سے کوڑا گر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا یہاں تک کہ اترنا اور اس کو خود اٹھا لینا۔ (احمد)

تشریح:- یہ تمام مقامات وہ ہیں جہاں اگر کسی انسان سے سوال کر لیا جائے تو اس سے حدود اسلامی پر کوئی ضرب نہیں لگتی۔ صرف ادب اسلامی میں فرق آتا ہے لیکن جہاں پہنچ کر حدود اسلامی پر ضرب لگتی ہے وہ مردوں سے یا غائب کو حاضر جان کر سوال کرنا ہے یہ صفت ایک خدائے قدوس کی ہے کہ اس کیلئے شہود و غیبو بتہ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو ذات مکان و زمان میں مقید ہے قرب و بعد اور غیب و شہود کا فرق بھی اسی کے لئے ہے اور جو مادیہ کی قیود سے منزہ و مبرا ہو وہ ان فروق سے بھی منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح اس کی ذات پاک نیند اور موت کے آثار سے بھی بالاتر ہے۔ پس جو شخص مردوں کو زندوں کی طرح اور بعید کو قریب کی طرح اور غائب کو حاضر کی طرح پکارتا ہے وہ گویا ایک مخلوق میں خالق کی صفات تسلیم کرتا ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں اداء کیا ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ.

اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچے اور ان کی پکار سے بھی غافل ہو۔ (الاحقاف)

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ. (الاعراف)

جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں بھلا انہیں پکارو دیکھو تو چاہئے کہ وہ تمہارے پکارنے کو قبول کریں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ أَوْ اِخْتَجَعَ لِكُتْمَةِ النَّاسِ

كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھوک کی تکلیف ہو یا اس کو کوئی اور حاجت پیش آ

جائے پھر وہ اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہوگا کہ اس کو ایک سال کی حلال روزی دیدے۔ (شعب الایمان)

تشریح:- یہ ایک وعدہ ہے اور جیسے دوسرے وعدہ و وعید کے لئے قیدیں اور شرطیں ہوتی ہیں اس کے لئے بھی ہیں۔ یہاں

متردد کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور یقین رکھنے والا کبھی گھائلے میں نہیں رہتا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْأَلُ بِوَجْهِ اللَّهِ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رواه ابو داود)

جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل میں صرف ایک جنت ہی ایسی متاع ہے جو طلب کی جاسکتی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:- جنت میں اللہ تعالیٰ کے اسم کے طفیل میں اس لئے مانگی جاسکتی ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کا محل ہے ورنہ مخلوقات میں ایسی چیز جس کو خالق کے روئے انور کے طفیل میں طلب کیا جاسکے کوئی بھی نہیں۔

ان احادیث میں ایک موحّد کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تا امکان وہ کسی انسان سے سوال کرنے کا خیال بھی اپنے دل سے نکال ڈالے، حتیٰ کہ اگر کوئی ابو ذر جیسا زاہد مزاج نظر پڑ گیا تو اس سے یہ ایک شرط ٹھہرائی گئی۔ سوچئے کہ جس شریعت میں ادنیٰ ادنیٰ چیز مانگنے کیلئے بھی ایک رب العزت ہی کا دروازہ بتایا گیا ہو اس میں غیر اللہ سے ایسی ایسی مرادیں مانگنا جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت بھی نہ ہو کب گوارا ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مال تقسیم کرتے پھر خود فرما دیتے انما انا قاسم واللہ یعطی۔ دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں دراصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

توحید کا سب سے بلند مقام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُعْطِيَكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ أَنَا قَاسِمٌ أَضْعُ حَيْثُ أُمِرْتُ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں تم کو اپنی طرف سے کچھ مال دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں اٹھا کر بس اس کو رکھ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- یعنی جیسی رسول کی خود اپنی ہستی بندہ اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتی ہے ایسے ہی وہ مال کی تقسیم میں بھی صرف ایک واسطہ ہی رہتی ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کے حکم کے مطابق صرف ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے۔ سبحان اللہ جس جگہ اعطاء منع کا فعل حقیقہً بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اس جگہ بھی آپ مسلمان کی نظر کو اور بلند کر کے ایک ایسی عمیق حقیقت کی طرف لیجانا چاہتے ہیں جہاں حقیقت بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام کی توحید کا یہ وہ بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر قادر مطلق کی فاعلیت و اختیار منکشف ہوتا ہے۔ بقیہ صرف آلات و وسائل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي. (متفق علیہ)

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی فہم عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو وہی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- مال کی تقسیم سے زیادہ نازک مسئلہ فہم کی تقسیم ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ بھی اسی ایک ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ رسول وحی الہی کی تبلیغ میں اپنی جانب سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کر سکتا وہ تو اس کو اپنے سب امتیوں کو برابر سنا دیتا ہے اب

اگر مراتب فہم کے اختلاف سے ان کے علم و فضل کے مراتب میں کوئی تفاضل پیدا ہو جائے تو یہ رسول کے اختیار کی بات نہیں خدا کے دین کی بات ہے کسی کو زیادہ فہم دیدی ہے کسی کو کم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے چاہے افضل اور جسے چاہے مفضول بنا دے۔ و ربک یخلق ما یشاء ویختار۔ یعنی صفت خلق پھر اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ دونوں صفتیں خدائے تعالیٰ ہی کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات کو نہ مال کی تقسیم میں متہم سمجھنا چاہئے اور نہ وحی کی تقسیم میں اور یہ سب کچھ اس بناء پر کہ اصل متصرف صرف خدا تعالیٰ کی توانا اور قادر مطلق ذات ہے۔ رسول درمیان میں صرف ایک سبب و واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ اسْتَحْمَلُهُ فَقَالَ وَاللَّهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ أَتَى بِثَلَاثِ زُودٍ غَرَى الدُّرَى فَحَمَلْنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَاللَّهِ لَا يُبَارِكُ لَنَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْنَا فَأَرْجِعُوا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَذَكَّرَهُ فَاتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللَّهُ حَمَلْتُكُمْ وَإِنِّي إِنْشَاءَ اللَّهُ لَا أَخْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَرْتُ عَنْ يَمِينِي. (رواه البخاري)

ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اشعریوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری مانگنے کیلئے حاضر ہوا آپ نے قسم کھا کر فرمایا میں تم کو سواری نہیں دے سکتا اور نہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لئے سواری موجود ہے۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد پھر جتنا وقفہ اس حال پر گذرنا مقدور تھا گذر گیا پھر کہیں سے سفید کوہان والے تین اونٹ آپ کی خدمت میں آگئے آپ نے وہ ہم کو دیدیئے۔ جب ہم ان کو لے کر چلے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا (راوی اس کو اس بارے میں شک ہے) خدا کی قسم ان میں کبھی ہمارے لئے برکت نہ ہوگی کیونکہ ہم آپ سے سواری مانگنے کیلئے آئے تھے اور آپ نے نہ دینے کی قسم کھالی تھی پھر غالباً بھولے سے آپ نے ہم کو یہ اونٹ دیدیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تاکہ آپ کو آپ کی قسم کی یاد دہانی کرادیں۔ یہ کہہ کر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے یہ تو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اور اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھا لوں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دیدوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کر لوں گا یا پہلے وہ کام کر لوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ (راوی کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی) (بخاری شریف)

تشریح:- خطاب فرماتے ہیں کہ آپ کا جملہ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ (یہ اونٹ میں نے تم کو نہیں دیئے) ایک اخلاقی جملہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس میں میرا تم پر کوئی احسان نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کے حکم سے میں نے تم کو یہ اونٹ دیئے ہیں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میرے حلف کا مطلب مطلقاً دینے سے انکار نہیں تھا بلکہ خاص اس وقت دینے سے انکار تھا۔ جب اونٹ میرے پاس آگئے تو میں نے تم کو دیدیئے۔ یہ ہمارے لئے ایک انعام ایزدی ہے۔

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا

إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (متفق عليه)

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو دیدے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کیلئے کچھ سودمند نہیں۔

تشریح:- سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے جس میں منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان موجد اس کا مامور ہے کہ وہ نفی و اثبات کی صورت میں خدا کی ان صفات کو پنج وقتہ دہرایا کرے یعنی جس طرح لا الہ الا اللہ کی صورت میں وہ معبودان باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح لا مانع لما اعطیت کی شکل سے وہ اس کی ان دو صفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے۔ کیونکہ جب ملک اس کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہئے، وہی دینے والا ہے اور وہی چھیننے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں، قرب کا مدار دولت پر ہو وہاں تو صرف اخلاص و عمل کا رآمد ہوگا کسی کی ثروت دولت کچھ کارآمد نہ ہوگی۔

مخلوق کے متعلق حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلَى إِثْرِ السَّمَاءِ كَأَنَّهُ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَذَرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ بِنُوءٍ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ. (رواه البخاری)

زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ شب کو پانی برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں (دو فریق ہو گئے) ایک مومن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ ہم پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِينَ يُنَزِّلُ اللَّهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ بِكَوْكَبٍ كَذَا وَكَذَا. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مسلم شریف) تشریح:- یہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں کو ناشکر انسان سے یہ شکوہ ہے کہ وہ اس کی فیاضی کا کتنا بڑا ناقدر شناس ہے کہ بارش تو وہ بھیجے اور یہ کہ اس کو اس کی مخلوق کی طرف نسبت کر دے جس کو اس میں کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کوئی جماعت کسی مخلوق میں حقیقی یا خلاف واقع تاثیر کا اعتقاد رکھتی ہے وہاں شریعت اپنا لب و لہجہ سیاق تردید میں ذرا سخت کر دیتی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ محض اپنے اوہام کی بناء پر ان کو عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح موثر سمجھتے تھے جیسا کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھ لیتے ہیں اور تاثیر بھی ایسی جو محض ان کے دماغوں کی تراشیدہ اور صرف وہی ہوتی۔ شریعت نے عالم اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر اس سے روکا ہے کہ غیر سبب کو سبب یا سمیت کو بڑھا کر موثر حقیقی کے برابر بنا دیا جائے اس نے عالم میں ایک غیر مرتبہ سلسلہ کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا دیا ہے اور محض اپنی قدرت کاملہ سے ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالم اسباب رکھ دیا ہے اور بندہ کو یہ فہمائش کر دی ہے کہ وہ اصل کار فرما اسی کی قدرت کو سمجھتا رہے۔ اسلام کی توحید اس مخلوق کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش میں بھی یہ قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقہ شریک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لئے سب سے ضروری چیز بارش تھی اگر اس میں بھی اس کے نزدیک تاثیر ستاروں کی رہے تو پھر اس کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ دراصل شوق و خوف کے دو بازو ہی ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً و کرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف اڑائے لئے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں بھی ایک کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی وہی جانب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر وہ خوف یا طمع سے اس کو خالق کے ساتھ شریک کرنے پر فطرۃً مجبور ہو جاتا ہے اس لئے شریعت نے جا بجا یہ تنبیہ کی ہے کہ حوادثِ عالم میں صرف اسی کی ذات موثر ہے اور اسی کو موثر سمجھنا چاہئے اور اس حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہے کہ جس سے بعض اوقات کسی کوتاہ اندیش کو یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ شاید وہ سلسلہ اسباب ہی کی منکر ہے جی ہاں جن مقامات پر صرف وہم پرستی ہو وہاں ایسا ہی ہونا چاہئے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو جو قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں الجھ کر رہ گئی تھی وہ موثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نووی فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف اسی اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بناء پر جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ضرورت کیا ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) جو لوگ ذوقِ ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور ان مقہور اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور دست قدرت کی اصلی طاقت پر بھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ دیتے ہیں یہ بڑا قصور نظر ہے۔ خدائے تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زُجَلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُمْ

بَيْنَاهُمْ جُلُوسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ وَأَسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هَذَا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ كُنَّا نَقُولُ وَلِذَا لِلَّيْلَةِ رَجُلٌ عَظِيمٌ أَوْ مَاتَ رَجُلٌ عَظِيمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَا يُرْمَى بِهَا لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَوَاتِهِ وَلَكِنْ تَبَارَكَ إِسْمُهُ إِذَا قَضَى أَمْرٌ سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ أَهْلَ هَذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِينَ يَلُونَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُونَهُمْ مَا قَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ أَهْلِ السَّمَوَاتِ بَعْضًا حَتَّى يَبْلُغَ هَذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُخَطِّفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْدِفُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ وَيُرْمُونَ فَمَا جَاؤُ بِهِ عَلَى وَجْهِهِ فَهُوَ حَقٌّ وَلَكِنَّهُمْ يَقْرِفُونَ فِيهِ وَيَزِيدُونَ. (رواه مسلم)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلہ انصار میں کا تھا۔ مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ پہلے تو انہوں نے (ادباً) کہا کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور سلسل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں۔ تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں۔ اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ نوبت اس آسمان والوں تک آ جاتی ہے (یہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لئے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) اور ان میں کوئی کوئی بات سن کر اچک بھی لے جاتے ہیں پھر وہی بات اپنے عاقلوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثناء میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اب جو کلمہ وہ پورا پورا لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ (اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں (اس لئے ان کی بہت باتیں غلط نکلتی ہیں)۔ (مسلم)

تشریح:- آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بیجا عظمت پیدا کر دی تھی اور کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقاد و عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلہ سمیت کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کوتاہ فہموں کو تو یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے۔ یاد رکھو خدائے تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے۔ حدیث کا مضمون از اول تا آخر بار بار پڑھئے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت

سے خالی ہو کر ایک قادر علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہو جائے گا۔

یعنی یہ بات کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا اور غیب کی معمولی خبریں لے بھاگنا تو جو لوگ شیاطین کے تسخیر کے اعمال کرتے ہیں ان سے آج بھی اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کا علم تو بس یہ ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز بھی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے گو اس کا آپ کو کوئی ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو۔ آپ کے اقرار و انکار کے یہ دونوں پہلو آپ کی انتہائی نا انصافی پر مبنی ہیں۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا إِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى حَتَّى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَقُولُونَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ إِلَّا لِمَوْتِ عَظِيمٍ مِنْ عِظَمَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَأَنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَوَاتِهِ وَلَكِنَّهُمَا خَلِيقَتَانِ مِنْ خَلْقِهِ يُحْدِثُ اللَّهُ فِي خَلْقِهِ مَا شَاءَ فَإِنَّهُمَا انْخَسَفَا فَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ أَوْ يُحْدِثِ اللَّهُ أَمْرًا. (رواه النسائي)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے، وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ لہذا جب کسی کو گہن لگا کرے تو نمازیں پڑھا کر روتا آ نکہ یا تو گہن چھوٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا کرشمہ دکھلائے (یعنی قیامت آجائے) (نسائی)

تشریح:- یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس قسم کے موقع پر جو آپ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا، مبادا کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج بھی گرہن آپ کے صاحبزادہ کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے آپ نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ بالکل خلاف واقع بات ہے۔ کسی مخلوق پر کسی مخلوق کی موت وحیۃ سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات ہیں وہ اپنی قدرت کے کرشمے طرح طرح سے دکھایا کرتا ہے تمہارا یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں افراط اور خدائے تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت میں تفریط پر مبنی ہے۔ خدائی تصرفات کو کسی مخلوق کا اثر قرار دینا بھی ایک قسم کا شرک و کفر ہے۔ مخلوق اور اس کے حدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خدائے قادر کے تصرفات لامحدود۔ ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب و مسببات کے سلسلہ میں داخل ہے۔ حدیث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن خواہ کسی اسباب کی بناء پر ہو لیکن قابل عبرت امر یہ ہے کہ بہر حال وہ اسباب بھی اسی کی حکومت کے نیچے ہیں جس کے نیچے یہ شمس و قمر خود ہیں۔

قرآن کریم نے لیل و نہار کی گردش کو بھی قدرت کا بہت بڑا نشان قرار دیا ہے کیا اس کے اسباب نہیں پس یہاں اسباب سے انکار نہیں بلکہ اس کا انکار ہے کہ جہاں سمیت بھی نہ ہو وہاں حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپ کی حیات میں قیامت کا اگرچہ کوئی امکان نہ تھا لیکن ایک قائل مختار کی قدرت کا تماشا دیکھنے والے کی نظروں میں آئین و ضوابط کا استحضار نہیں رہا کرتا اس لئے اس کا خوف غیر اختیاری اور اس کا اضطراب فطری ہوتا ہے۔

عَنْ قَعَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللهُ تَعَالَى هَلِهُ النُّجُومُ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِينَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَعَلَامَاتٍ

يَهْتَدِي بِهَا لَمَنْ تَأْوَلُ فِيهَا بِغَيْرِ ذَلِكَ أَعْطَا وَأَضَاعَ نَصِيْبَهُ وَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ. (رواه البخاری تعلیقاً)

قواعد بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لئے بنایا ہے۔ آسمان کی خوشنمائی اور زینت کے لئے، غیب کی خبریں سننے والے شیطانوں کو مار بھگانے کیلئے، اور (شب میں مسافروں کے لئے) راستہ پانے کی علامتیں۔ اب جس شخص نے بھی ان تین فائدوں کے سوا اس میں اور فائدہ تلاش کیا اس نے غلطی کھائی، اپنا وقت ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایسی بات کے درپے ہوا جس کا اس کو علم نہیں۔ (مطبوعات بخاری)

غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے

عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّنَا بِهِ النَّاسُ

إِلَّا مَا فِي قُرَابِ سَنِيٍّ هَذَا فَأَخْرَجَ صَحِيفَةً فِيهَا: لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ

الْأَرْضِ وَلَمْ يَرْوَاهُ عَنْ غَيْرِ مَنَارِ الْأَرْضِ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ أَوَى مُخْلِئًا. (رواه مسلم)

ابو الطفیل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت سے علیحدہ کچھ خاص خاص تعلیمات بھی دی ہیں انہوں نے فرمایا (اس بارے میں آپ نے کوئی فرق نہیں کیا) ہمیں کوئی بات ایسی نہیں بتائی جو عام لوگوں کو نہ بتائی ہو بجز ان چند امور کے جو میری اس تلوار کے میان میں لکھے ہوئے رکھے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تحریر نکالی جن میں یہ احکام درج تھے۔ خدائے تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی راستہ کے نشانات چرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لَنْ كُوَادْهَرَا دْهَرَا كُرْدَا۔

خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے اور خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی مجرم کو بچا دے۔ (مسلم)

تشریح:۔ غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم قبیح قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے

آ کر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفریں کیلئے قربان کی جاسکتی ہے یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سور کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو تو بھی حلال نہیں ہو سکتا۔ جانوروں کے معاملہ میں تین غلط طریقے رائج تھے ان کو بت یا اور کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا جیسا آج کل

ہندوستان میں ساڈ وغیرہ چھوڑے جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر بھیٹ چڑھانا یا ان کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا اسلام نے ان ہر سہ طریقوں کو قابل نفرت سمجھا ہے۔ رہا اپنے والد پر لعنت کرنا تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ شخص دوسرے کے والد پر لعنت کرے اس کے جواب میں وہ اس کے والد پر لعنت کرے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ چونکہ یہ شخص اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے اپنے والد پر لعنت کا سبب بنا ہے اس لئے یہ بھی اس جرم کا مرتکب شمار ہوگا اور اب اس دور جہاں میں تو براہ راست والد پر لعنت کرنے میں بھی کچھ تعجب نہیں رہا۔ اسی طرح کسی مجرم کو پناہ دینی خواہ اس کا جرم قتل و غارت ہو یا بد دینی و بدعت۔ یہ بھی لعنت کا موجب ہے۔ نسائی میں سائل کے جواب میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ پوشیدہ طور پر مجھے کوئی بات علیحدہ تعلیم فرماتے۔ ہاں صرف اتنا ہوا ہے کہ جس وقت یہ چار باتیں آپ نے فرمائی ہیں اس وقت اتفاق سے میں اور آپ ہی گھر میں موجود تھے۔ غرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے سلسلہ میں جو افسانے تیار کئے گئے ہیں یہ سب بعد کی من گھڑت ہیں۔ تعلیم و تعلم میں منصب نبوت ہرگز کسی تفریق کو برداشت نہیں کر سکتا۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ يَرْفَعُهُ قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ فِي ذُبَابٍ وَدَخَلَ رَجُلٌ النَّارَ فِي ذُبَابٍ قَالُوا وَكَيْفَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَرُّ رَجُلَانِ عَلَى قَوْمٍ لَهُمْ صَنْمٌ لَا يَجُوزُهُ أَحَدٌ حَتَّى يَقْرَبَ لَهُ شَيْئًا فَقَالُوا لَا حَبْلَهِمَا قَرِيبٌ فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِي شَيْءٌ قَالُوا قَرِيبٌ وَلَوْ ذُبَابًا فَقَرِيبٌ ذُبَابًا فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَدَخَلَ النَّارَ وَقَالُوا لِلْآخِرِ قَرِيبٌ فَقَالَ مَا كُنْتُ لَا قَرِيبَ شَيْئًا ذُونَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَضَرَبُوا عُقَّةَ الْجَنَّةِ (رواه احمد)

طارق بن شہاب مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صرف ایک مکھی کی بدولت ایک شخص توجنت میں داخل ہو گیا اور دوسرا دوزخ میں، لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص اس پر بھیٹ چڑھائے بغیر ادھر سے گزر نہیں سکتا تھا اتفاق سے یہ دو شخص ادھر سے گزرے انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھاؤ بولا اس کیلئے میرے پاس تو کچھ نہیں وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھاؤ خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی چڑھا دی اور اس وجہ سے وہ تودوزخ میں گیا انہوں نے اس کو تو چھوڑ دیا اب دوسرے سے کہا کہ تو بھی کچھ چڑھاؤ بولا اللہ کی ذات کے سوا میں تو کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑادی اس لئے یہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (احمد)

عَنْ نُبَيْشَةَ الْهَذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) إِنَّا كُنَّا نَعْبُرُ عَجِيرَةَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَمَّا قَامَرُنَا قَالَ إِذْ بَحُّوا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي أَيْ شَهْرٍ كَانَ وَبَرُّوا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَطَعُمُوا. (رواه النسائي)

نبیہ ہذلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کفر کے زمانہ میں ماہ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے۔ فرمایا بس (جب جانور ذبح کرو) تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو۔ (نسائی)

تشریح:- یعنی یہ سب مصارف خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے اچھے کام بھی

نیکی نہیں رہتے۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بنا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہئے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو بْنَ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلَدٍ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ فَقُلِمَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةٌ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ إِنِّي لَسْتُ أَكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا أَكُلُ إِلَّا عَمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنْ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيبُ عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ وَيَقُولُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللَّهُ وَأَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَأَبْنَتْ لَهَا مِنَ الْأَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُونَهَا عَلَى غَيْرِ اسْمِ اللَّهِ إِنْكَارًا لِلذِّكْرِ وَأَعْظَامًا لَهُ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مقام بلدح کے تحتانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی اس وقت تک آپ پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا آپ نے اس کو کھانے سے انکار فرما دیا۔ اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، وہی اس کے لئے آسمان سے بارش بھیجے اور وہی اس کے لئے سبزہ اُگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرو، اس تقریر سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول وحی سے قبل بھی رسوم شرکیہ سے ہمیشہ علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ اور بھی موجود تھے جو ملت ابراہیمی کے اثر سے افعال شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا بھی ملت ابراہیمہ کا ایک حکم تھا۔ (ترجمان السنہ ص ۵۳۶)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَى النَّارِ فَرَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ تُعَذِّبُ فِي هِرَّةٍ لَهَا رَبَطْتُهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا وَلَمْ تَدْعُهَا تَأْكُلُ مِنْ خُشَّاسِ الْأَرْضِ حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا وَرَأَيْتُ عَمْرٍو بْنَ عَامِرٍ الْخَزَاعِيَّ يَجُرُّ قَصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَابِ. (رواه مسلم)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت کو عذاب ہو رہا ہے اس بناء پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو وہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی یہاں تک کہ وہ بھوک کے مارے مر گئی اور میں نے اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کئے۔ (مسلم شریف)

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا مَنُ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ إِلَّا بِاللَّهِ فَكَانَتْ قُرَيْشٌ يَحْلِفُ بِأَبَائِهَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوا بِأَبَاءِكُمْ. (رواه البخاری وغیرہ)

ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے۔ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرما دیا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔ (بخاری)

تشریح:- اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے پس چاہئے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی جائیں اور اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی قسم کھائی جائے، باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔ امام بخاریؒ نے (مناقب مہاجرین کے باب سے قبل) ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ انوار یضر بونا علی الشہادۃ والعہد ونحن صغار (لڑکپن میں ہمیں اس بات پر تنبیہ کی جاتی تھی کہ ہم باہمی گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ بے محابا استعمال نہ کریں تاکہ ان کی اہمیت ہمارے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔ (ج ۱ ص ۵۱۵)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ. (رواہ الحرملی)

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

تشریح:- امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حلف بغیر اللہ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقہ حکم لگا دینا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے اس لئے ان کو تغلیظاً شرک کہہ دیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

مسلمان کی شان

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (ابن خلی)

عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

تشریح:- گویا سب و شتم کی بدنمائی تو کسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل و قتال کرنا قابل برداشت نہیں ہو سکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتہ اسلامی کو قطع کر دیتی ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفْرًا

يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (رواہ البخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

تشریح:- ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام دراصل صرف شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں جو اس کی اس شہادت باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں۔ ان افعال کو شہادتین کے ساتھ اگر گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لئے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگرچہ اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے لیکن کفر کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا بین ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مومن کے لئے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعال کفر نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اس قسم کے افعال سے کافر تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، مسلمان کو چاہئے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔

تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقالی ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُضَاهَوْنَ بِخَلْقِ اللَّهِ. (متفق عليه)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور) (متفق علیہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، بھلا اس سے بڑھ کر ظالم آدمی کون ہوگا جو (مخلوق ہو کر) میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہے اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھا دے (یہ نہ سہی) ایک دانہ یا ایک جوہی بنا کر دکھا دے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي اجْلِسْ وَصَعِدَ عَلَيَّ مَنَكِبِي فَلَذَبْتُ لِأَنْتَهَيْتُ بِهِ فَرَأَى مِنِّي ضَعْفًا فَنَزَلَ وَجَلَسَ لِي نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لِي اصْعِدْ عَلَيَّ مَنَكِبِي فَصَعِدْتُ عَلَى مَنَكِبِيهِ قَالَ فَتَهَضَّ بِي فَإِنَّهُ يُخِيلُ إِلَيَّ إِنِّي لَوْ هِنْتُ لَنِلْتُ أَفْقَ السَّمَاءِ حَتَّى صَعِدْتُ عَلَى الْبَيْتِ وَعَلَيْهِ بِمِثَالِ صُفْرِ أَوْ نُحَاسٍ أَنَا وَلَهُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ حَتَّى اسْتَمَكَنْتُ مِنْهُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْدِفْ بِهِ فَإِنْ كَسَرَ كَمَا يَنْكَسِرُ الْقَوَارِيرُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَإِنْ طَلَقْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتَّى تَوَارَيْنَا بِالْبُيُوتِ خَشْيَةً أَنْ يَلْقَانَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. (رواه احمد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے، آپ نے (بیت اللہ کے اندر جا کر) مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ اور آپ میرے کاندھوں پر چڑھ گئے میں آپ کو لے کر کھڑا ہونے لگا تو آپ نے محسوس کیا کہ مجھے اٹھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے یہ دیکھ کر آپ اتر پڑے اور میرے سامنے خود بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا تو تم میرے کاندھوں پر چڑھ جاؤ۔ میں آپ کے کاندھوں پر چڑھ گیا۔ یہ فرماتے ہیں۔ آپ مجھ کو لے کر کھڑے ہوئے تو مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ اتنا اونچا ہوا کہ بیت اللہ پر پہنچ گیا۔ اس وقت بیت اللہ میں پیتل یا تانبے کے بت رکھے ہوئے تھے میں ان کو اپنے دائیں، بائیں، سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا یہاں تک کہ میں نے سب اٹھالئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینک دو (میں نے ان کو پھینک دیا) اور وہ گر کر شیشے کی طرح چور چور ہو گئے پھر میں اتر آیا اور میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھروں کی دیواروں میں چھپتے ہوئے واپس آ گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمیں دیکھ پائیں۔ (احمد)

تشریح:- نبوت کے اس جبل عظیم الشان کا بار اسد اللہ بھی جتنا سنبھال گئے تعجب خیز تھا آخر اس کی تاب نہ لا سکے اور بیٹھ گئے پھر جب آپ کے کاندھوں پر جگہ مل گئی جن کی رفعت کے سامنے عرش بریں بھی نیچا تھا تو آسمانوں کی بلندیوں کو ہاتھ لگانا ایک تماشہ نظر آنے لگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ معلوم رہے کہ یہ خاص خاص مناظر ہیں جو خاص خاص مواقع پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بیت اللہ کی دیواروں سے بتوں کے مجسمے اتارنے کے وقت ایسے ہی نظارے کی ضرورت تھی چنانچہ قدرت نے وہی نظارہ حضرت علیؓ کے سامنے کر دیا تھا۔ اس سے قبل جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی بناء فرما رہے تھے تو جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی بنا ہو رہی تھی وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی اونچا ہو جاتا تھا۔ یہاں جو نظارہ نظر آیا اس کا سا کچھ اور ہی تھا۔ اس جگہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی فروتنی بھی قابل دید تھی کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں کس طرح اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے نفس کو پیش کر دیا تھا۔

قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَذَارُونَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا ضَرَبُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تَكْتَبُوا بَعْضُهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكُلُّوا إِلَى عَالِمِهِ. (رواه احمد. وابن ماجه)

عمر بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ بھی یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کیلئے مصدق ہو کر اتری ہے اس لئے تم اس میں اختلاف پیدا کر کے اس کی تکذیب نہ کرو، اس کا

جو حصہ سمجھ لو وہ تو بیان کر دو اور جو تم نہ سمجھو اسے اس کے حوالہ کر دو جو اس کا جاننے والا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

تشریح:- داری کی ایک طویل حدیث میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ المرء فی القرآن کفر۔ (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مرء کا مصداق بھی یہی تدار اور قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرنا ہے۔ سبع قراءت جو بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں انما هی فی الامر تکون واحداً لا تختلف فی حلال ولا حرام (بخاری و مسلم) یہ تمام قراءتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے۔ حلال و حرام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پس حدیث کی ہدایت یہ ہے کہ قرآن کریم کو دوسری معمولی کتابوں کی طرح معرکہ بحث نہ بنانا چاہئے۔ خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہوتا ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف و تناقض ممکن نہیں اس کے بعد اگر کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہو تو اسے اپنا ہی تصور علم سمجھنا چاہئے اور اسلوب بحث وہ اختیار کرنا چاہئے جس میں ان آیات کے درمیان توافق پیدا ہو۔ علمی زور خرچ کر کے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اپنے لئے کفر اور دوسروں کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لئے اس کو ہادم اسلام قرار دیا ہے۔

ریا کاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَغْنِي الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكَ

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرْكُهُ وَشِرْكُهُ وَفِي رِوَايَةٍ لَنَا مِنْهُ بَرِيٌّ هُوَ لِلَّذِي عَمِلَهُ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لئے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ اسی کے لئے رہے جس کے لئے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بِنِ أَبِي قُصَّالَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَمَعَ اللَّهُ

النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ نَادَى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ لِلَّهِ أَحَدًا

فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكَ. (رواہ احمد)

ابو سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کریگا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہئے کہ (آج) اس کا ثواب اسی غیر سے جا کر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز اللہ کی ذات پاک ہے۔ (احمد)

عَنْ شَدَادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ

أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ. (رواه احمد)

شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نماز کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے نماز کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نماز کے لئے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔ (احمد)

وَعَنْهُ أَنَّهُ بَكَى فَقِيلَ لَهُ مَا يُبْكِيكَ قَالَ شَيْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ فَلَذَكَرْتُهُ فَأَبْكَانِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اتَّخَوْفُ عَلَى أُمَّتِي

الشِّرْكَ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَشْرِكُ أُمَّتَكَ مِنْ بَعْدِكَ قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَا

تَعْبُدُونَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلَكِنْ يُرَاوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ أَنْ يُصْبِحَ

أَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضَ لَهُ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهِ فَيَتْرُكُ صَوْمَهُ. (رواه احمد والبيهقى فى شعب الایمان)

شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب

دیا کہ مجھے ایک بات یاد آ گئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے خود سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آپ کو

فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرک خفی اور شہوت خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائیگی آپ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و

ماہتاب کی عبادت کریں گی اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے اعمال میں ریاء کاری کا شکار ہو جائے گی (یہ تو شرک خفی ہوا)

اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آ جائے جو اس کی

مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد۔ شعب الایمان)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَخَوْفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ

الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ رواه احمد وزاد

البيهقى فى شعب الایمان يقول الله لهم يوم يُجَازَى الْعِبَادَ بِأَعْمَالِهِمْ اذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ

كُنْتُمْ تُرَاوْنَ فِي الدُّنْيَا فَاَنْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عَنْدهُمْ جَزَاءً وَخَيْرًا.

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر ہے تو

شرک اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شرک اصغر کیا چیز ہے فرمایا ریاء اور نماز۔ (مسند امام احمد) بیہقی

نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا اس دن ریاء کاروں سے کہے گا جاؤ ان کے

پاس جن کی خاطر تم دنیا میں ریاء کاری کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب ملتا ہے؟

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ الْمَسِيحَ

الدَّجَالَ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخَوْفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَقُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ

قَالَ الشِّرْكَ الْخَفِيُّ أَنَّ يَقُومَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيَزِيدُ صَلَوَتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرٍ رَجُلٍ. (رواه ابن ماجه)

ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شے نہ بتاؤں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتائیے فرمایا وہ شرک خفی ہے اور شرک خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لئے اور لمبا کر دے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- مسیح دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت محدود زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو اس فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرک خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کیلئے ہے اس لئے جن کی زبانوں پر ایک مستقل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے ساتھ آ رہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے اور ان کو بھی ہو سکتا ہے۔ وقتی طور پر متاثر قلوب کو کسی اور اہم معاملہ سے متاثر کرنے کا یہ بھی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ أَتَى الشَّامَ فَرَأَى النَّصَارَى تَسْجُدُ لِبَطَارِ قَتِهَا وَأَسَاقِفَتِهَا قَالَ فَقُلْتُ لَأَيِّ شَيْءٍ تَصْنَعُونَ قَالُوا هَذَا كَانَ تَحِيَّةً لِلْأَنْبِيَاءِ قَبْلَنَا فَقُلْتُ نَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَصْنَعَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُمْ كَذَبُوا عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ كَمَا حَرَفُوا كِتَابَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبَدَلَنَا خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (رواه احمد)

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدے کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہ سجدے کیوں کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم سے پیشتر نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ میں نے کہا تو پھر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کرنے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے سر یہ جھوٹ اسی طرح لگا دیا ہے جس طرح اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ہم کو سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ لفظ السلام (علیکم) ہے، یہ طریقہ اہل جنت کے باہم سلام کرنے کا ہے۔ (احمد)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكِنًا عَلَى عَصَا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعْظِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواه ابوداؤد)

ابو امامہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لئے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے لوگ کھڑے ہو کر بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:- عرب کی محبت بے تکلف اور مخلصانہ ہوتی ہے اس سے اسلام کے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا۔ عجم کی محبت پر تکلف ہوتی ہے اس میں اسلامی حدود کے ادھر ادھر ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے آپ نے ان کو تعظیم کی اسی منزل پر روک دیا جہاں تک محبت بے لوث رہتی ہے اور عبادت کے ہمرنگ ہونے نہیں پاتی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا رہنا کھڑے رہنے والوں کی بھی

ایک نفسی تحقیر ہے اور جس کے لئے یہ تعظیم کی جائے اس کے حدود تعظیم سے بھی زیادہ بات ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا إِذَا

رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَةِ لِذَلِكَ. (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب و محترم نہ تھا، اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ کو نا پسند ہوتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح:- سبحان اللہ! صحیح محبت اسی کا نام ہے

فاترک ما ارید لما یرید

ارید وصالہ ویرید ہجری

شاعر کہتا ہے کہ میں تو اپنے دل میں اس کے وصل کی تڑپ رکھتا ہوں مگر وہ میرے فراق پر تلا ہوا ہے اب میری محبت کا فیصلہ یہ ہے کہ میں اس کی آرزو کے سامنے اپنی آرزو خاک میں ملا دوں اور شربت وصل کے بجائے تلخی فراق پر راضی ہو جاؤں۔ قیام فی نفسہ جائز ہے مگر جہاں جہاں جذبات محبت میں حدود سے تجاوز کرنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو ان کے جائز حسرت و ارمان نکال لینے کی اجازت بھی نہیں دی۔ اور ان کو یہ تلخ گھونٹ اس لئے پلا دیئے کہ آئندہ کہیں امت کے نادیدہ مجہین اپنی فرط محبت میں تعظیم کی حدود سے نکل کر عبادت کی سرحد میں نہ کود پڑیں۔

عَنْ أَبِي خُزَيْمَةَ أَنَّهُ يَرَى فِيمَا يَرَى النَّاسُ أَنَّهُ سَجَدَ عَلَى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَأَخْبَرَهُ فَأَضْطَجَعَ لَهُ وَقَالَ صَدِّقَ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلَى جَبْهَتِهِ. (رواه فی شرح السنہ کما فی مشکوٰۃ)

ابو خزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں یہ خواب آپ سے بھی ذکر کیا آپ لیٹ گئے اور فرمایا لو اپنا خواب پورا کر لو، اس نے آپ کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کر لیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

تشریح:- کسی کے دل کی حسرت اگر اس طرح پوری ہوتی ہے تو بھلا اس فیاض بارگاہ میں اس سے کیا بخل ہو سکتا تھا، کتنی فروتنی فرمائی کہ کھڑے سے لیٹ گئے اور اپنے جسم کو بھی اسی خاک پر لٹا دیا جس پر وہ اپنے خدا کو سجدہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر خواہ اس زمین پر ہو یا اس جسم پر گویا سجدہ کا رخ بدلنے نہ پائے۔ مکان سجدہ خواہ کچھ رہے سبحان اللہ وہ کیسا خوش نصیب ہوگا جسے آج اپنے بزرگ و برتر خدا کے سجدہ کے لئے وہ مکان ہاتھ آ گیا جو عرش و کرسی سے بھی افضل تھا۔ جواب میں اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ صورت بھی صرف رؤیاء مومن کی تصدیق کی خاطر گوارا کی گئی ہے ورنہ یہ نفس سجدہ کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ قربان جائے ان صحابہ پر انہوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور پھر کسی نے یہ درخواست نہ کی۔ دراصل وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف ایک امتی کی دلداری ہے شریعت نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَجَاءَ

بَعِيرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَتَحْنُ أَحَقُّ أَنْ تَسْجُدَ

لَكَ فَقَالَ أَعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَاکْرِمُوا أَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ أَمْرُ أَحَدٍ أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْءَةَ أَنْ

تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ أَمَرَهَا أَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ أَصْفَرَ إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَبْيَضَ

كَانَ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَهُ. (رواه احمد وروی الترمذی قوله صلى الله عليه وسلم لو كنت امر احدا الخ عن ابی هريرة)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو جب جانور اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو، اگر میں کسی کو یہ اجازت دیتا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کر لے اگر اس کا شوہر اسے یہ حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ اٹھا کر رکھ دے تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کے لئے بھی تیار ہو جائے۔ (مسند امام احمد)

تشریح:- اس حدیث میں آپ نے بڑے ایجاز و بلاغت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ اخوت کا حق صرف تعظیم و تکریم ہے عبادت نہیں۔ یہ صرف ایک ہی کا حق ہے اور اسی کے لئے بلا شرکت ادا کرنا چاہئے۔ ایک غیر مکلف جانور کے سجدہ کی ایک مکلف انسان کو نقل اتارنا غلط ہے یہ اس کا سجدہ تھا جس سے شریعت کا کوئی خطاب نہیں اور یہاں بحث اس کی ہے جس کی ایک ایک جنبش کرانا کاتبین کے قلم کے نیچے ہے۔ اسوۂ صحابہ چھوڑ کر اسوۂ حیوان اختیار کرنا انسانی عقل کا کام نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ أَيْنَحْنِي لَهُ قَالَ لَا

قَالَ أَفِيَلْتَزِمُهُ وَيُقْبِلُهُ قَالَ لَا قَالَ أَفِيَأْخُذُهُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ. (رواه الترمذی)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم میں ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی تعظیم کے لئے جھک سکتا ہے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو کیا اس کو چپٹ کر بوسہ دے سکتا ہے فرمایا اس کی بھی کیا ضرورت ہے پھر انہوں نے پوچھا کیا اس سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کر سکتا ہے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)

تشریح:- اسلام نے مسرت و غم اور تعظیم و تکریم سب کی حدود مقرر فرمائی ہیں بندگی ان کی پابندی ہی میں ہے جو ان حدود سے جتنا باہر گیا یقین کر لو کہ اس نے اتنے ہی اپنے حدود بندگی توڑ ڈالے۔ اگر وہ اس پر خوش ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَتَنَائِبَهُ

إِسْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (رواه مالک مرسل)

عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے خدایا میری قبر کو ایک بت نہ بنا دینا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ خدائے تعالیٰ کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا ڈالا۔ (مالک)

تشریح:- غضب الہی کا مشہور مورد فرقہ یہود ہے حتیٰ کہ مغضوب علیہم ان کا ایک لقب بن گیا ہے پھر نصاریٰ بھی ان ہی

کے نقش قدم پر چل پڑے اور چونکہ انبیاء یہود ان کے نزدیک بھی قابل احترام تھے اس لئے انہوں نے بھی اس بد عملی میں ان کی نقل اتاری اور جب کبھی ان کے کسی بھلے آدمی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی ان کی قبر کو مسجد بنا لینے کا وہی دستور جاری رکھا اسی لئے حدیث میں جب خاص نصاریٰ کی گمراہی کا ذکر آتا ہے تو رجل صالح کا لفظ آتا ہے اور جب خاص یہود کا ذکر آتا ہے تو صرف انبیاء کا تذکرہ آتا ہے اور جب ان کی مشترکہ گمراہی کا حال مذکور ہوتا ہے تو انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ ذیل سے ظاہر ہے اس کے علاوہ راوی کے تو سعات ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً تُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيبَةَ أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ فَلَذَكَّرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرِهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ أُولَئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوْرَ أُولَئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللَّهِ. (متفق عليه)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے اس گرجے کا قصد کر لیا جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ پہلے وہاں جا چکی تھیں جب انہوں نے اس کے حسن و خوبی اور تصویروں کا حال بیان کیا تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں ان کی تصویر بنادیتے تھے یہی لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حضرت ام حبیبہ و حضرت ام سلمہ اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہ کے شوہر کا تو وہیں انتقال ہو گیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا تھا اور ان کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کر کے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ حضرت ام سلمہ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آ کر ہوا ہے اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آ گئیں تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کنیسہ ماریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطر داری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی محفل میں اس کا ذکر بھی آ گیا تھا مگر خدا کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدائے تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لئے آپ کی زبان اپنی حیوۃ کے آخری لمحات تک جس امر کے لئے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ

قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنهَاكُمُ عَنْ ذَلِكَ. (رواہ مسلم)

جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے بغور سن لو کہ تم سے پیشتر امتیں اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا کرتے تھے۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کئے جاتا ہوں۔ (مسلم)

تشریح:- ابتداء میں ان بزرگوں کی تصاویر گرجوں میں محض تہرکا رکھی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ جاہلوں نے ان کی عبادت

بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا الفاظ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی، پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے ارد گرد مع ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چار دیواری بھی کھنچوادی گئی تاکہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے جس نے جیتے جی اپنے لئے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ واللہ المستعان علی ماتصفون۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَخَذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جا جا کر ان کو سجدے کرتی اور چراغ جلاتی ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي غَزَاةٍ فَأَخَذَتْ نَمَطًا فَسَرَتْهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتَّى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ. (متفق عليه)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ میں نے (آپ کے پیچھے) ایک نقشین چادر لیکر دروازہ کے اوپر ڈال دی جب آپ تشریف لائے اور آپ نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ سوچو کہ اگر اپنی حیات میں آپ کو اپنے گھر کی درو دیوار کی یہ زینت پسند نہ آئی تو کیا یہ زینت وفات کے بعد اپنی قبر کی پسند آ سکتی ہے پھر آپ نے اس کو پھاڑ ڈالنے پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ اسکی لغویت کو اس طرح واضح بھی فرمادیا کہ جو نعمت لباس ہمارے باپ آدم کو بڑی آہ و زاری کے بعد میسر آئی تھی کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سب سے ذلیل مخلوق کی نذر کر دیا جائے یعنی اینٹوں اور پتھروں کے۔ بالخصوص جبکہ اس میں اس قوم کے ساتھ پوری پوری مشابہت بھی پیدا ہوتی ہو جو اسی طرح بتوں کو بغرض تعظیم مزین کیا کرتی تھی جہاں عمل شرک کا ہو وہاں شریعت نیتوں کا فرق نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عائشہؓ کی نیت نہ تو پتھروں کی تعظیم تھی اور نہ ان کی زینت، بلکہ آپ ہی کی تعظیم اور آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔ مگر خدائے تعالیٰ کے رسول ایسی تعظیم سے کبھی

خوش نہیں ہوتے جو بے معنی ہونے کے ساتھ ان کی حدودِ تعظیم سے متجاوز اور اعمالِ شرک سے ملتبس ہو۔ اس کے بعد اب یہ انصاف تم ہی پر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی (اپنے گھر کی دیواروں پر چادریں لٹکانا پسند نہ فرمائیں تو کیا اس کی امت کے برگزیدہ افراد اپنی قبر پر بیش قیمت دوشالے پڑے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے ساتھ ایسی بیجا عقیدت نہ رکھیں جو ان کے لئے موجب تکلیف و ندامت ہو۔

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرنے کے لئے عرض کیا جائیگا تو وہ ان الفاظ میں معذرت فرمائیں گے ”انی عبدت من دون الله“ مجھے تو ایک قوم کی قوم خدا کے سواء معبود بنائے بیٹھی ہے اس میں غلطی اگرچہ سراسر اسی کی ہے مگر چونکہ وہ ہے میری امت اس لئے ان کی غلطی سے آنکھیں میری نیچی ہیں۔ عیسائی اس فریق میں مبتلا ہیں کہ وہ عیسیٰ پرستی سے اپنی محبت کا حق اور ان کا تقرب حاصل کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سراسر خدا کی حق تلفی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کے جرم کے مرتکب ہیں۔ افسوس اس امت پر جو آخر میں اس لئے آئی تھی کہ پہلی امتوں کی گمراہیاں سن کر ان سے احتراز کرے مگر وہ چھانٹ چھانٹ کر ان میں ایک ایک کو اختیار کر رہی ہے۔ صدق اللہ ورسولہ لتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرْظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّا لَجُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُطْلِعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْعٍ فَلَمَّا رَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَرَاحَ فِي حُلَّةٍ وَوَضَعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةً وَرُفِعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بَيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِمَّا الْيَوْمَ نَفْرُغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الترمذی)

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث اس شخص نے ذکر کی ہے جس نے خود حضرت علی سے سنا تھا وہ کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر آنکے اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کا پیوند لگ رہا تھا آپ نے جب ان کو دیکھا تو آپ کو بے اختیار رونا آ گیا ان کی اس حالت ناز و نعمت کو یاد کر کے جو کفر کے زمانہ میں ان کی تھی اور اس خستہ حالت کو دیکھ کر جو اسلام کے بعد بن گئی تھی پھر فرمایا بتاؤ اس زمانہ میں تمہاری دینی رفتار کیسی ہوگی جبکہ تم پر فارغ البالی کا یہ عالم ہوگا کہ صبح کو ایک لباس پہنا کرو گے اور شام کو دوسرا اور کھانے پر ایک پیالہ تمہارے سامنے سے اٹھایا جائے گا اور پھر دوسرا رکھا جائے گا۔ اور رہائش میں رفاہیت کا یہ حال ہوگا کہ اپنے گھروں کو لباس سے اس طرح آراستہ کیا کرو گے جیسا خانہ کعبہ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کی نسبت ایسے زمانہ میں تو ہمارا حال بہت ہی بہتر ہوگا۔ معاش کے لئے محنت، مشقت کی حاجت نہ ہوگی بس عبادت کے لئے فرصت ہی فرصت مل جائے گی۔ فرمایا نہیں اس دن کی نسبت تم اس عسرت ہی کے زمانہ میں بہتر ہو۔ (ترمذی شریف)

تشریح:- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پوشش کا دستور آپ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ اسی کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تعظیم، بندوں کی تعظیم سے ممتاز تھی اسی طرح اس کے گھر کی تعظیم بھی بندوں کے گھروں کی تعظیم سے علیحدہ تھی۔ قبروں کے اوپر چادریں چڑھانے کا تو وہاں کوئی تخیل ہی نہ تھا آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبوب ترین ہستیاں سپرد خاک کیں حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کے متعلق تو یہ فرمایا کہ اگر مجھے ان کی ہمشیرہ کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی نعش کو یونہی پڑا ہوا چھوڑ دیتا تا کہ ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا کہ اس بیکسی پر ان پر تو خدائے تعالیٰ کی رحمتیں اور متوجہ ہوتیں اور ان کے دشمنوں پر نگاہِ خشم اور سخت ہو جاتی مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے لئے بھی آپ نے ایک چادر کے ٹکڑے کی بھی تمنا کی ہو جو اس کی قبر پر ڈالی جائے بلکہ کفن میں بھی یہی تاکید فرمائی کہ زیادہ قیمتی نہ ہو پھر جب براہ راست میت کے لباس کا قیمتی ہونا پسند نہ ہوا تو اس کی قبر پر بیش بہا چادروں کا خود ہی اندازہ کر لو۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ إِبِلُ
لِلشَّيَاطِينِ وَبُيُوتُ لِلشَّيَاطِينِ فَأَمَّا إِبِلُ الشَّيَاطِينِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِنَجِيَّاتٍ مَعَهُ قَدْ
أَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلَمُ بِغَيْرِهَا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِأَخِيهِ قَدْ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا يَحْمِلُهُ وَأَمَّا بُيُوتُ الشَّيَاطِينِ فَلَمْ أَرَهَا
كَانَ سَعِيدٌ يَقُولُ لَا أَرَاهَا إِلَّا هَذِهِ الْأَقْفَاصَ الَّتِي يَسْتُرُ النَّاسُ بِالذِّيَبِاجِ. (رواه ابوداؤد)

سعید بن ابی ہند ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ شیاطین کے اونٹ اور شیاطین کے مکانات ہوں گے۔ شیاطین کے اونٹ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ شیاطین کے اونٹ تو یہی ہیں کہ تم میں ایک شخص عمدہ عمدہ اونٹیاں لیکر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فرہ کر رکھا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوار ہونے کی نوبت نہیں آتی اور اپنے ایک ایسے خستہ حال بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہے اور اس غریب کو سواری کیلئے نہیں دیتا۔ رہ گئے شیاطین کے مکانات وہ میں نے نہیں دیکھے۔ سعید (راوی حدیث) کہتے تھے میرے خیال میں ہوں نہ ہوں وہ یہی پنجرے سے کجاوہ ہیں جن کو لوگ ریشم ڈال کر مزین کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:- معلوم نہیں کہ جب سعید بن ابی ہند کی نظر میں ان اقفاص (کجاووں) کا نما بیوت شیطان تھا تو وہ ان قبور کو کیا کہتے جو ان اقفاص سے کہیں بیش بہا ریشمیں چادروں سے مزین ہوتی ہیں پھر یہاں تو بے جا زینت اور اسراف کے سواء اور کوئی جرم بھی نہیں ہے مگر وہاں رسوم شرک سے بہت کچھ مشابہت پیدا ہو رہی ہے خوب سن لو اس کی جوابدہی ہرگز ان بزرگوں کے ذمہ نہیں ہو سکتی جنہوں نے اپنی ساری زندگی ایک پھٹی کملی میں گذاردی ہو اس کا جواب ان کو دینا ہے جنہوں نے ان کی وفات کے بعد حدودِ شریعت کو توڑا ہے۔

عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لِي عَلِيُّ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدْعَ بِمِثَالٍ إِلَّا طَمَسَتْهُ وَلَا تَقْبُرَ مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ. (رواه مسلم)

ابو الہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو بھی اسی خدمت پر مامور نہ کروں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ جس تصویر کو دیکھو اسے مٹاؤ اور جس قبر کو اونچا دیکھو اسے نیچا کر دینا۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي مَرْثِدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوا عَلَى

الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا. (رواه مسلم)

ابو مرثد غنوی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو) قبروں پر نہ تو بیٹھا کرو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مسلم)

تشریح: قبروں کے معاملہ میں متوسط تعلیم یہ ہے جو مردوں کی توہین اور ان کی حد سے متجاوز تعظیم دونوں سے خالی ہے انسان ایک اشرف نوع ہے تو حید کا تقاضا نہ تو یہ ہے کہ اس کی قبر کی بلاوجہ توہین کی جائے اور نہ اس میں اتنا خلخل قابل تحمل ہے کہ بتوں کی طرح اس کو سامنے رکھ کر اس کی طرف نمازیں ادا کی جائیں۔ افسوس کہ دنیا اس متوسط تعلیم کو بھی قائم نہ رکھ سکی یا تو اس نے قبروں کو کھود کر پھینک ڈالنا اقتضاء تو حید سمجھایا پھر اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا بھی خلاف تو حید نہ جانا بلکہ قبروں کو سجدہ کرنا اور ان پر جا جا کر چراغ جلانا فرض و واجب کے درجہ پر سمجھ لیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس کی قبر میں عمل کی روشنی نہ ہو اس کی قبر پر چراغ کی روشنی کرنے سے کیا حاصل ہے۔ رہا پہلی حدیث میں قبروں کے نیچا کرنے کا مطلب۔ تو اگر ان کو مسمار کر دینا دین کی سنت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو صحابہ کا پورا مجمع زمین سے ایک بالشت اونچا کیوں رکھتا۔ ابو داؤد کی روایت میں قاسم بن محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جا کر دیکھا تو وہ بالکل زمین کے برابر نہ تھی۔ افراط و تفریط کے دونوں راستے غلط ہیں۔ نیز قبروں کے متعلق جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان کی ادائیگی کی صورت کیا رہتی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ

أَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلَّى صَلَاةُ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِينَ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتَّى

تَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِينَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِينَ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلَّى فَإِنَّ الصَّلَاةَ

مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِيلَ الظِّلُّ بِالرُّمَحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا

أَقْبَلَ الْفَيْ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى

تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ

فَالْوُضُوءُ حَدَّثَنِي عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يَقْرُبُ وَضُوءَهُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَغْشِرُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا

وَحْبِهِ وَفِيهِ وَخَيَاشِيمِهِ ثُمَّ إِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَحْبِهِ مِنْ أَطْرَافِ لِحْيَتِهِ

مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ

إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهِ مِنْ أَطْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا

رِجْلَيْهِ مِنْ أَمَامِهِ مَعَ الْمَاءِ فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى فَحَمْدُ اللَّهِ وَآلَتِي عَلَيْهِ وَمَجْدُهُ بِالْأَيْدِي هُوَ لَهُ أَهْلُهُ

وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلَّهِ إِلَّا أَنْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَاتِهِ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (رواه مسلم)

عمر بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا

اور میں نے عرض کیا مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمائیے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ لو جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو جب تک آفتاب طلوع ہو رہا ہو کوئی نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ اونچا نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ نکلتا ہے تو شیطان کی سرکی دو جانبوں کے درمیان نکلتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آگے کیونکہ اس نماز میں خدائے تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو، یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہو لے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے سرکی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا یا نبی اللہ اچھا وضوء کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضوء کے لئے پانی لے کر وضوء کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس کے بعد شریعت کے حکم کے موافق منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی ڈاڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں، اس کے بعد جب وہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں، پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی کوتاہیاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہو گیا اور نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللہم پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا کی، ایسی حمد و ثناء جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اللہ کے واسطے خالی کر لیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو گناہوں سے ایسا پاک، صاف ہو گا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

تشریح:- یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہاں کفار کی عبادت اور قرنِ شیطانی کے مجموعہ نے ایک حقیقت شرکیہ پیدا کر دی ہے۔ اس لئے ان حدیثوں میں اسی حقیقت کے پیش نظر ہم کو عبادت سے روکا گیا ہے اور اسی لئے ان اوقات کے سواء جن میں کہ کفار اس کی عبادت نہیں کرتے تو شیطان بھی ہمارے قبلہ کی جانب آ کر کھڑا نہیں ہوتا۔ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح خاص خاص اوقات باری تعالیٰ کی رحمت کے لئے مقرر ہیں ان میں اس کی رحمت سماء دنیا پر ظاہر ہوتی ہے دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بندوں کے اعمال نامے آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح طاغوتی مظاہروں کے بھی کچھ مخصوص اوقات مقرر ہیں شریعت نے اوقاتِ رحمت کی اطلاع دیکر ان میں عبادت کی ترغیب دی ہے اور اوقاتِ شیطان میں نمازوں سے روک دیا ہے اس کے برخلاف شرکیہ مذاہب میں ٹھیک ان ہی اوقات کی ترغیب دی گئی ہے جن میں شیطانی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے اس روحانی اعانت و مدد کی وجہ سے دونوں جگہ ہر دو قسم کے عبادت گزاروں کو اپنی اپنی عبادتوں میں خوب لطف حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے اپنے مذاق کے موافق جدا جدا دونوں اسے آثارِ قبولیت سمجھتے رہتے ہیں، بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے اور ایک معبودِ حقیقی کا عبادت گزار، مؤذن کی صدائے اللہ اکبر میں سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس التباس کو دور کر دیتے ہیں اور توحیدِ حقیقی کا ایسا نشانہ پلا دیتے ہیں کہ پھر سوائے احد احد کے نہ دل میں کسی کی سمائی رہتی ہے نہ زبان

پر کسی کی گنجائش۔ اکثر مقامات پر شریعت نے صرف امر و نہی پر کفایت کی ہے لیکن انسانی معرفت اور اس کی علمی ترقی کے لئے جہاں کسی باطنی علت پر تنبیہ فرمائی ہے وہاں ہی نادان انسان اور الجھ گیا ہے۔ اب سوچو کہ اگر تمہارے خیال کے موافق شریعت ہر جگہ اسباب و علل کو واضح کر جاتی تو تمہاری ضدی طبیعت اعتماد و تسلیم کے بجائے جنگ و جدل کے کتنے راستے تلاش کر لیتی۔

نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

عَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَرَّائْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُودٍ

أَوْ عُمُودٍ وَلَا شَجَرَةً إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ وَلَا يَضُمُّدُ لَهُ صَمَدًا. (رواه ابوداؤد)

مقداد بن اسود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ اس کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کر لیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھ لینا بھی شرعی مصلحت کی بناء پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی عادی قوم اسلام میں پھر اس نقشہ کو کہیں دیکھنے نہ پائے اس لئے اس مصلحت کے قائم رکھنے اور اس مفسدہ سے بچنے کے لئے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں یا بائیں کر لیا جائے تاکہ جس جگہ معبود حقیقی کے لئے سجدہ ادا کیا جا رہا ہے وہاں اسی کا تصور ہو اور کوئی نہ ہو۔

نا تمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي الْمَلِیحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَلَمْ تَكِرْ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلَّهِ شَرِيكَ فَأَجَازَ عِتْقَهُ. (رواه ابوداؤد)

ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے۔ شامہء مسلم کفر و شرک کی بدبو سونگھنے میں اتنا ہی زیادہ نازک ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ کسی امر سے نفرت پھیلانے کے لئے اس کے سامنے شرک کا نام آ جانا ہی کافی ہوتا ہے اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت یا رغبت دلانے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ فلاں بات میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بھلا شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں سے اس کا بقیہ مملوک غلام بھی آزاد کرادیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت پر ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے آزاد کرنے کیلئے مضطر ہو جائے اس لئے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ تیرے اس عمل خیر میں بڑا عیب یہ ہے کہ اب اس کی ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے۔ آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت تو حید اپنے لئے یہ شرکت برداشت کر لگی کہ اس تعمیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں محظورات شرعیہ مکروہات طبعیہ کی جگہ نہ آ جائیں۔

کسی عذر کے بغیر نماز قضاء کر دینا کفر ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ. (رواه مسلم)

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی ادھر نماز چھوڑی، ادھر کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

عَنْ أَبِي الدُّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعَتْ وَحُرِّقَتْ وَلَا تُشْرِكَ صَلَاةَ مَكْتُوبَةٍ مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِثَ مِنْهُ الدِّمَةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواه ابن ماجه)

ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدائے تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیری بوٹی بوٹی اڑادی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور کوئی فرض نماز، جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز قضا کرے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور (ایک بات یہ نہ بھولنا) کہ شراب ہر گز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- اس حدیث میں شرب خمر اور ترکِ صلوٰۃ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔ جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کر دی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیت ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر۔ اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرَكُّهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ. (رواه الترمذی)

عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔ (ترمذی)

عَنْ بَرِيدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

بریدہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بناء پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی اب (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہو گیا۔ (نسائی)

تشریح:- بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت دراصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک بھی رہتی تھی اس لئے اس روشن عمل کے بعد ان کو کھلا کافر کہنا آئین اسلام کے تحت نہ آ سکتا تھا، جب ان سے یہ عمل چھوٹ جائے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی کافر تھے

اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہو گئے لہذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں اس میں دو ہی قسم کی جماعتیں نظر آتی ہیں یا نمازی مؤمن یا کافر۔ کافر کو تو نماز سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اس نقشے کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترک صلوٰۃ ہی تھی دور انقلاب و انحطاط نے اب درمیان میں ایک طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے جو مؤمن ہونے کے ساتھ تارک صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کر دیا اور اتنا اشکال پیدا کر دیا کہ بعض علماء کے نزدیک صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزء بن گیا ہے کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر بھی جائز سمجھا گیا ہے اگرچہ اکثر کارحان اس کی تاویل ہی کی طرف ہے۔ بہر حال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل و عدم تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر مؤمن کا یہ تو بہر حال فرض ہونا چاہئے کہ وہ ایسے عمل سے دور ہی رہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آچکا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک احتیاط

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَطْرُقُونِي كَمَا أَطْرَبَ النَّصَارَى

ابن مَرِيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ. (متفق علیہ)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں کیں، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہذا مجھ کو عبد اللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِي وَفْدِ بَنِي عَامِرٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا أَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللَّهُ فَقُلْنَا وَأَفْضَلُنَا فَضْلاً وَأَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ

قُولُوا قَوْلَكُمْ أَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجِرُّنَّكُمْ الشَّيْطَانُ. (رواه احمد وابوداؤد)

مطرف بن عبد اللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا دراصل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے برتر کہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو، یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تمہیں زیادہ جری اور بہادر نہ بنا دے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ. (رواه مسلم)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو یوں خطاب کیا، اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپ نے (ازراہ کسر نفی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایان شان ہے۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَلَفَى عِيسَى حُجَّتَهُ وَلَقَاهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يَا عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ

لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأَقْبِي الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَاهُ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ الْآيَةِ. (رواه الترمذی)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ اَنت قلت الخ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرا لو۔ تو اس کا جواب ان کو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ (ترمذی شریف)

تشریح:- دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عقیدت مندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچادی آخر یوم حساب میں جب ان جاہلوں نے ادعاء الوہیت کی تہمت اس معصوم رسول کے سر رکھ دی تو انصاف الہی کا تقاضا ہوا کہ مدعی علیہ سے کم از کم اس کی صفائی تو طلب کر ہی لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ دنیوی عدالتوں میں بھی کیسا کٹھن ہو جاتا ہے یہ تو احکم الحاکمین کی بارگاہ تھی کس کے منہ میں زبان تھی کہ جواب دیتا۔ آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلماتِ توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی۔ اسی نے آج حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی راہنمائی فرمائی اور انہوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرما کر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد اپنے جواب میں بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور اس میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ اپنی اس نا اہل امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب ان ہی کلمات کے تکرار میں گزار دی اور اتنا مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو وہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم رہے کہ محشر میں حق تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لئے نبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لئے اس دن رسولوں کو بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر یا اس کی ابیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے۔ (العیاذ باللہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي آدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطَانَ فِي جَنْبِهِ

بِأَصْبَعَيْهِ حِينَ يُولَدُ غَيْرَ عَيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَيُطْعَنُ فِي الْحِجَابِ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

تشریح:- عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصیت کا اس لئے خاص طور پر

ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوگئی اور اس طرح پوری ہوئی۔
 اِنِّیْ اَعِیْذُهَا بِکَ وَذَرِیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان پھنکارے ہوئے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کر دیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لئے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی خوش عقیدگی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کی شانوں میں ذرا سا مبالغہ اور ذرا سی گستاخی دونوں بڑی خطرناک غلطیاں ہیں یہ وہ پل صراط ہے جس کی دونوں ہی طرف آتش دوزخ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ جَاءَ نَبِيٌّ مَلَكٌ وَإِنْ حُجِزَتْهُ لَتَسَاوَى الْكَعْبَةُ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا فَنَظَرْتُ إِلَى جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ ضَعُ نَفْسَكَ وَلِي رَوَايَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جِبْرِئِيلَ كَالْمُسْتَشِيرِ لَهُ فَأَشَارَ جِبْرِئِيلُ بِيَدِهِ أَنْ تَوَاضَعَ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَكِنًا يَقُولُ أَكُلْ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَاجْلِسْ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ. (رواه في شرح السنه)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا، اس کے تہہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی، اس نے کہا آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟ نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح دیکھا جیسا کوئی مشورہ لینے والا دیکھا کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اُسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے۔ (شرح السنہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ اِنِّیْ

خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے

کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بشری ضعف اور اس پر عتاب الہی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ بارگاہ نبوت کی شان کے مناسب خالق السموات والارضین کے مواخذہ کی باتیں ہیں۔ افضل الرسل نے اپنی امت کو یہ ادب سکھایا کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی امتی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لا سکے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی تعصب کی طرف لے جائیں یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی جماعت بھی ہے اس میں افضل و مفضل تو ضرور ہیں مگر کمتر کوئی نہیں اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب ایک ہی صداقت کے منظم موتی ہیں۔ جن میں بڑا چھوٹا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی بھی نہیں۔ پس اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے اجماعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس قسم کی جتنی حدیثیں ہیں ان سب کا تعلق ایسی افضلیت اور تخییر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گزرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی ہوگی۔ بہر حال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی رہتا ہے وہ نہ کسی نبی کے متعلق اطراء کا کوئی کلمہ سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس کے متعلق کوئی ادنیٰ مبالغہ آمیزی برداشت کر سکتا ہے اتنی احتیاطوں کے باوجود انصاف سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امت کے بہت سے افراد ہیں جنہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا ان کو خالق کی جانب سے اتنا بلند کیا کہ پھر دوائی کا تصور بھی ان کے نزدیک کلمہ کفر بن گیا اور یاعوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقام رسالت بھی معنی سے خالی ہو کر رہ گیا۔ واللہ یہدی الحق و هو یہدی السبیل۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ النَّاسِ أَكْرَمُ قَالَ أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ بْنِ نَبِيِّ اللَّهِ بْنِ خَلِيلِ اللَّهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي قَالُوا نَعَمْ فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَفَقَهُوْا. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ تر ہستی کس کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو۔ انہوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ تر ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو خود نبی اور ان کی چار پشتیں نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو، انہوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا لاعلم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے ہمیشہ اور ہر جزئی کا علم حاصل ہونا تو علیحدہ بات ہے، یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف شخصی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار اس کے کمالات اور اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بناء پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی

ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اور زور دیا تب بھی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بلحاظ جملہ کمالات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے ایک اور رسول کا ذکر فرما دیا جن میں انسان کے اور ظاہری کمالات کے سواء یہ خصوصیت بھی تھی کہ اس کی چار پشتوں میں خدا کے مقدس رسول گذرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہئے یعنی وہی فقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا اور انہیں مطمئن کیا کہ تمہارا قدیم شرف بھی ضرور ملحوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جبکہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سارے انسانی کمالات و فضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بزرگی بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمة کے طریق پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت جانچنے کے لئے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَعَرُثُ عَلَيْهِ
فَجَاءَ فَرَأَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَائِشَةُ أَغْرَبْتُ فَقُلْتُ وَمَالِي لَا يَغَارُ مِنِّي عَلَى مِثْلِكَ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكَ شَيْطَانُكَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَعِيَ شَيْطَانٌ
قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ وَلَكِنْ أَعَانَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ حَتَّى أَسْلَمَ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے۔ مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور آپ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آ گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ اس شیطان نے ڈال دیا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہوں۔ (مسلم شریف)

تشریح:- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر و شر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں۔ خدائی مدد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتیں۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی بار بار شق صدر کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح شر کی طرف رجحان سے بعید سے بعید رکھنے اور خیر کی طرف میلان کی

قریب سے قریب استعداد پیدا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے۔ پس ان کا کمال یہ نہیں کہ وہ انسان نہیں ہوتے یہ اگر کمال ہوتا تو خدا کے وہ فرشتے جو خلیفہ کے وجود سے پہلے موجود تھے اس کمال کے لئے کافی تھے وہ شر سے اتنے بعید تھے کہ ان کے خمیر ہی میں شر کی کوئی استعداد موجود نہیں۔ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔

لیکن اگر وہ شر کی استعداد نہ رکھتے ہوئے شر کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے تو یہ کمال کیا ہے وہ اگر خدائے تعالیٰ کی معصیت کرنی بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے۔ کمال اس ضعیف انسان کا ہے جو ساری استعدادوں کا مالک ہو کر شر کی طرف اقدام سے اپنے نفس کو روکتا ہے پھر ان کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ ایسے نفوس بھی پیدا فرما دیتا ہے جو انسانوں کی طرح مخلوق ہو کر خدائی تزکیہ کے ماتحت اس طرح تربیت پاتے ہیں کہ ملائکہ اللہ بھی ان کی صحبت سے تقدیس کے منازل طے کرنے لگتے ہیں۔ پس نبیوں کی انسانیت اور بشریت کا انکار درحقیقت آنکھوں سے نظر آنی والی حقیقت کا انکار ہی نہیں بلکہ ان کے اصل کمال کا بھی انکار ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَسِيرٍ فَلَهُوْثٌ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْأَسِيرُ قَالَ لَهُوْثٌ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا لَكَ قَطَعَ اللَّهُ يَدَكَ أَوْ يَدَيْكَ فَخَرَجَ فَأَذَنَ بِهِ النَّاسُ فَطَلَبُوهُ فَجِئْتُ بِهِ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَأَنَا أَقْلِبُ يَدِي فَقَالَ أَجِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتُ وَأَنَا أَقْلِبُ يَدِي أَنْظُرْ أَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي بَشَرٌ أَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَوْ مُؤْمِنَةٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَكَ زَكَاةً وَطَهُورًا. (رواه احمد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی لے کر میرے گھر تشریف لائے۔ میں عورتوں کے ساتھ بات چیت میں اس قیدی کی طرف سے ذرا غافل ہو گئی تو وہ چل دیا، آپ تشریف لائے تو آپ نے پوچھا وہ قیدی کدھر گیا۔ میں نے صاف عرض کر دیا کہ عورتوں کے ساتھ بات چیت میں مجھ سے غفلت ہو گئی اور وہ نکل بھاگا آپ نے فرمایا تم نے یہ غفلت کیوں کی، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اطلاع دی وہ تلاش کر کے اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپ اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو لوٹ پلٹ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بے عقلی کی حرکت کر رہی ہو۔ میں نے عرض کیا کہ جب سے کہ آپ کی زبان سے بددعاء کے کلمات نکلے ہیں، میں اپنے ہاتھوں کو اسی طرح کر رہی ہوں، دیکھتی ہوں کہ ان دونوں میں کون سا قطع ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کیلئے پھیلا دیئے اور فرمایا اے اللہ میں ایک آدمی ہی ہوں اور جس طرح آدمی کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے تو جس کسی مومن مرد یا عورت کے متعلق میری زبان سے بددعاء کے کلمات نکل گئے ہوں اس کے حق میں ان کو پاکی اور صفائی کا موجب بنادے۔ (احمد)

تشریح:- دیکھئے فخر المرسلین اپنے ان دعائیہ کلمات کی معذرت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنی بشریت کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف نادانستہ طور پر حضرت عائشہؓ کے حق میں ہی دعا نہیں فرماتے بلکہ فرط محبت میں اپنی ساری امت کو یاد فرما لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر ان مقبول ہونٹوں سے کسی اور کے حق میں بھی کوئی کلمہ نکل گیا ہو تو آج جس برکت میں آپ کی

یہ اہل بیت شریک ہوں وہ بھی شریک ہو جائے یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ دعاء میں استجابت دعائیہ کلمات کے تابع رہتی ہے خواہ ان میں نیت کچھ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ”قطع اللہ یدک“ سے آپ کا منشاء مبارک یہ تو ہو نہیں سکتا کہ درحقیقت حضرت عائشہؓ کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رسول کی مقبول زبان سے جو کلمات نکل گئے تھے وہ اپنا اثر دکھائے بغیر یہاں بھی نہیں رہے۔ پس اس بارے میں بڑی احتیاط لازم ہے کہ کبھی کسی کے حق میں خراب کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں ممکن ہے کہ اگر کوئی زبان زیادہ مقدس نہ ہو تو وہ وقت استجابت دعا کا آگیا ہو اور ان کا اثر ظاہر ہو جائے اسی بناء پر قدیم دستور تھا کہ بچوں کو غصہ میں بھی کو سا نہیں جاتا تھا اب بھی اس طریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں

عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ فَلَانٌ قُولُوا

مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ فَلَانٌ. (مسند احمد)

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں مت کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے (یعنی مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہا بلکہ یوں کہو کہ جو پہلے اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد جو فلاں نے چاہا (یعنی ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے برابر کسی کا ذکر بھی نہ آئے۔ پہلے ہر چیز کی نسبت اس کے نام کی طرف ہو پھر کسی اور کی طرف ہو۔) (مسند احمد) تشریح:۔ یعنی ایک مومن کی زبان کو شرک کے موہم کلمات سے بھی احتراز کرنا چاہئے اور اس کے قلب و زبان پر صرف ایک اللہ کی فاعلیت کا نقش ہونا چاہئے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلامی آداب سے متعلق ہے عقائد سے نہیں چونکہ واو عربی زبان میں جمع اور شرکت کیلئے آتا ہے اور ثم ترتیب کیلئے۔ اس لئے آپ نے بتایا کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت کو حرف واو کے ساتھ جمع نہ کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جیسا کہ تمام مشیتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کی تقدیم ثم حرف ترتیب کے ساتھ ظاہر بھی کرنا چاہئے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) حافظ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کا ایک محل اور بھی بیان کیا ہے۔ (کتاب الرد علی الکفر ص ۱۹۵)

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي مَدَحْتُ اللَّهَ بِمَدْحَةٍ وَمَدَحْتُكَ بِأُخْرَى

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ وَأَبْدَأْ بِمَدْحَةِ اللَّهِ تَعَالَى. (رواه احمد كما في الرحمة المهداة)

اسود بن سریع روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک مدحیہ قصیدہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں لکھا ہے اور دوسرا آپ کی شان میں۔ آپ نے فرمایا اچھا لاؤ (سنو) لیکن پہلے وہ قصیدہ شروع کرو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے۔ (مسند احمد) تشریح:۔ اگرچہ رسول کی تعریف میں بھی اصل تعریف خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کی نکلتی ہے مگر جہاں دونوں تعریفیں جمع ہو جائیں وہاں آپ نے خدائے تعالیٰ کی بلا واسطہ تعریف کو مقدم کرنا طریقہ ادب سمجھا۔ اب بھی دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے خدائے تعالیٰ کی ثناء کی جائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے دعا کیجئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَبْرَصَ

وَأَقْرَعَ وَأَعْمَى فَأَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَبْلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَاتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ

قَالَ لَوْ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبَ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَدَرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَدْرُهُ وَأُعْطِيَ لَوْناً حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاتَى الْمَالَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ شَكَّ اسْحَقُ إِلَّا أَنَّ الْأَبْرَصَ وَالْأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا الْإِبِلَ وَقَالَ الْآخَرُ الْبَقَرَ قَالَ فَأُعْطِيَ نَاقَةً عَشْرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَاتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبَ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَدْ قَدَرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَأُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاتَى الْمَالَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرَ فَأُعْطِيَ بَقْرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَاتَى الْأَعْمَى فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ أَنْ يَرُدَّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرَ بِهِ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَاتَى الْمَالَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمَ فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَانْتَجَ هَذَانِ وَوَلَدَ هَذَا فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ الْإِبِلِ وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مُسَكِينٌ قَدْ انْقَطَعَتْ بِيَ الْجِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيرًا أَتَبْلُغُ بِهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ الْحَقُوقُ كَثِيرَةٌ فَقَالَ إِنَّهُ كَتَبَنِي أَعْرِفَكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْدِرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللَّهُ مَالًا فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيِّرْكَ اللَّهُ إِلَيَّ مَا كُنْتُ. قَالَ فَاتَى الْأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلُ مَا قَالَ لِهَذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلُ مَا رَدَّ عَلَى هَذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيِّرْكَ اللَّهُ إِلَيَّ مَا كُنْتُ. قَالَ وَاتَى الْأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مُسَكِينٌ وَابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْجِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي وَدَّ عَلَيْكَ بَصْرَكَ شَاةً أَتَبْلُغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللَّهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلَّهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا أُبْتَلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ. (مغلق عليه)

ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہئے! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے اس نے کہا خوبصورت رنگت اور خوبصورت کھال اور یہ بات کہ جس بدنما رنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بدنمائی ختم ہو گئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہئے! آپ کو مال کونسا پسند ہے اس نے اونٹ بتائے یا گائے۔ راوی حدیث اسحق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ابرص اور گنچے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے۔ غرض اس کو ایک ایسی اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہو گئی تھی اور وہ بیاہنے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے نے یہ دعا دی۔ جایی اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ گنچے کے پاس گیا اور اس سے

پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے اس نے کہا خوبصورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوبصورت ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہنے آپ کو مال کونسا پسند ہے اس نے کہا گائے، اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی۔ فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی گائے میں برکت دے۔ اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا، کہنے صاحب آپ کو سب سے زیادہ کیا بات پسند ہے اس نے کہا، یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں، فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد پوچھا آپ کو کونسا مال مرغوب ہے وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جتنے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے بیاگئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہو گیا (اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے اونٹ ہو گئے اور گنجنے کے پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں ہو گئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں رہا، سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دیکر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوشنارنگ اور خوشنما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا میری ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں۔ کہنے کیا آپ مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادا سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی پہلی ہی شکل میں گنجنے کے پاس پہنچا اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کر لوں اس نے کہا بیشک میں نابینا تھا اور بیشک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی، جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لیگا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دیدوں گا۔ فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے ساتھ دو شخص اور تھے ان سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں فرشتے کی زبان سے وہی عظمت و ادب سے بھرا ہوا کلمہ نکلا جو پہلی حدیثوں میں آپ کو بتایا گیا تھا یعنی اس نے بے انتہاء خوشامد کے موقع پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی اسی مساوات برداشت نہ کی اور یہی کہا کہ میری اصل مشکل کشا تو اس کی ذات ہے ہاں ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے۔

عَنْ حَذِيفَةَ بْنِ الِیْمَانِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نَعَمْ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنْكُمْ تُشْرِكُونَ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا وَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَا عَرَفَهَا لَكُمْ قُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ. (رواه ابن ماجه)

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہل کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یوں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری اس فروگزاشت کو میں بھی محسوس کر رہا تھا لہذا آئندہ اب میرا تذکرہ (ایسی عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظی شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور وشاء محمد کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔ (ابن ماجہ)

عَنْ قَتِيلَةَ امْرِءَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ أَنَّ يَهُودِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكُمْ تُنَادُونَ وَإِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُمْ وَتَقُولُونَ وَالْكَعْبَةِ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يُخْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ وَيَقُولُ أَحَدٌ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شِئْتُمْ. (رواه النسائي)

قبیلہ جہینہ کی ایک بی بی مسامۃ قہیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدائے تعالیٰ کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو، ایک تو تم یوں کہتے ہو ما شاء اللہ و شئت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت اور اللہ کی مشیت کو برابر برابر ذکر کرتے ہو) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے ہو (حالانکہ کعبہ مخلوق ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیدیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کیا کریں بلکہ خدا کی مشیت کے بعد اس کا ذکر دوم نمبر میں کریں۔ (نسائی)

عَنْ طُفَيْلِ بْنِ سَنْجَرَةَ أَنَّهُ رَأَى فِيمَا يَرَى النَّاسُ كَأَنَّهُ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ أَنْتُمْ نَعَمْ الْقَوْمُ لَوْلَا إِنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ عَزِيرَ ابْنِ اللَّهِ فَقَالُوا وَأَنْتُمْ نَعَمْ الْقَوْمُ لَوْلَا إِنَّكُمْ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ النَّصَارَى فَقَالَ أَنْتُمْ نَعَمْ الْقَوْمُ لَوْلَا إِنَّكُمْ تَقُولُونَ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ قَالُوا وَأَنْتُمْ نَعَمْ الْقَوْمُ لَوْلَا إِنَّكُمْ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ طُفَيْلًا رَأَى رُؤْيَا وَإِنَّكُمْ تَقُولُونَ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي الْحَيَاءُ مِنْكُمْ فَلَا تَقُولُوهَا وَلَكِنْ قُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ وَخَدَّه لَا شَرِيكَ لَهُ. (أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي هَاشِمٍ)

طفیل بن سنجرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک یہودی جماعت کے پاس سے گزر رہا تھا انہوں نے اس سے کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ ہوتے وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا ایک ساتھ ذکر نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب

دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ مانع آتا رہا۔ اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کیا کرو، جس کا کوئی شریک نہیں۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ تہذیبی)

خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ خَطِيبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يُطِيعَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يُعَصِّهِمَا فَقَالَ قُمْ أَوْ قَالَ إِذْهَبْ فَبَنَسَ الْخَطِيبُ آتَتْ. (رواه ابوداؤد)

عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور اثناء خطبہ میں یوں کہا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہِ راست پر رہا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس پر آپ نے فرمایا کھڑا ہو جایا چلا جا (راوی کو اصلی لفظ میں شک ہے) تو نالائق خطیب ہے۔ (ابوداؤد) مسلم کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ خطیب نے یوں کہا کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ یقیناً گمراہ ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا تو نالائق خطیب ہے تجھے یوں کہنا چاہئے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔

تشریح:- یعنی لائق خطیب وہ ہے کہ جب وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اور معصیت کا ذکر کرے تو دونوں کے ناموں کو بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کرے صرف ایک ضمیر میں جمع نہ کر دے۔ یہاں اس خطیب نے اطاعت کے ذیل میں تو خدا اور رسول کا نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا لیکن جب ان کی نافرمانی کے ذکر پر پہنچا تو اس نے ان کو ایک ہی ضمیر میں جوڑ دیا اس میں ایک قسم کی مساوات کی بو آتی ہے۔ اسلام کی توحید اتنی سی مساوات کی بھی روادار نہیں۔ کبھی قائل اور کبھی مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے ذرا سی فروگزاشت اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب تک کسی نوآموز قوم کے قلب و زبان میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت کا امتیاز پورے طور پر قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی معمولی فروگزاشت پر بھی سخت الفاظ میں ٹوکنا ضروری ہوتا ہے ہاں جب توحید کا نقش اپنی اصل صورت پر قائم ہو جائے تو اب ضمیر کی شرکت قابل اغماض ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں امام طحاوی کا جواب بہت لطیف تھا مگر وہ ابوداؤد کے الفاظ میں تو چل سکتا ہے صحیح مسلم کے ایک لفظ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَآمَتِي كُلُّكُمْ عِبْدُ اللَّهِ وَكُلُّ نِسَاءٍ كُنَّ إِمَاءَ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيَّتِي وَفَتَاتِي وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّي وَلَكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِي وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ مَوْلَايَ فَإِنْ مَوْلَاكُمْ اللَّهُ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص یوں نہ بولا کرے ”میرا بندہ“ ”میری باندی“ کیونکہ تم میں جتنے مرد ہیں درحقیقت وہ سب عبد خدا کے ہیں اسی طرح جتنی عورتیں ہیں۔ وہ باندیاں اسی کی ہیں ہاں اس کے بجائے ”میرا غلام“ اور ”میری لونڈی“ کا لفظ بول سکتے ہو اسی طرح کسی غلام کو اپنے آقا کے حق میں رب کا لفظ

استعمال نہ کرنا چاہئے ہاں سردار اور آقا کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ غلام کو اپنے آقا کو میرا مولیٰ نہ کہنا چاہئے کیونکہ تم سب کا مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:- یہ حدیث بھی عقائد کے باب کی حدیث نہیں صرف ادب و تہذیب کے باب کی حدیث ہے یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ عبدیت کی جو نسبت بڑی پر معنی ہے اس کو محل و محل استعمال کر کر کے بے معنی نہ بنا دینا چاہئے وہ حقیقی طور پر ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس لئے اس کا استعمال بھی اسی کے ساتھ قائم رہنا چاہئے گو مجازی طور پر اس میں شرکت کی گنجائش سہی مگر چونکہ اس میں اصل حقیقت سے غفلت کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لئے اس مجاز و استعارہ سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے۔

شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْنَى الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللَّهِ رَجُلٌ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلاَكِ. رواه البخاری وفي رواية مسلم قَالَ أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ رَجُلٌ كَانَ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلاَكِ لَا مَلِكَ إِلَّا اللَّهُ.

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ) (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے بدتر ہوگا وہ شخص جس کا نام شاہان شاہ رکھا جائے۔ حالانکہ دراصل شاہی صرف خدائے تعالیٰ کیلئے ہے۔

تشریح:- ہمارے دور میں اسماء میں کوئی تاثیر ہی نہیں سمجھی جاتی مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو بھی نفس کی اصلاح و تخریب میں بہت بڑا دخل ہے انسان کو ایسے نام رکھنے چاہئیں جو اس کے ضعف و نقصان پر شاہد رہیں۔ اسکے ہمہ وقت استعمال سے ہر وقت آپ کے نفس و نقص در نقص ہونے کا اثر پڑتا رہے اس کے برخلاف ایسے اسماء جو کمالات میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کے معنی پر مشتمل ہوں اس کے لئے موزوں نہیں کیونکہ پہلے تو وہ اس کی ناقص ہستی کا صحیح تعارف نہیں بن سکتے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ خالق کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں ایک ذلیل مخلوق کے لئے یہ کتنا نامناسب ہے کہ وہ اس عزیز و جبار ہستی کے ناموں میں اپنا حصہ جاڑائے جو اس کی خالق ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو اس خالق کے لئے معروف ہو چکے ہیں ان کا استعمال مخلوقات کے دائرہ میں ممنوع ہے اور اسی طرح جو اسماء مخلوق کے دائرہ میں معروف ہو چکے ہیں ان کا اطلاق بارگاہ بے نیاز میں ممنوع ہے۔ یہاں صرف لفظی صلاحیت کافی نہیں کچھ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہئے اور اس طرح مخلوق و خالق کے مابین جہاں ذاتی اور صفاتی شرکت نہیں وہاں ایسی شرکت بھی ختم ہو جانی چاہئے۔

ابو الحکم کنیت رکھنے کی ممانعت

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ لَمَّا وَلَدَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهِ وَسَمِعَهُمْ يَكُونُونَ بِأَبِي الْحَكَمِ فَلَدَعَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكَمُ وَالْيَهُ الْحَكْمُ فَلِمَ تُكْنَى أَبَا الْحَكَمِ قَالَ إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ اتَّوَلَّوْا لِحَكَمَتِ بَيْنَهُمْ فَرَضِي كِلَا الْفَرِيقَيْنِ

بِحُكْمِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْسَنَ هَذَا لِمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِي شُرَيْحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُ اللَّهِ قَالَ فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

شریح بن ہائی اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ وہ لوگ ان کو ابوالحکم کی کنیت سے بلاتے تھے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا (دیکھو) ابوالحکم تو اللہ کا نام ہے اور اس لئے ہے کہ تمام جہان کا مقدمہ فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا۔ تم کہو تمہاری کنیت ابوالحکم کیسے پڑی انہوں نے عرض کیا کہ قصہ یہ ہے کہ میری قوم کے لوگ جب کبھی کسی معاملہ میں اپنا جھگڑا لے کر میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے باہم ایسا فیصلہ کر دیتا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہو جاتے (اس لئے میری کنیت ابوالحکم پڑ گئی) آپ نے فرمایا یہ بات تو بہت اچھی ہے (مگر اس پر بھی مخلوق کو اپنے خالق کے نام کی کنیت رکھنا بڑی نازیبا حرکت ہے) یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں، یہ بولے تین ہیں۔ شریح، مسلم، عبد اللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے یہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا شریح۔ فرمایا اچھا جاؤ تو تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔ (کہ یہ درست بھی ہے اور عرب کے دستور کے مطابق بھی)۔ (ابو داؤد و نسائی)

مومن کو چاہئے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دور رہے

عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي سَابَيْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأَمِّهِ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ عَيَّرْتَهُ بِأَمِّهِ إِنَّكَ إِمْرَأَةٌ فَبِكَ جَاهِلِيَّةٍ إِخْوَانُكُمْ خَوْلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْلِفْهُمْ مِمَّا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ. (بخاری)

معروڑ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ذرؓ سے مقام ربذہ میں ملاقات کی وہ اور ان کا غلام ایک ہی قسم کا حلہ پہنے ہوئے تھے (حلہ ایسی چادر اور لنگی کو کہتے ہیں جو ایک ہی قسم کی ہوں) میں نے ان سے اس یک رنگی کا سبب پوچھا، اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو کچھ سخت دست کہا اور اس سلسلہ میں اس کو ماں کی عار دلائی (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا ابو ذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی ہے ابھی تک تم میں جاہلیت کی خوب باقی ہے تمہارے غلام دراصل تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (صرف کفر کی پاداش میں) انہیں تمہارا زیر دست بنا دیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے (اس لئے میں نے وہی حلہ اس کو پہنایا جو خود پہنا ہے) اور دیکھو اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لوجو (ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور) انہیں عاجز کر دے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری شریف)

تشریح:- ابو ذرؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ذرا تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں اتنا اور مذکور ہے کہ کان بینی و بین رجل کلام و کانت امہ اعجمیہ فملت منها یعنی میرے اور ایک شخص کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہو گئیں اس کی والدہ عجمی عورت تھی میں نے عرب کے خیال کے موافق اس کی نسبت کو ازراہ تحقیر اداء کیا اس پر آپ نے فرمایا

انک امرؤ فیک جاهلیة۔ ابوذرؓ تجھ میں ابھی تک وہی زمانہ جاہلیت کی خوبو چلی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا علی ساعتی هذه من کبر السن قال نعم، کیا اب تک جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں ابھی تک۔

ماں کی عار دلانا اگرچہ کفر تو نہیں مگر اسلامی اخلاق کی بات بھی نہیں۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفر تو کفر عادات کفر سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ اسلام و کفر صرف چند اچھے یا بُرے عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ ان عقائد کے ساتھ کچھ مخصوص افعال و شعائر کا نام بھی ہے جو ان عقائد کے لازمی اثرات ہوتے ہیں مثلاً جس کے قلب و دماغ میں توحید کا نقش قائم ہو چکا ہے ضروری ہے کہ اس کے افعال میں بھی اس نقش کے اثرات نمایاں ہوں وہ اپنی عبادات میں ایک ہی خدا کا تصور رکھے مصیبتوں میں اسی کو پکارے اور اسی کے سامنے عجز و انکسار کا سر جھکائے۔ اس کے برخلاف جس کا نفس نجاست کفر و شرک سے آلودہ ہو چکا ہے اس کے افعال میں بھی اس آلودگی کے نشانات پائے جانے ضروری ہیں۔ حدیث مذکور کہتی ہے کہ وہ اسلام کچھ خوشنما اسلام نہیں جس کے ساتھ رسوم جاہلیت اور زمانہ کفر کی بد عادات بدستور قائم رہیں اب اسے چاہئے کہ ان تمام رسوم کو کلیۃً ترک کر دے اور کفر کا کوئی تسمہ لگانہ رکھے۔ آپ نے یہاں ابوذرؓ کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اب زیباش اسلام کے بعد کفر کے دور کی خامیاں تم پر زیب نہیں دیتیں۔

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَفْعَرَ إِبِلًا بِوَأَنَّهُ فَاتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوا لَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرِ فِی مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ. (رواه ابو داؤد وری رزین نحوه قصة امرة).

ثابت بن ضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا۔ وہ آپ کے پاس آیا اور اپنی نذر کا قصہ بیان کیا آپ نے پوچھا کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت رکھا تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ نے پوچھا اچھا وہاں کافر کوئی عید منایا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو (جاؤ) اپنی نذر اداء کر دو کیونکہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لئے ہو وہ پوری نہیں کرنی چاہئے اور نہ وہ جس کا ابن آدم خود مالک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:- اس شخص نے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے قربانی کی نذر کی تھی مگر صرف اس لئے کہ عہد جاہلیت ابھی بہت قریب گزرا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نذر اسلامی کی ادائیگی میں زمانہ جاہلیت کے ساتھ کوئی مشابہت پیدا ہو جائے اس لئے آپ نے تحقیق کے بغیر اس جگہ نذر اسلامی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت بھی اسی مشابہت سے اجتناب پڑتی ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ کفار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے لہذا تم اس وقت عبادت مت کرو۔ ایام حج میں کفار کا یہ دستور تھا کہ مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی مخالفت کرو اور طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو جایا کرو لیکن اس مخالفت کی حدود کہاں تک ہیں یہ بہت اہم مسئلہ ہے مخالفت محرف اور نامعقول امور میں کی جائے گی نہ کہ مشروع اور معقول باتوں میں بھی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْكَافَرِ كُنْ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ حَتَّى تَشْرُقَ عَلَى نَبِيِّ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ. (رواه البخاری وغیره)

عمر بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین مزدلفہ سے اس وقت تک واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ آفتابِ شمیر پہاڑ پر چمکنے نہ لگتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کی مخالفت کی اور آپ آفتاب طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔ (بخاری)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ عُكَاظٌ وَمَجْنَةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَأْتَمُّوا مِنَ التِّجَارَةِ فِيهَا فَانْزَلَ اللَّهُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي مَرَاسِمِ الْحَجِّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں بازار لگا کرتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو صحابہ نے ان بازاروں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہو گئی (اگر تم ان بازاروں میں تجارت کرو) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی حج کے ایام میں۔ ابن عباسؓ اس لفظ کو (بطور تفسیر) پڑھ دیا کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح:۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ حج کے موسم میں مقام عکاظ میں ایک بازار یکم ذیقعدہ کو لگتا۔ بیس دن کے بعد پھر یکم ذی الحجہ تک وہ بازار مقام مجنہ میں لگتا اس کے بعد ۸ ذی الحجہ تک ذوالمجاز میں لگتا اس کے بعد لوگ منیٰ جایا کرتے تھے۔ ان بازاروں میں عرب اپنے آباء و اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے اس لئے یہ بازار زمانہ کفر کی ایک یادگار بن گئے تھے۔

قسطانی لکھتے ہیں کہ یہ بازار خوارج کے زمانہ تک لگتے رہے۔ ۱۲۹ھ میں سب سے پہلے عکاظ کا بازار اکھڑا پھر مجنہ کا بازار اکھڑا اور آخر میں ذوالمجاز کا بازار بھی اکھڑ گیا۔

جب اسلام کا دور آیا تو ایام حج میں پھر ان ہی بازاروں میں تجارت کرنا صحابہ کو تشبہ بالکفار معلوم ہونے لگا۔ قرآن کریم نے یہ فیصلہ کیا کہ تجارت ایک معاشی چیز ہے عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے یہاں اپنے معاش کا سامان کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں اور نہ تشبہ کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَمْثَلٍ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ فَرَأَاهَا لَا تَكَلِّمُ قَالُوا حَبِثَتْ مُضْمِنَةً فَقَالَ لَهَا تَكَلِّمِي فَإِنَّ هَذَا لَا يَحِلُّ. هَذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَكَلَّمْتُ فَقَالَتْ مَنْ أَنْتَ قَالَ امْرَأَةٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ قَالَتْ أَيْ الْمُهَاجِرِينَ قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ أَيْ قُرَيْشٍ أَنْتَ قَالَ إِنَّكَ لَسَوْءٌ أَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلَى هَذَا الْأَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِي جَاءَ اللَّهُ بِهِ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاءُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَيْمَتُكُمْ قَالَتْ وَمَا الْآيَةُ قَالَ أَمَا كَانَ لِقَوْمِكَ رُؤُوسٌ وَأَشْرَافٌ يَأْمُرُونَهُمْ فَيَطِيعُونَهُمْ قَالَتْ بَلَى قَالَ فَهَمُّ أَوْلِيكَ عَلَى النَّاسِ. (رواه البخاری)

قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر قبیلہ اجمس کی ایک عورت کی طرف گزرے اس کو زینب کہتے تھے دیکھا تو اس نے بات چیت کرنا بند کر رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا ارادہ کیا ہے آپ نے اس سے کہا بی بی بولو یہ

خاموشی ناجائز خاموشی ہے یہ جاہلیت کی حرکت ہے اس نے بولنا شروع کر دیا اور ابو بکر سے پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا ایک مہاجر آدمی ہوں وہ بولی مہاجرین میں کس قبیلہ کے ہیں فرمایا قبیلہ قریش کا اس نے کہا آ خر قریش میں آپ کون ہیں فرمایا تو تو بڑی سوال کرنیوالی عورت معلوم ہوتی ہے (سُن) میں ہوں ابو بکر اس کے بعد اس نے پوچھا فرمائیے ہم لوگ اس عمدہ دین پر جو جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمایا ہے کب تک قائم رہیں گے فرمایا جب تک تمہارے امام تمہیں سیدھے سیدھے لئے چلے جائیں گے اس نے پوچھا اماموں سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا کیا تیری قوم میں پہلے ایسے سردار نہ ہوتے تھے جو لوگوں کو حکم دیتے ہوں اور لوگ ان کے احکام مانتے ہوں، اس نے کہا بیشک ہوتے تھے فرمایا تو پھر اماموں سے یہی حاکم لوگ مراد ہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- اس عورت کی یہ جرأت آمیز گفتگو دیکھئے اور حضرت ابو بکرؓ کا عجزانہ جواب ملاحظہ فرمائیے تو یہ بخونی واضح ہو جائے گا کہ ملوکیت اور اسلامی خلافت میں کتنا تفاوت ہے۔ یہاں خلیفہ اول کو اپنے متعلق یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ عام انسانوں سے کوئی علیحدہ امتیازی شان بھی رکھتا ہے وہ ایک عورت کے سوال کرنے پر اپنا تعارف عام سے عام صورت میں پیش کرتا ہے اور جب بہت مجبور ہو جاتا ہے تو صرف اپنا نام بتا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کا دماغ ان عاجزانہ کلمات سے آشنا نہیں ہوتا۔ پھر ابو بکرؓ کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر قوموں کے اسباب عروج و زوال پر کتنی گہری تھی انہوں نے اسلام کے عروج و نزول کے متعلق چند جملوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو زمانہ ماضی کی تاریخ کے مفصل مطالعہ کے بعد کہا جاسکتا تھا۔ انہوں نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کی خصوصیات کو بھی خوب سمجھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کی ترقی ان کے امام کے دم سے وابستہ ہے جب اماموں کی رفتار بگڑ جائے تو اسلام کے اجتماعی نظام کا بھی خاتمہ سمجھ لینا چاہئے اس کے بعد اگر کوئی خیر باقی رہے گی تو وہ صرف انفرادی خیر ہوگی۔ انفرادی خیر صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتی ہے، قومی حیات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی حیات پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَأَبِي بَرْزَةَ قَالََا خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوا أَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُونَ فِي قُمَصٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِفَعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَأْخُذُونَ أَوْ بِضَيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَسْتَهْوُونَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَدْعُو عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُونَ فِي غَيْرِ صَوْرَتِكُمْ قَالَ فَآخِذُوا أَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُودُوا لِذَلِكَ. (رواه ابن ماجه)

عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ روایت فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لئے نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینک دی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (جنازہ کے ساتھ ساتھ) جارہے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا یہ جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ سے مشابہت مقصود ہے۔ میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بد عبادوں کے تمہاری صورتیں بگڑ جائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (یہ سن کر) انہوں نے (چپکے سے) اپنی اپنی چادریں سنبھال لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت نہ کی۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- عرب فطرۃ درشت خصلت تھے نوحہ کی رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھیں۔ نباض فطرت رسولؐ نے چاہا

کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ
الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (متفق عليه)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح چیخ و پکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ عَاشُورَاءَ يَوْمَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ
كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ لَا يَصُومُهُ. (رواه البخاری وغیرہ)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اس دن روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے خود اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:- یہ روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود رکھا کرتے تھے اگر کفار کسی اچھے کام میں شریک رہیں تو ان کی مخالفت میں اچھا کام ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی لئے مخالفت اور موافقت کے حدود پہچاننے کے لئے بڑا علم درکار ہے۔

نہ ہر کہ سر برتر اشد قلندری داند

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا مِنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى حُنَيْنٍ قَالَ
وَكَانَ لِلْكَفَّارِ سِدْرَةٌ يَغْكُفُونَ عَنْهَا وَيَعْلِقُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا
بِسِدْرَةِ خَضْرَاءَ عَظِيمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ
قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى لِمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُونَ إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (رواه ابن کثیر)

ابو واقد لیثی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آ کر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو ”ذاتِ انواط“ (یعنی ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرے جو بہت بڑا اور سرسبز و شاداب تھا تو بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک ”ذاتِ انواط“ مقرر کر دیجئے جیسا مشرکوں کیلئے ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتا دیکھ کر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنادے جیسا ان کا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ (ابن کثیر)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْآحَدِ أَكْثَرَ مَا يَصُومُ مِنَ الْأَيَّامِ وَيَقُولُ إِنَّهَا يَوْمًا عِيدٌ لِلْمُشْرِكِينَ فَأَنَا أَحِبُّ أَنْ أُخَالِفَهُمْ. (رواه احمد)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یکشنبہ کے دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے عید منانے کے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں۔ (احمد)

تشریح:۔ ایک دور تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے کہ شاید یہ بد بخت، رسول عربی کے ان اخلاق سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور اسلام کو اپنے قریب تر دیکھ کر اس کو قبول کر لیں لیکن جب آپ کی ملاطفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الشرائع کا دوسرا اصل فائدہ پورا ہو جہاں تک یاد ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس تغیر کی تاریخ فتح مکہ تحریر فرمائی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کس حد تک سلسلہ ملاطفت جاری رکھا اور آخر تک آ کر بالکل آخردور میں دوسری راہ اختیار فرمائی۔ حدیثوں میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا دائرہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوتی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت وعدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرَّوْنَ لَنَا وَلَا يَأْتِرُونَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَرَّوْا وَأَتِرُوا وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ. (رواه احمد)

ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ اہل کتاب پا جامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پا جامہ اور ازاردونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (احمد)

تشریح:۔ یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت نے کسی موقع پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کرنی اپنا نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوبصورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ رکھا تھا، اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی ہاں اس کا عنوان ضرور مخالف رکھا ہے۔ اسی مذکورہ بالا چھوٹی سی جزی کی کو لے لیجئے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپ پا جامہ پہننے کی بھی ممانعت فرما دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پا جامہ پہننے سے بے وجہ احتراز کرنا چونکہ خود ایک نامعقول حرکت تھی اس لئے آپ نے ازاردو پا جامہ ہردو پہننے کی اجازت دیدی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یکشنبہ کے دن روزہ رکھنے میں دراصل صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے یوم عید کے انتخاب میں ایک اصولی اور قومی غلطی کھائی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان لیا گیا تھا سب نے غلطی کھائی صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت وہ دن جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنا لیا۔ اب سوچئے کہ اس مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہو گئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مد نظر رہی ہے۔ مگر اس کا عنوان مخالفت اس لئے رکھا گیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آچکی ہے جو جملہ ادیان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروع میں ان کے لئے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور اس کے ہردو پہلوؤں میں اس

کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ حکم ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق ہیں۔ بہر حال مخالفت صرف عنوان میں ہے ورنہ دراصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک معقول طریقہ کو چھوڑ کر غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کی تکمیل شریعت کیلئے لازم ہے اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کرنی دونوں احقاق کیلئے ضروری ہیں مخالفت کے صرف عنوان سے بدکنا نہیں چاہئے بلکہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آ سکے اس کو اہل علم سے دریافت کر لیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علم ناقص پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں و فوق کل ذی علم علیم۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَوْ فِرُوا
اللَّحَى وَاحْفَظُوا الشَّوَارِبَ. (متفق علیہ)

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی معاشرت اور طور و طریق میں مشرکین سے جدا رہو، اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (متفق علیہ)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجُوسُ فَقَالَ إِنَّهُمْ يُؤْفِرُونَ سِبَالَهُمْ وَيَحْلِقُونَ
لُعَاهُمْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَقْرِضُ سَبْلَتَهُ فَيَجْزُهَا كَمَا تَجْزُ الشَّاةُ. (رواه لمي الحلبي كما في الرحمة المهداة)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی مونچھوں کے دو طرفہ بال لے لے رکھتے ہیں اور اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اسی لئے ابن عمر اپنی مونچھیں اس طرح باریک کر دیتے تھے جیسے بکری کے بال باریک کر دیئے جاتے ہیں۔ (الرحمة المهداة)

تشریح: اس ہیئت کا حکم بھی صرف مخالفت کی بناء پر نہیں تھا بلکہ دراصل یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سنت تھی تمام عرب ان ہی کا قبیح تھا اور دین محمدی کی زمین بھی یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ملت ابراہیمی کو دین فطرت کہا گیا ہے اس لئے ان امور کا اختیار کرنا فطرت کے مطابق اور ان کا ترک فطرت کی مخالفت پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ اگر فرنیچ کٹ ڈاڑھی اور کرزن فیشن مونچھوں میں کوئی عظمت پنہاں ہے تو ملت سماویہ کے ماننے والوں کا اسوۂ ابراہیمی کی اتباع میں اس سے زیادہ عظمت پنہاں ہے اب جس کو جس کی طرف انتساب کا شوق ہو وہ جانے۔ اگر کسی بد نصیب مسلمان کو کسی وحشی انگریز کی اتباع ہی میں اپنی شان نظر آتی ہو تو اس کا علاج مناظرہ نہیں دعا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کوئی فلسفیانہ بات ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور فلسفہ بیان کیا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبِغُونَ فَخَالِفُوهُمْ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے اس لئے تم اپنی ہیئت ان سے جدا رکھو اور خضاب کیا کرو۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ. (رواه لمي ورواه نسفي)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو اور

بڑھاپے کی سفیدی ذرا خضاب لگا کر بدل لیا کرو۔ (ترمذی۔ نسائی)

تشریح: اگر شریعت کسی مکروہ شکل کے بدلنے اور کسی معقول صورت کے اختیار کرنے کا نام مخالفت رکھتی ہے تو کیا صرف لفظ مخالفت کی وجہ سے اس پر آپکو کوئی اعتراض ہونا چاہئے یا یہ سمجھ لینا چاہئے کہنا معقول امور کی مخالفت ہی حقانیت مذہب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يُفَرِّقُونَ رُؤُسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهُ ثُمَّ فَرَّقَ بَعْدُ. (متفق عليه)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی اس میں آپ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بیچ سے مانگ نکالتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔ (متفق علیہ)

عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَنِي الْمَغِيرَةُ قَالَتْ وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ أَوْ قُضْبَتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَبَرَكَ عَلَيْكَ وَقَالَ اخْلُقُوا هَذَيْنِ أَوْ قُصُوهُمَا فَإِنَّ هَذَا ذِي الْيَهُودِ. (رواه ابو داؤد)

حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالک کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچہ تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے۔ انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاء برکت فرمائی اور فرمایا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے۔ (ابوداؤد)

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه احمد و الترمذی)

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (احمد ترمذی)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْصُ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ (صلوات الرحمن علیہ) یفعله. (رواه الترمذی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشویا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ثَوْبِ بَنٍ مُعْصَفَرَيْنِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسُوهَا وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى قَالَتْ بَلْ إِخْرِقُوهَا. (رواه مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو زرد رنگ کے معصر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو۔ ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھوا لوں فرمایا بلکہ جلا دو۔ (مسلم)

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا رَفَعَ الْحَدِيثَ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةً فَأَيَّرَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه في شرح السنه)

عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انہوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو ان کے انتقام کے ڈر سے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (شرح السنہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَأَلَ لِمَنَاهُمْ مِنْهُ حَارِبُنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيفَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه ابوداؤد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سانپوں سے ہماری جنگ فطری ہے) جنگ کے بعد سے کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ فَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّي. (رواه ابوداؤد والنسائی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قسم کے سانپوں کو مار دیا کرو جو ان کے بدلہ کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں۔ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح:۔ جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل ہنود کی جماعت سانپوں کو بھی دیوتا کہتی ہے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہئے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں۔ شرک صرف یہ نہیں کہ ذات و صفات ہی میں شرکت کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوق الوہیت میں شرکت بھی شرک ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه مسلم)

سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه البخاری وزاد مسلم مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)

ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمانوں پر تلوار اٹھائے وہ

ہم میں سے نہیں۔ (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّ إِمْرَأَةٌ

عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ. (رواه ابوداؤد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے

شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بھڑکائے۔ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گندہ کرنے کے درپے ہے وہ اسلام کیلئے ایک بدنمادار غ ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لئے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنتَهَبِ قَطْعٌ وَمَنْ
انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُورَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه ابوداؤد)

جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو دن دھاڑے یہ جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگرچہ اس پر سارق کا طلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہو سکے) (ابوداؤد)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصِيَّةٍ
وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصِيَّةً. (رواه ابوداؤد)

جیبر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصیت کی دعوت دے اور صرف عصیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

عَنْ وَائِلَةَ بِنِ الْأَسْقَعِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْعَصِيَّةُ قَالَ أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ. (رواه ابوداؤد)

وائلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عصیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے۔ (ابوداؤد)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ
كَالْبَعِيرِ الَّذِي أَرْدَى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنبِهِ. (رواه ابوداؤد)

ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کہیں اونٹھا گر جائے پھر اس کو دم پکڑ کر نکالنا چاہیں (اور وہ نکل نہ سکے) (ابوداؤد)

عَنْ عَبَادَةَ بْنِ كَثِيرَةَ الشَّامِيِّ مِنْ أَهْلِ فَلَسْطِينَ عَنْ امْرَأَةٍ مِنْهُمْ يَقَالُ لَهَا فَسِيلَةُ أَتَاهَا قَالَتْ
سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِنَ الْعَصِيَّةُ أَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ قَالَ لَا
وَلَكِنْ مِنَ الْعَصِيَّةِ أَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ. (رواه احمد وابن ماجه)

عبادہ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنے ہی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنی بھی عصیت میں داخل ہے فرمایا قطعاً نہیں۔ عصیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

عَنْ سُرَّاقَةَ بِنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ
الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيرَتِهِ مَا لَمْ يَأْتُمْ. (رواه ابوداؤد)

سراقہ بن مالک بن عیشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَحِرُونَ بِأَبَائِهِمُ
الَّذِينَ مَاتُوا إِنَّمَاهُمْ فَحَمٌ مِنْ جَهَنَّمَ أَوْ لَيَكُونَنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِي يَدْهِيهِ
الْخِرَاءُ بِأَنْفِهِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ غِبِّيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخَّرَهَا بِالْأَبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ
أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ مِنْ تُرَابٍ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یا تو لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں جو مر چکے ہیں اور دوزخ میں جل کر کوئلہ بن چکے ہیں نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بڑھ کر ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں یا متقی مومن، یا شقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی میں ہے اب باہم فخر کرنے کی بات کیا رہی) (ترمذی۔ ابوداؤد)

عَنْ أَبِي عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلَى مِنْ أَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَحَدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّي وَأَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ
إِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتُ خُذْهَا مِنِّي وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ. (رواه ابوداؤد)

ابو عقبہ فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے ایک مشرک کے تلواری اور یہ کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں، یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تو نے اس کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ (ابوداؤد)

تشریح:- مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں جہاں لبس منہا (ہم میں سے نہیں) کا کلمہ آ گیا ہے علماء نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں یہاں سب سے اچھی شرح امام طحاویؒ کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

(۱) فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي.

جس نے اس نہر کا پانی پیادہ ہمارا نہیں اور جس نے اُس کو نہ چکھا تو وہ بیشک ہمارا ہے۔

(۲) فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بیشک تو بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کے حکم اور اس کی شریعت کا متبع ہوتا ہے وہ اس کا اور اس کی جماعت کا فرد شمار ہوتا ہے اور جو اس کا متبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسلامی شریعت سے کسی ایسے نہج کا علاقہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدگی گویا اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقعہ پر حدیث اس کلمہ کا اطلاق کر دیتی

ہے۔ اگر یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنی سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا۔
 إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔ وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں۔

لہذا اس تعبیر سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جا کر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ بعض مرتبہ اس سے آگے بھی تجاوز کر سکتی ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُولُ اَنْعَمَ اللهُ بِكَ عَلَيْنَا وَاَنْعَمَ صَبَاحًا
 فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ مُهِينًا عَنْ ذَالِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم سلام کے موقعہ پر یوں کہا کرتے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور اطمینان و آرام کے ساتھ تمہیں صبح نصیب ہو۔ جب اسلام کا دور آیا تو اس نے ہم کو اس طریقہ سے روک دیا۔ (اور اس کے بجائے السلام علیکم کا لفظ تعلیم کیا) (ابوداؤد)

عَنْ عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ اَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي جُشَمٍ فَقَالُوا بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ
 فَقَالُوا لَا تَقُولُوا هَكَذَا وَلَكِنْ قُولُوا كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ
 لَهُمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِمْ۔ (رواہ النسائی وابن ماجہ واحمد بمعناه)

عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنی جشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے ان کو مبارکبادی دینے کے لئے وہی الفاظ کہے جو اس موقعہ پر زمانہ جاہلیت میں کہے جاتے تھے یعنی نکاح مبارک ہو اور باہم انس و محبت اور اولاد نرینہ نصیب ہو، اس پر دوسرے لوگوں نے کہایوں مت کہو بلکہ وہ کلمات کہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ اے اللہ ان کے نکاح میں برکت دے اور خود ان کے اوپر بھی برکت نازل فرما۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيْهِمَا
 فَقَالَ مَا هَٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ قَدْ اَبَدَ اللهُ بِهِنَّ خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمُ الْاَضْحَى وَيَوْمُ الْفِطْرِ۔ (ابوداؤد)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں (سال میں) دو دن مقرر تھے جن میں وہ خوشی منایا کرتے تھے آپ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں انہوں نے جواب دیا ہم ان میں زمانہ جاہلیت سے خوشی مناتے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تمہاری خوشی منانے کے لئے اس سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں ایک عید قربان کا دوم عید فطر کا۔ (ابوداؤد)

تشریح:- اہل اسلام کے ایام عید ان کی خاص خاص عبادتوں کی یادگاریں ہیں ان میں مسرت اور خوشی منانا صرف ایک پیرایہ ہے ان کی اصل حقیقت عبادت ہے۔ پس کفار کے ایام عید کو ان ایام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان کی حقیقت آخرت سے غفلت اور لہو و لعب ہے اور ان ایام کی حقیقت تکبیرات اور ذکر اللہ۔ سو چونکہ جس قوم کی مسرت و خوشی میں بھی عبادت کی حقیقت

پہاں ہو اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہوگی۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

یہ بہت بڑی غفلت اور جہالت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایام عید کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک تہوار سمجھ لیا ہے۔ تمہارے ان ایام میں خوشی منانے کی اصل روح یہ ہے کہ تم نے ان ایام میں ایک بڑے شرعی پروگرام کی تکمیل کی ہے اس لئے اس خوشی میں بھی ذکر و عبادت کی شان غالب ہونی چاہئے نہ کہ لہو و لعب کی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرْعَ وَلَا عَتِيرَةَ قَالَ وَالْفَرْعُ أَوَّلُ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لَطَوَاغِيَّتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ لِي رَجَبٍ. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ فرع اور عتیرہ اسلام میں کوئی چیز نہیں (فرع) جانور کے اس پہلے بچہ کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا اور عتیرہ وہ ہوتا تھا جو رجب میں بتوں کے نام پر ذبح ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الَّذِينَ ظَاهَرُوا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يُؤَخِّرُونَ. (رواه ابو داؤد وابن ماجہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں دیر نہ کریں گے، دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ دیر سے افطار کرتے ہیں۔ (ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

تشریح:- اسلام میں حفاظت حدود کی بڑی تاکید کی گئی ہے خواہ وہ ایام ہوں یا ایام میں ساعات کیونکہ جب قومیں کسی اجنبی تمدن، اجنبی معاشرت یا مذہبی اثرات کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے اس کا اثر ان حدود ہی کے اندر ظاہر ہوتا ہے پہلے یہ حدود ہی مٹی ہیں اور جب یہ درمیانی حدود مٹنے لگتی ہیں تو پھر قوموں کے جملہ طور و طریق اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جس قوم کی یہ حدود پہلے مٹیں سمجھ لو کہ اس کی مغلوبیت کا آغاز ہو گیا ہے تعجیل فطر بھی ان حدود کی ایک کڑی ہے۔ جن گوشوں سے نصرانیت اسلام میں داخل ہو سکتی ہے ان سے ایک یہ بھی ہے۔ عبادت میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اس لئے اس میں بھی اپنی حدود سے تغافل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے گوشوں میں بھی خاصہ خلط پیدا ہو چکا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفَرُ

الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔ (مسلم شریف)

تشریح:- اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ عرب کے مفاخر میں چونکہ نسب بھی شامل تھا اس لئے دوسروں کے نسبوں پر طعن کرنا بھی ان کی مغرورانہ شان کا ایک جزء بن گیا تھا نوحہ بھی ان کے نزدیک انسانی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا۔ یہ عارضی نمائشیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا کفر کے ہم پلہ ہے

عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ رِيْرَةَ يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ. (رواه مسلم)

عراک بن مالک کہتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (صرف فخر و مباہات کے لئے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ مخلوقہ خالق سے توڑ کر غیر خالق سے جوڑ لے اور دوسرے نمبر کا کفر یہ ہے کہ (محض بڑائی کی نیت سے) رشتہ ابیت اپنے والد کے بجائے غیر والد کے ساتھ قائم کر لے۔ اسی کے قریب وہ غلام ہے جو اپنے آقا زاد مالک کو چھوڑ کر بھاگ جائے یا رشتہ معاملات اپنے مالک کے سوا غیر مالک کے ساتھ قائم کر لے۔

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَوةٌ وَفِي رَوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ فَقَدْ بَرِئْتُ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَفِي رَوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتَّى يَرْجَعَ إِلَيْهِمْ. (رواه مسلم)

جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے پاس پھر واپس نہ آ جائے (مسلم شریف)

ایمان کے منافی قول

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ أَنَا بَرِيٌّ مِنَ الْإِسْلَامِ فَإِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَأَنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجَعَ إِلَى الْإِسْلَامِ سَالِمًا. (رواه النسائي وأبو داود وابن ماجه)

بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر اس نے یہ جھوٹ کہا تھا جب تو وہ درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح و سالم نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ زخمی ہو جاتا ہے)۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

تشریح:۔ مذکورہ بالا مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے زید سے بات کی پھر یہ کہا کہ اگر میں نے زید سے بات کی ہو تو میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب یہی ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اگر وہ سچا تھا اور درحقیقت اس نے زید سے بات نہ کی تھی پھر بھی اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی نہ کسی صورت میں قابل ترک فرض کیا جاسکتا ہے۔ ایمان کی نزاکت بے

تعلق کی اتنی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتی۔ اسی طرح یوں قسم کھانا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا کروں تو مجھے مرتے دم ایمان نصیب نہ ہو بہت بیجا سخاوت ہے اسلام سے محرومی کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہ ہونی چاہئے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کر سکتا ہے مگر ترکیب ایمان کا تصور کبھی نہیں کر سکتا۔ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ میں اسی عزیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کس کے بس کی بات ہے۔ اسلام انقیاد و اطاعت کے صرف چند کلمات کا نام ہے اسی لئے وہ اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح بھی ہو جاتا ہے۔

فسق و کفر کی تہمت کا لوٹنا

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا

يُزِمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَّابًا. (رواه البخاری وغیرہ)

ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ

لوٹ کر اسی کے اوپر آ پڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے اس کا اہل نہیں ہوتا۔ (بخاری)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ

لَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا. (رواه البخاری وغیرہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو اوکافر کہتا ہے تو

دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ کلمہ چسپاں ہو کر رہتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فناء نہیں ہوتا۔ ظاہر میں سمجھتا ہے کہ وہ صرف ایک

سیال صورت تھی جو منہ سے نکلی اور فضاء عالم میں معدوم ہو گئی۔ لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے

وہ سب بدستور محفوظ رہتا ہے صرف کرانا کا تبین کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء

سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے رحمت کی سمت

جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا

ہے جس پر یہ لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو آخر لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آ جاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں حدیث سمجھاتی ہے کہ وہ سب سے

اشرف نوع ہے اس کو اپنے ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور اسی لئے وہ کسی عاقل

بالغ شخص کے کسی کلام کو تا امکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔ کسی کو کافر

کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں ”یا کافر“

صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔

تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ صَلَوةً فَقَرَأَ بِهِمُ الْبَقْرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلَوةً خَفِيفَةً فَلَبَغَ ذَلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَلَبَغَ ذَلِكَ الرَّجُلُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا وَنَسْقِي بِنَوَاصِحِنَا وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقْرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَرَعَمَ آتَى مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ أَفَتَأْنِ أَنْتَ ثَلَاثًا أَقْرَأَ وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا وَسَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. (رواه البخاری وغیره)

جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبلؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قرأت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہو گئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعہ سے پانی بھرتے ہیں۔ آج شب معاذ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ شروع کر دی اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں، آپ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے تین بار فرمایا۔ صرف والشمس وضوحها اور سبح اسم ربك الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بناء پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوت عمل کے زمانہ میں معذوریوں کی طرف کس کا خیال اس لئے معاذ نے حسب ضابطہ اس کو بھی منافق کہہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قراءت پر تو خاص طور پر تنبیہ کی مگر منافق کہنے پر اتنی تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمرؓ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گویا غلط تھا تاہم کچھ تاویل کی بنا پر تھا اگر تاویل قابل نفاذ ہو تو قائل پر سخت گیری نہیں کی جاتی۔

شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللَّهَ كَعَابِدٍ وَثَنٍ. (رواه احمد)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔ (احمد)

عَنْ أَبِي مُوسَى (الْأَشْعَرِيِّ) أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَا أَبَالِي شَرِبْتُ الْخَمْرَ لَوْ عَبَدْتُ هَذِهِ السُّلَاطَةَ فَوْنِ اللَّهِ. (رواه النسائي)

ابوموسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کر لوں میں تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ (نسائی)

مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. (رواه ابوداؤد وروى النسائی عن معاوية)

ابوداؤد ورواه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شرک کی حالت میں مر جائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

مشرکین کی جماعت سے احتراز

عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعَثَ فَأُكْتُبَتْ فِيهِ فَلَقِيَتْ عِكْرَمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرْتُهُ لَنَهَا فِي عَنْ ذَلِكَ أَشَدُّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يَكْثُرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي السُّهْمَ فَيُرْمَى بِهِ فَيَصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يُضْرِبُ فَيَقْتُلُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمُ الْآيَةَ. (رواه البخاری)

عبدالرحمن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے اہل شام سے جنگ کیلئے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے شدت سے منع فرما دیا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مسلمان، مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقع پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگرچہ ان کی دلی منشاء لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیر آ کر لگتا اور وہ ختم ہو جاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مر جاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہو گئی إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ الْخِ وہ لوگ جن کی روحيں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ بوجہ ضعف ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کر سکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ماری گئی تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے۔ (بخاری شریف)

تشریح:- اس واقعہ کے نقل کرنے سے عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کیلئے یہ پسند ہی نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں تو میں بھی موجودہ جنگ میں تمہاری شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تمہاری وجہ سے کم از کم ان کو جماعتی شرکت تو حاصل ہوگی یہ بھی باطل کی اعانت

میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا بخوشی برداشت کرے اس کے لئے صرف دو راستے ہیں یا ہجرت کر جائے اور یا بدرجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لئے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (صحیح)

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكِينَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ. (رواه ابوداؤد)

سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا رہنا مسلمانوں کے ساتھ رہے وہ ان کی مثل ہے۔ (ابوداؤد)

عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانُوا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لِأَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ مِنَ الْأَنْصَارِ مُهَاجِرُونَ لِأَنَّ الْمَدِينَةَ كَانَتْ دَارَ شِرْكَ فَجَاؤُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ. (رواه النسائي)

جابر بن زید سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ اس لئے مہاجر کہلائے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا لیکن انصار میں بھی کچھ لوگ مہاجر تھے کیونکہ ابتداء میں مدینہ بھی دارِ شرک تھا۔ جب کچھ لوگ ان مشرکین کو چھوڑ کر لیلۃ العقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے (تو اس لحاظ سے وہ بھی مہاجر کہلائے)۔ (نسائی شریف)

تشریح:- ہجرت بظاہر ترک وطن کا نام ہے مگر ترک وطن کوئی مطلوب چیز نہیں۔ مکہ مکرمہ جیسا وطن ایسا وطن نہ تھا جس کو بخوشی کوئی ترک کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت مڑ مڑ کر مکہ مکرمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے اے شہر مکہ اگر میری قوم ہی مجھ کو تجھ سے زبردستی نہ نکالتی تو میں ہرگز اپنے اختیار سے تیرے سوا کہیں اور رہنا پسند نہ کرتا اس لئے ہجرت کی روح ترک وطن نہیں بلکہ شرک اور مشرک سے علیحدہ رہنا ہے جہاں شرک کا اقتدار ہو وہاں اسلامی حیات ہرگز نشوونما نہیں پاسکتی اس حالت میں اسلام کی حفاظت صرف ہجرت سے ہو سکتی ہے۔ (صحیح)

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَعَلَى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَفِي لَفْظٍ عَلَى أَنْ نَفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ. (رواه النسائي)

جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور ذیل پر بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا اور مشرکوں سے علیحدہ رہنا۔ (نسائی شریف)

تشریح:- اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ تمام اقتدار کفر کے ہاتھ میں تھا مشرکوں سے علیحدہ رہنا بھی بیعت کا ایک اہم جزء قرار دیا گیا تھا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے جب اپنی قوم کے زشت افعال کے باوجود ان سے متارکت اختیار نہ کی اور ان ہی کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہے تو اس مدافعت کی وجہ سے بے دینی کے جراثیم ان میں بھی سرایت کر گئے اور آخر کار وہ بھی لعنت کے تحت آ گئے۔ دوسروں نے اسی فلسفہ کے تحت چھوٹ کا مسئلہ ایجاد کیا تھا افسوس کہ انہوں نے تو ایک غلط قدم کو دین سمجھ لیا اور ہم نے دین کی ایک ضروری دفعہ کو تعصب سمجھ کر ترک کر دیا۔

بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

عَنْ أَمِّ كُرَيْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَقْرُوا الطَّيْرَ عَلَى مَكَائِنَا. (رواه ابو داؤد و ترمذی)
ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور انہیں اڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو)۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

عَنْ قَبِيصَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَاةُ وَالطَّرِيقُ وَالطَّيْرَةُ مِنَ الْجُبْتِ. (رواه ابو داؤد)
قبیصہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا یا رمل کا عمل کرنا یا بدفالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّيْرَةُ شِرْكٌ قَالَ لَهُ ثَلَاثًا. (رواه ابو داؤد و ترمذی)
عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداً تین بار یہی فرمایا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَلَّقَهُ بِمَا يَقُولُ أَوْ أَتَى امْرَأَةً تَحَاطُّصًا أَوْ أَتَى امْرَأَةً فِي ذُبْرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (رواه احمد و ابو داؤد)
ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے (غیب کی خبریں بتانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بی بی سے صحبت کرے یا اس محل میں صحبت کرے جس میں صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے تو جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد۔ ابوداؤد)

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدِّكُمُ قَالَ قُلْتُ وَمِنْ أَرْجَالٍ يَخْطُونَ خَطَاً قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخْطُ فَمَنْ وَافَقَ خَطُّهُ فَلَدَاكَ. (رواه مسلم)
معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کچھ باتیں ہم کفر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (اب ان کا کیا حکم ہے) ہم کاہنوں کے پاس جا کر (غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے) فرمایا اب ان کے پاس مت جاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ ہم پرندے اڑا کر نیک و بد فال کے بھی قائل تھے فرمایا بدفالی ایک ایسی چیز ہے جس کے تم سدا سے عادی چلے آتے ہو اس لئے تمہارے دلوں میں اس کا اثر تو ہوگا لیکن تم کو چاہئے کہ اس کی وجہ سے اپنے کام سے نہ رکو۔ میں نے عرض کیا ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچ کر غیب کی خبریں معلوم کر لیا کرتے تھے فرمایا خدا کے نبیوں میں ایک نبی ضرور اس علم کے مالک تھے۔ اب اگر کسی کا خط ان کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہو جاتا ہوگا۔ (مگر وہ خبر کیسے ہو)۔ (مسلم شریف)

عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَلَا عَذْوَى وَلَا طَيْرَةَ

وَأَنْ تَكُنِ الطَّيْرَةُ فِي شَيْءٍ فَبِى الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ. (رواه ابو داؤد)

سعد بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہامہ اور عدوی اور نحوست یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی۔ گھر، گھوڑا، زمین۔ (ابوداؤد)

تشریح:- انسانی معیشت کا بڑا تعلق یا اپنے گھر سے ہوتا ہے یا اپنے گھوڑے سے یا اپنی بی بی سے آج دوسری قسم کی سواریاں ایجاد ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ گھوڑے کا تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر کل تک عرب میں گھوڑا ضروریات زندگی کا سب سے اہم جزء سمجھا جاتا تھا نحوست کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ان چکروں میں ان کا قائل ہونا فی الجملہ ایک معقول بات تھی کیونکہ انسان کو ان سے ہر وقت کا واسطہ پڑتا ہے لیکن ہر معاملہ میں پرندوں کو اڑا کر نحوست یا سعادت کے تصورات جمانا یہ کسی طرح بھی معقول بات نہیں۔ کسی جانور کا تجربہ سے اچھا برا ثابت ہو جانا کسی مکان کا حسب منشاء آرام دہ نہ ہونا یا اس کی آب و ہوا نادرست ہونا اسی طرح کسی عورت کا بد مزاج یا غیر منتظم ہونا یہ سب اپنی اپنی جگہ حقائق ہیں۔ ان کو نحوست کے غلط نظریہ سے کیوں تعبیر کیا جائے خود حدیثوں میں بہت سے گھوڑے قابل پسند سمجھے گئے ہیں اور بہت سے ہنسی اور خراب قرار دیئے گئے ہیں۔ لیکن کسی حیوان کے داغ، دھبہ یا کسی عورت کے صرف شکل و شمائل یا کسی مکان کی ساخت سے ڈر کر اس کو منحوس سمجھ لینا مسلمان تو مسلمان ایک ادنیٰ ہوشمند انسان کا بھی کام نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ جب انسان غلط یا صحیح طریقہ پر کسی عقیدہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا بھر کے تمام حوادث اسی کے زاویہ خیال کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر بات کو اپنے وہم کی ایک ایک دلیل سمجھتا چلا جاتا ہے۔ عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے۔ ان الرہم خلاق۔ درحقیقت یہ تمام کار فرمائی اس کے وہم کی عنایت کردہ ہوتی ہے اور بس۔ غیر اللہ سے اتنا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصرف سے اتنا ذہول یہ شرک ہے ورنہ اس کا پیش خیمہ تو ضرور ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عِلْمَ لِي وَلَا هِمَّةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا، آلو، پنچتر، صفر۔ یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح:- مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں سیت قطعی طور پر دریافت ہو جائے وہ علیحدہ بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوت ایمانی یا آپ کی زبان میں قوت ارادی اور قوت عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں عدوی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور جہاں مرض نہیں لگتا اس کے لئے وہ عذر تراشنے لگتا ہے۔

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالفت و مجالست اس کے ساتھ خورد و نوش میں بے احتیاطی اور اس کے جسمانی رطوبات سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بیمار پڑ سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں۔ یہ عدوی جاہلیت نہیں۔ عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ نہ اتنی بے احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط۔ ہندوستان کے قدیم ہندو اسی قسم کے عدوی کے قائل ہیں۔ (تادل مختلف الہیٹ)

ہامہ اور صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں پکارتی پھرتی کہ میرا قصاص لیا جائے میں پیاسی ہوں۔ اور صفر ایک جانور ہے جس کے کاٹنے سے انسان کو

بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اور اس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا عُلُوى وَلَا صَفَرَ وَلَا غُولَ. (رواه مسلم)

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا، صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ غول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالت خوف میں مشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشا دیکھو گے۔

کافروں کی چھو منتر بھی شیطانی کام ہیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. (رواه ابوداؤد)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرۃ کے متعلق پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہو جاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہو گیا ہے وہ اس منتر سے اپنا علاج کر لیا کرتا تھا۔ عرب کا گمان تھا کہ اس منتر کی جنات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

عَنْ عِيسَى بْنِ حُمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَكِيمٍ وَبِهِ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ أَلَا تَعْلُقُ تَمِيمَةً فَقَالَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعْلُقُ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ. (ابوداؤد)

عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن حکیم کے پاس گیا انہیں سرخ بادہ کی تکلیف تھی میں نے کہا کہ اس کے لئے آپ گلے میں منکے کیوں نہیں لٹکا لیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے گلے میں اس قسم کی چیزیں لٹکائے اس کی جان کی حفاظت خود اسی کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے لیکر اپنے بچوں کے گلے میں نظر، گذر کے خیال سے ڈال دیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لئے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی مؤثر صرف خالق کا ارادہ ہے چند منکے اور خرزات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کر لینا کہ یہ خوبصورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جابرانہ وہم پرستی ہے۔ تولہ بھی اسی کی دوسری شکل تھی وہ اس جادو کو تولہ کہا کرتے تھے جس کے ذریعہ زن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہو جاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے تقدیر الہی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے۔ اسی طرح اسماء الہیہ اور کلام الہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کلام پاک اور اس کے اسماء کے محیر العقول اثرات و برکات سے

احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں لیکن انسان کی فطرت میں توازن مفقود ہے۔ اسی لئے قرآن نے اس کا لقب ”ہلوع“ اور ”منوع“ رکھا ہے۔ ”خلق الانسان هلو عا اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخير منوعا“ انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے اور جب اس پر فراغت کا دور آتا ہے تو بے توفیقاً ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگر گرتا ہے تو وہم پرستی پر اتر آتا ہے اور ابھرتا ہے تو انکارِ حقائق سے بھی باک نہیں کرتا۔ خدا کے کلام، اس کے اسماء، اس کے رسول کے کلمات، بلکہ اس کے رسول کے مستعمل پانی اور اس کے مستعمل کپڑوں میں بڑی برکتیں ہیں مگر یہ سب برکتیں خدا ہی کے نام کی ہیں۔ سمندر مان سون پیدا کرتا ہے سورج ضوء افشانی میں مشغول ہے۔ ابرو باد بارش لاتے ہیں مگر نہ ان میں حقیقت کوئی تاثیر و فاعلیت ہے اور نہ مقدراتِ الہیہ کے خلاف حرکت کرنے کی تاب و طاقت ہے۔ ”لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار“ نہ آفتاب اپنی لیل و نہار کے دوڑ میں کبھی چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن کے خاتمہ سے پہلے آ سکتی ہے یہ سب ایک ارادۃ الہی کے سامنے سرنگوں ہیں اسی طرح تمام برکتیں اور تمام تبرکات نہ مؤثر حقیقی ہیں اور نہ مقدرات کو پلٹ سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں عقیدے موجود تھے اور جن چیزوں کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ان کو قلب حقائق یا قلب مقدرات میں تاثیر ہے۔ ان سب میں معمولی سمیت بھی موجود نہ تھی اس لئے اسلام نے اس کو صرف ایک وہم پرستی قرار دیا اور اس کی بجائے اس کو صحیح عقائد کے ساتھ تبرک بالاسماء اور تبرک باثار الصالحین کا صحیح راستہ بتا دیا ہے اس تبرک کی بھی حدود ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے ورنہ پھر وہ بھی رسومِ جاہلیت میں داخل ہو جائے گا۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ

نَرَى فِي ذَلِكَ فَقَالَ اِعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ. (رواه مسلم)

عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیے اب ان منتروں کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا، ان کو میرے سامنے پیش کرو۔ اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مسلم)

تشریح:- معلوم ہوا کہ رقیہ اور تعویذات ایک حد تک جائز ہیں جب اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور حد و شرک میں داخل ہو جائیں تو پھر ناجائز ہیں۔ اسلام، حدود میں رہ کر رقیہ وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور جب شرک یا وہم پرستی کی حدود میں داخل ہو جائیں تو اس کی ممانعت کرتا ہے۔ یہاں اگرچہ تقاضائے مصلحت تو یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت کے ہر قسم کی جھاڑ پھونک سے ممانعت کر دی جاتی مگر قانونِ یسر کا تقاضا یہ ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آچکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے اغماض کر لیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں شریعت کے خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنفیہ کی تمام تر بنیاد یسر پر قائم ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُؤْتِي بِالصَّبْيَانِ إِذَا وَلِدُوا فَتَدْعُو لَهُ بِالْبَرَكَةِ فَاتِيَتْ بِصَبِيٍّ فَلَذَبَتْ

وَسَادَتَهُ فَإِذَا تَحَتَّ وَسَادَتِهِ مُوسَى فَسَأَلَتْهُمْ عَنِ الْمَوْسَى فَقَالُوا تَجْعَلُهَا مِنَ الْجِنِّ فَأَخَذَتْ

الْمَوْسَى فَرَمَتْ بِهَا وَنَهَتْهُمْ عَنْهَا وَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ الطَّيْرَةَ

وَيُبْغِضُهَا وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَنْهَى عَنْهَا. (رواه البخاری فی الادب المفرد ص ۱۳۱)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لئے برکت کی دعا فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹوٹکوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی اس قسم کے ٹوٹکوں کی ممانعت فرماتی تھیں۔ (الادب المفرد)

عَنْ أَبِي بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَلَارَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لَا تَبْقَيْنَ فِي رَقَبَةٍ بَعِيرٌ قِلَادَةً مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةً إِلَّا قُطِعَتْ. (متفق عليه)

ابو بشیر انصاری بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلابہ یا کوئی قلابہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔ (متفق علیہ) تشریح:۔ آپ کے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کئے گئے مگر امام مالکؒ کی جو رائے ان کی کتاب موطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر گذر کے خیال سے حیوانات کی گردنوں میں تانت وغیرہ کا گنڈا ڈال دیا کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوہام کو باطل قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو ایک خدا سے نہیں ڈرتا اس کو ہر ادنیٰ سی ادنیٰ مخلوق سے ڈرنا پڑتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ نفع و نقصان سوائے ایک خالق کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ڈر سے آزاد ہو گیا۔

عَنْ أَبِي وَهَبٍ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْتَبَطُوا الْخَيْلَ وَأَمْسَحُوا

بِنَوَاصِيهَا وَأَعْجَازِهَا أَوْ قَالَ أَكْفَالِهَا وَقَلْدُوهَا وَلَا تَقْلِدُوهَا الْأَوْتَارَ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلہ جہاد ہیں) اور ان کی پیشانیوں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی پٹہ نہ ڈال دیا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالاکرو (کہ یہ دور جاہلیت کا طریقہ ہے) (ابو داؤد۔ نسائی)

نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قِصَّةِ الْخَضِرِ وَمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ الْخَضِرَ قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَمِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ. وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلِمَكُمْ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَاذْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمَاهُمَا أَنْ يُحْمِلُوهُمَا فَعَرَفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقَرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذِهِ الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ ثُمَّ صَبَرَ قِصَّتُهُمَا وَفِي آخِرِهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقْصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا. (رواه البخاری فی کتاب العلم)

حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لئے تم میرے ساتھ چل نہیں سکو گے) انہوں نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے۔ میں کسی معاملہ میں بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اس عہد و معاہدہ کے بعد دونوں نے سفر شروع کیا چلتے چلتے سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ اتفاقاً ایک کشتی ادھر سے گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے بات چیت شروع کی کہ انہیں سوار کر کے دریا پار اتار دیں تو کیا لیں گے اس درمیان میں حضرت خضر علیہ السلام کو کسی نے پہچان لیا اور کرایہ لئے بغیر ان کو کشتی میں بٹھالیا (راستہ میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی۔ اس نے سمندر میں ایک دو چوچیں ماریں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ ہمارے اور تمہارے دونوں کے علموں نے ملکر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اتنی کمی نہیں کی جتنی سمندر کے پانی میں اس چڑیا کی ایک دو چونچوں نے۔ اس کے بعد راوی نے ان کے سفر کا تمام واقعہ نقل کر کے آخر میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مراتب علیا عطا فرمائے ہمیں تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اگر کچھ اور صبر فرمالیتے تو ان دونوں کے کچھ اور واقعات بھی ہمارے سامنے بیان میں آ جاتے۔ (بخاری شریف)

تشریح:- حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گویا اختلاف ہے مگر پھر بھی بڑی ہستی ہیں۔ ان دونوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مراحت ہو تھا اور تشریحی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بقول ان کے خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علم الہی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا آخر میں سب سے بزرگ و برتر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کر لیتے تو ہمیں کائنات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ کائنات ہستی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم پر بھی پورا احاطہ حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین بہت ہی محدود زمانہ میں پیش آئے۔ علم الہی کے متعلق ان تین مقدس ہستیوں کا عقیدہ تو یہ ہے اب جو عقیدہ آپ کا ہو وہ آپ جانیں بندہ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے حدود بندگی سے باہر ہو جائے بلکہ کمال بندگی، بندگی کامل میں ہے کسی مخلوق کی صفات کا موازنہ مخلوقات ہی کے دائرہ میں کرنا چاہئے نہ کہ خالق کے دائرہ میں مخلوق کی کوئی صفت خالق کی ہمسری نہیں کر سکتی ان دونوں میں اگر کوئی شرکت ہو سکتی ہے تو صرف اسم کی شرکت ہو سکتی۔ بندہ کو خدائے تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ سارا سانحہ سفر صرف ان کے اس کلمہ کا نتیجہ تھا جو ایک سائل کے جواب میں ان کی زبان سے اپنے اوپر علم اطلاق کر کے نکل گیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ نبی وقت اپنی امت میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا یہ قول یقیناً صحیح اور واقع کے مطابق تھا مگر صفت علم کے بارے میں علیم مطلق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اطلاق بھی ناپسند ہوا اور آخر ان کو ایک ایسے بندے کی ملاقات کی طرف دعوت دی گئی جس کے علم کی جزئیات میں سے

ان کو ایک جزئی کا بھی علم حاصل نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت علم ہی ایسی تھی جس کے ایک سبق کو بھی ان کو صبر کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی جو خاص خاص صفات ہیں جیسے احیاء و اماتۃ یا غیب کا علم وغیرہ ان میں عموم و اطلاق کا دعویٰ کرنا بڑی بے احتیاطی ہے یہاں صحیح اور معتدل راہ ہے کہ ان صفات کو علی الاطلاق تو صرف صالح حقیقی کے لئے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے۔ یہاں مبہم الفاظ یا محض ظنی دلائل یا جذبات محبت کی بناء پر کلی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سادہ کلمات کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جائے اور آخر میں جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزل مقصود سمجھے اسی مقصد کے پیش نظر ہم بہت محدود اور بہت محدود واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف مشتے نمونہ از خروارے کہا جا سکتا ہے آپ ان کو اپنے دماغ کو پورے طور پر صاف کر کے پڑھ جائے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھے۔

کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہئے

عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ مُعَوِذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةُ بِنْتِ عَلِيٍّ فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَا جَلَسَكَ مِنِّي وَجُورِيَاثَ يَضْرِبُنَ بِالْذِّقِ يَنْدُبُنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ حَتَّى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَلَيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُولِي هَكَذَا وَقُولِي مَا كُنْتَ تَقُولِينَ. (رواه البخاری)

ربیع دختر معوذہ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو۔ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں ایک لڑکی نے یہ کہہ ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپ نے فوراً منع فرما دیا اور کہا یوں مت کہو، بس وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ انداز غصہ و مسرت بھی پُر اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفل مسرت تھی نہ کہ مجلس تعلیم و تعلم (جہاں مقصود ہی تعلیم عقائد ہوا کرتی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ نظم تھی نہ کہ ایک متین عبارت، پڑھنے والی بھی کچھ نوعمر لڑکیاں تھیں نہ کہ فہیم اور سن رسیدہ عورتیں اور جو کلمہ اپنی زبانوں سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کلیت میں کلام ہو لیکن صاحب نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت بھی برداشت نہ فرما سکے جو قرآن کریم کی ظاہر آیت سے ذرا بھی ٹکرائے۔ سورۃ لقمان میں ہے کہ پانچ باتیں مفاتح غیب میں داخل ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا مگر ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بناء پر نہیں بلکہ علم الہی کے سامنے اپنی بے مانگی کے اعتراف کا سر جھکا کر۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانہ غیب سے کچھ عطا فرما دیتا ہے

اس سے وہ غیب داں نہیں کہلاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہلانے لگتے ہیں۔ دنیا سے صداقت کے بجائے خود انہیں ہی غیب داں کہنے لگتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتا دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں بنے مگر عیسائی نہ مانے آخر انہیں غیب داں خدایا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا۔ (نمود باللہ من ذلک)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَآذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (الفرد باخراج البخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بیشک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو خود واقعہ سے حاصل ہوا اور کسی واقعہ کے متعلق جو اپنی جانب سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا براہ راست علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بناء پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا۔ اطباء نے حمل کے مذکور و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں اسی طرح ہمارے دور میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں۔ یہ علم استدلالی تو ہے لیکن براہ راست واقعہ کا علم نہیں۔ واقعات کا براہ راست علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے ہم حوادث سے غائب رہ کر بذریعہ استدلال ان کو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے۔ واللہ علیٰ کل شیء شہید کا یہی مطلب ہے۔

عَنْ خَارِجَةَ بِنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُمْ أَنَّهُمْ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِينَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَلَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَطْعُونٍ وَأَنْزَلَنَا فِي آيَاتِنَا فَوَجَعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوَفِّي فِيهِ فَلَمَّا تُوَفِّي غُسِلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ فَشَهِدَتْنِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُلْزِمُكَ أَنْ اللَّهُ أَكْرَمَهُ فَقُلْتُ يَا بَنِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَاهُوَ فَوَاللَّهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ وَاللَّهُ إِنِّي لَا رَجُوءَ لَهُ الْخَيْرَ وَاللَّهُ مَا أَذْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَاذَا يَفْعَلُ بِي فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَا أَذْكِي بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا. (رواه البخاری فی ص ۱۰۳۷)

خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء ایک انصاری بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی

وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون نکلے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرا لیا۔ اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جان بر نہ ہو سکے۔ وفات کے بعد جب انہیں غسل دیدیا گیا اور ان کے کپڑوں میں انہیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابو السائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے ضرور نوازا دیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں، باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو نوازے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہو گئی اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ سن کر ام علاء نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ کروں گی۔ (بخاری شریف)

تشریح:- حدیث مذکور میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ. (احقاف)

عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ مَيْمُونَةَ فَاتَى بِضَبٍّ مَخْنُوزٍ فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ أَخْبِرُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يُرِيدُ أَنْ يَأْكُلَ فَقَالَ هُوَ ضَبٌّ يَارَسُولَ اللَّهِ فَرَفَعَ يَدَهُ فَقُلْتُ أَحْرَامٌ هُوَ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَأَكَلْتُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ. (رواه البخاری)

خالد بن ولید بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بھنی ہوئی گوہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اس پر آپ کی بیبیوں میں سے کسی نے کہا جس چیز کے تناول فرمانے کا آپ ارادہ فرما رہے ہیں آپ کو اس کی اطلاع دیدو۔ اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے یہ سن کر آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ جانور حرام ہے؟ فرمایا نہیں تو لیکن ہمارے ملک میں نہیں ہوتا اس لئے مجھے اس سے نفرت ہے خالد کہتے ہیں میں نے اس کو کھینچ کر اپنی طرف بڑھالیا اور آپ کے سامنے اس کو کھاتا رہا۔ (بخاری شریف)

تشریح:- یہ روزمرہ کا ایک سادہ واقعہ ہے دیکھئے یہاں حاضرین مجلس حتیٰ کہ امہات المؤمنین جیسی خاص ہستیوں میں سے کسی ایک کے ذہن میں یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کا اس طرح احاطہ حاصل تھا کہ عالم کا کوئی ذرہ آپ کے علم سے باہر نہ تھا وہ کس صفائی سے ایک معمولی سی کھانے کی چیز کے متعلق آپ کو ٹوک دیتی ہیں اور آپ بھی فوراً متنبہ ہو کر اس کے تناول فرمانے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں خود بھی جانتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ

حضرت میمونہ سے عقد کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو آپ کی بہت آخر عمر کا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَا انْصَرَفَ وَأَوْمَى إِلَيْهِمْ أَنْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَنِيْمْتُ أَنْ أَغْتَسِلَ. (رواه أحمد وروى مالك عن عطاء بن يسار مرسلًا)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے باہر تشریف لائے۔ قریب تھا کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا غسل کر کے پھر باہر تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد۔ مالک)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرِ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأَى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تَبَرِّ عَيْنِنَا فَكَّرْهُتُ أَنْ يُحَسِّنِي فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ. (رواه البخاری)

عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ آپ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ کی اس عجلت پر حیران ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی رکھی ہوئی یاد آ گئی تھی۔ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے۔ اس لئے میں اس کو تقسیم کرنے کیلئے کہہ آیا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- سچ کہا ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو پیدا ہی ایسی وضع پر کیا ہے کہ غیب کے علوم کا احاطہ تو درکنار اس کو حاصل شدہ علوم کا دائمی استحضار رہنا بھی مشکل ہے۔ ایک وقت انسان کی ملکی قوت عروج کرتی ہے تو وہ عرش کی خبریں دینے لگتا ہے اور ایک وقت اس پر بشریت کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ خود اپنی معلومات بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اسی مدوجزر میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے۔ خطا و نسیان انسان کے لئے عیب نہیں۔ غیر محدود اختیار اور جزئیات و کلیات غیب کا احاطہ اس کی نوع کا کمال نہیں۔ قدرت نے اس کی فطرت ایسے ہی ضعف و ناتوانی کے اندر بنائی ہے کہ وہ خطا بھی کرے گا اور بھولے گا بھی مگر اس کا یہ فطری ضعف اس کے لئے موجب نقصان نہ ہوگا بلکہ اور موجب کمال ہوگا۔ ایک روایت ہے انما انسی لاسن یعنی لوگ تو خود بھولتے ہیں مگر مجھ پر قدرۃ نسیان ڈالا جاتا ہے تاکہ بنی آدم نسیان کے احکام سیکھیں۔ پس جس طرح نبی کے نسیان سے مقصد نسیان کی سنت بتانی ہے اسی طرح واقعات و حوادث کی حقیقت سے بے خبر رکھ کر صرف ان کی سطح پر نبی کو فیصلہ صادر فرمانے کے حکم سے مقصد مقدمات میں فیصلہ کرنے کا آئین سکھانا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر درود سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے البتہ قریب و بعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم و نسق قائم رہتا ہے بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں۔ پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات میں ہمہ وقت رسول کو ہر ہر جزئی و کلی کا علم ہوتا ہے یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا وہ بھی مقام رسالت سے قطعاً نا آشنا و نابلد ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ إِنَّ جَبْرًا مِنَ الْيَهُودِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْبَقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ أَسْكُتْ حَتَّى يَجِيَّ جِبْرِئِيلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ أَسْأَلُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى ثُمَّ قَالَ جِبْرِئِيلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي دَنَوْتُ مِنَ اللَّهِ دُنُوءًا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جِبْرِئِيلُ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ فَقَالَ شَرُّ الْبَقَاعِ أَسْوَأُهَا وَخَيْرُ الْبَقَاعِ مَسَاجِدُهَا. (رواه ابن حبان)

ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے سب سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبریل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آ گئے، آپ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے عرض کیا جس سے آپ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھئے میں اپنے پروردگار سے جا کر پوچھتا ہوں اس کے بعد انہوں نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل آخر کتنا قرب نصیب ہوگا؟ عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ فَلَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَكْفُرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْكْفُرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ

وَأَنْتَ صَابِرٌ مُّخْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الَّذِينَ قَالَ لِيْ ذَٰلِكَ. (رواہ مسلم)

ابوقادہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے، اس میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کیلئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ فرمائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اچھا پھر پوچھ کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا بیشک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے پائے۔ مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے۔ جبریل علیہ السلام نے ابھی ابھی آ کر مجھ سے کہا ہے۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يَفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزَيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْيَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَصَاءُ وَقَالَ آيُنَ السَّائِلُ وَكَأَنَّهُ حَمْدُهُ فَقَالَ إِنَّهُ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَإِنْ مِمَّا يُنْبِئُ الرَّبِيعُ مَا يَقْتُلُ حَبْطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا أَكَلَةَ الْحَصْرِ أَكَلْتُ حَتَّى أُمِدْتُ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَتَلَطَّتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلْتُ وَإِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصِرَةٌ حُلُوةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعَمَ الْمَعُونَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُونُ شَهِيدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه)

ابوسعید خدری روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی وہ رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو نصیب ہوں گی۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی) بھلا کیا نعمت بھی کسی خطرہ کا سبب بن سکتی ہے اس پر آپ اس طرح خاموش ہو گئے جس سے ہم یہ سمجھے کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حسب دستور آپ نے اپنے روئے انور سے پسینہ پونچھا (جو بوقت نزول وحی آ جایا کرتا تھا) اور فرمایا وہ سوال کرنے والا کدھر گیا (آپ نے اس طرح پوچھا) گویا اس کے سوال کی تعریف کی اور فرمایا بھی نعمت تو کسی نقصان کا موجب نہیں بنتی (البتہ اس کا بے جا استعمال نقصان کا موجب بن جاتا ہے) آخر موسم بہار سبزا اگاتا ہے اور وہی سبزا کبھی جانور کی موت کا باعث بھی بن جاتا ہے یا اس کو موت کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ ہاں ایک وہ جانور جس نے خوب کھایا اور جب اس کی دونوں کوکھیں تن گئیں تو دھوپ میں جا بیٹھا پھر چھیرا اور پیشاب کیا، اس کے بعد پھر گیا اور پھر سبزہ کھایا۔ اسی طرح مال و دولت کی حالت ہے وہ بھی دیکھنے میں خوشنما اور ذائقہ میں شیریں چیز ہے جو شخص اسے جائز طور پر حاصل کرتا ہے اور اس کو بر محل صرف کرتا ہے اس کا تو کیا کہنا وہ تو انسان کے لئے ایک عمدہ سہارا ہے لیکن جو اس کو ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھائے چلا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے (کاسہ چشم حریصاں پر نہ شد) اور یہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح:- حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب کیلئے کبھی تو جبریل علیہ السلام از خود تشریف لے آتے اور کبھی آپ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور آپ کے جواب میں اگر کوئی اجمال رہ جاتا تو جبریل علیہ السلام فوراً اس کی ضروری تفصیل کر دیتے۔ درحقیقت یہ نبی کا بہت بڑا کمال ہے اور اس کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہے کہ وہ دین کے بارے میں ایک حرف بھی اپنی جانب سے نہیں کہتا۔ جس طرح نبی کی فتح و شکست اس کی صداقت کی دلیلیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کا نطق و سکوت بھی اس کی صداقت کا ایک محکم ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں بے علم برعکس اس کو نقصان کا موجب گردان لیتا ہے۔ مذکورہ بالا سوال ہی کو دیکھئے اگر یہ ہم سے کہا جاتا تو ہم اپنی عقل سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی جواب تراش دیتے مگر نبی اجتہاد کے لئے بھی پہلے وحی کا انتظار کرتا ہے اسی لئے اس کا نطق و سکوت دونوں وحی سمجھے جاتے ہیں۔ الحاصل یہ تینیس سال تک جو کچھ بھی آپ سے کہا جاتا تھا سارا کا سارا غیب ہی کا علم تو تھا پس کیا اس میں کسی مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے کہ قدرت نے آپ کے سینے میں بے شمار غیوب کے سمندر بہا دیئے تھے مگر بحث تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کیا عالم کی ہر ہر جزئی کا ہمہ وقت بھی آپ کو علم حاصل تھا؟ اس طرح کے علم کا ثبوت حدیثوں سے ہم کو تو نہیں مل سکا۔ اگر کسی ایک حدیث میں کوئی لفظ مبہم ملا بھی تو بیسیوں حدیثوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی تشریح بھی مل گئی۔ پھر کیا صاف صاف تشریحات کو چھوڑ کر مبہم الفاظ کو عقیدہ بنالینا کوئی دین کی بات ہوگی۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهِ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ الْقَوْمُ الْقَوْنِعَا فَلَمَّا فَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوَتَهُ قَالَ مَا حَمَلَكُم عَلَى إلقاءِ نَعَالِكُمْ قَالُوا رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَالْقَيْنَا لَهُمْ نَعَالَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهِمَا قَدِيرًا إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى قَدِيرًا فَلْيُمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا. (رواه ابو داؤد)

ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دفعہ آپ نے نعلین مبارک اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لئے۔ یہ دیکھنا تھا کہ صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے چپل اتار ڈالے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری فرما چکے تو ان سے پوچھا تم لوگوں نے اپنے چپل کیوں اتار دیئے۔ انہوں نے عرض کیا ہم نے آپ کو چپل اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار ڈالے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تو جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ (آپ کے) چپلوں میں کچھ گندگی لگی ہوئی ہے۔ تم جب مسجد میں آیا کرو تو پہلے اپنے چپل دیکھ لیا کرو۔ اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو صاف کر کے پھر ان سے نماز پڑھ لیا کرو۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَرْبَعَ مَضِينَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ أَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضَبَانُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْخَلَهُ النَّارَ قَالَ أَوْ مَا شَعُرْتُ أَنِّي أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُونَ وَلَوْ إِنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا

اَسْتَدْبَرْتُ مَا سَقَتْ الْهَدْيَ مَعِيَ حَتَّى اشْتَرِيَهُ ثُمَّ اَحِلُّ كَمَا خَلُّوا. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے قصہ میں نقل کرتی ہیں) کہ آپ چوتھی پانچویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جب میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے عرض کیا آپ کو کس نے خفا کیا۔ خدائے تعالیٰ اس کا برا کرے۔ آپ نے فرمایا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ میں لوگوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے اس میں اور پس و پیش کرتے ہیں۔ کاش اگر میں اس کو پہلے سے جانتا تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی کا جانور نہ لاتا اور یہاں سے ہی خرید لیتا اور اپنا احرام بھی اسی طرح کھول ڈالتا جس طرح اور لوگوں نے کھولا۔ (مسلم)

تشریح:- مکہ مکرمہ میں پہنچ کر آپ نے ایک دینی مصلحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے احرام کھول ڈالیں اور حج کے بجائے عمرہ ادا کر لیں۔ پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھ کر حج کر لیں یہ تمتع کی شکل ہو جائیگی لیکن جو لوگ حج کا احرام باندھ چکے تھے ان کو حج کی ادائیگی سے پہلے اپنا احرام کھول دینا بہت شاق گذرا بالخصوص جبکہ انہوں نے آپ کو دیکھا تو آپ نے بھی اپنا احرام نہ کھولا تھا۔ آپ چونکہ اپنے ہمراہ ہدی لائے تھے اس لئے ہدی کی موجودگی میں احرام کھول دینا آپ کے لئے درست نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے فرمایا اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس بناء پر لوگ اپنے احراموں کے کھولنے میں تردد کریں گے تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی نہ لاتا اور ان کے ساتھ ہی احرام کھول دیتا۔ یہ حجتہ الوداع کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس بے لطفی کا باعث کل یہ ہوا کہ رسول کو ہمیشہ ہر بات کا علم نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ آپ اپنے ہمراہ ہدی ہی نہ لاتے۔ اب اس جہان سے گذر کر کچھ محشر کا حال سنئے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي فَرَطُكُم عَلَى الْخَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَى شَرِبٍ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمًا أَبَدًا لَيَرَدَنَّ عَلَى أَقْوَامٍ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيَقَالُ إِنَّكَ تَذَرِي مَا أَحَدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي. وفي كتاب الخوض فيقال انك لا علم لك بما احدثوا بعدك. (متفق عليه)

سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں، تمہارے لئے پانی پینے کا بندوبست کروں گا جو شخص میرے خوض پر آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا اور جو اس کا پانی پی لے گا پھر کبھی پیسا نہ ہوگا۔ میرے خوض پر کچھ لوگ میرے شناسا بھی آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کے اور میرے درمیان ایک حجاب ڈال دیا جائے گا میں کہوں گا کہ یہ تو میرے قبیعین ہیں مجھے جواب ملے گا آپ کو یہ علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں پیدا کر ڈالی تھیں اس وقت میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:- بعض روایات میں اصحابی اصحابی کا لفظ بصیغہ تصغیر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جماعت بہت مختصری جماعت ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وہ منافقین کی جماعت ہوگی جو جہادوں میں بجمہوری آپ کے ساتھ لگی رہا کرتی تھی اور دراصل کافر تھی کتاب تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۲۹۶۔ قرآن کریم میں ہے وَمِنْ حَوْلِكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُونَ

ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم۔

کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ مختصر سا فرقہ ہے جو عہد صدیق میں مرتد ہو گیا تھا۔ بہر حال محشر میں ملائکہ اللہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کے ارتداد کا آپ کو کچھ علم نہ ہو گا اسی طرح آئندہ حدیث بھی محشر کی ہے اس میں بھی سامعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ خطاب سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوہ کثیر میں کسی مختصر جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اس بناء پر مجھے اپنی امت کی معرفت ہمہ وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لئے بھی دشواری کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ بِالسُّجُودِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَنَنْظُرَ إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَأَعْرِفَ أُمَّتِي مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ وَمِنْ خَلْفِي مِثْلَ ذَلِكَ وَعَنْ يَمِينِي مِثْلَ ذَلِكَ وَعَنْ شِمَالِي مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَعْرِفُ أُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ فِيمَا بَيْنَ نُوحٍ إِلَى أُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مَحْجَلُونَ مِنْ آثَرِ الْوَضْوِ لَيْسَ أَحَدٌ كَذَلِكَ غَيْرُهُمْ وَأَعْرِفُهُمْ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ وَأَعْرِفُهُمْ تَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ (رواه احمد وعنده مسلم عن ابي هريره نحوه)

ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضوء کے پانی کے نشانوں سے ان کے چہرہ روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سواء اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کروں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑ رہی ہوگی۔ (احمد)

تشریح: اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہئے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں میں علم محیط کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو سائلین آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت قطع کرنے میں جھجکتے اور نہ آپ اس غلطی پران کو تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَأَنَّ أُمَّتِي سَيَلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوَى لِيَ مِنْهَا وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ وَإِنِّي سَأَلْتُ

رَبِّیْ لَا مَتِّیْ اَنْ لَا یُهْلِکَهَا بِسَنَةِ عَامَّةٍ وَاَنْ لَا یُسَلِّطَهَا عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَایْ اَنْفُسِهِمْ فِیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَاَنْ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضِیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهُ لَا یُرَدُّ وَاِنِّیْ اَعْطِیْتُكَ لَا مَتِّکَ اَنْ لَا اُهْلِکَهُمْ بِسَنَةِ عَامَّةٍ وَاَنْ لَا اُسَلِّطَ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَایْ اَنْفُسِهِمْ فِیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَلَوْ اجْتَمَعَ عَلَیْهِمْ مَنْ بَاقَطَارِهَا حَتّٰی یَكُوْنَ بَعْضُهُمْ یَهْلِکُ بَعْضًا وَیَسْبِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. (رواه مسلم)

ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو سکیر دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے سامنے سکیر کر دکھا دیا گیا ہے مجھے دو خزانے بھی مرحمت کئے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لئے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے انڈے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا ختم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ (مسلم شریف)

تشریح:- بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو نہ معلوم کن کن خصوصیتوں سے نوازا ہو گا ان کی تفصیل تو وہی جانے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت و جہنم جیسی وسیع مخلوق کا نقشہ کسی دیوار پر دکھا دیا گیا ہے ایسے ہی ایک بار سارا کرۂ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھلا دیا گیا جیسا کسی بڑی چیز کے فوٹو کو چھوٹا کر کے دکھایا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا و کذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض لیکن غور کرنا تو یہ ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک انسان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر سطح زمین کی بڑی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے بڑے بڑے دریا اس کو تارگے کی طرح بہتے ہوئے نظر آ جاتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے نقطوں کی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اپنے اس وسیع مشاہدہ میں ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس غیر معمولی نظارہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ اس کے الفاظ میں کتنا عموم ہو گا لیکن پھر بھی اس مشاہدہ میں اس کو علم کتنے حصہ کا ہو گا۔ اگر آپ ان حسی واقعات سے اس غیبی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمَّا كَتَبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحَبْرِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَأَلَنِي عَنْ أَشْيَاءَ لَمْ أَتُبَّهَا فَكَرَبْتُ كُرْبًا مَا كُرَبْتُ مِثْلَهُ فَجَلَّى اللَّهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَرَفَعَهُ اللَّهُ لِي أَنْظُرَ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونَنِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ.

جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم شریف میں ہے کہ قریش نے مجھ سے (بیت مقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس وقت مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جس بات کو وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

تشریح:- صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بحالت بیداری ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) ان کی بہت سی چشم دید باتیں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں بلکہ اس وقت آپ نے شاید ان کو بغور دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا پورا پورا علم حاصل ہونا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا بقاء و دوام بھی ضروری نہیں۔ (۵) تجلی علم تفصیلی کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا عینی مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگرچہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے خود دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس کی تجلی سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو اجمالی انکشاف یہاں ہو جاتا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا بقاء بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کا افاضہ کا مقصد نفس انسانی میں کمال کی استعداد پیدا کرنی یا صرف ایک اکرام اور تشریف ہوتی ہے جس طرح علوم رسمہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ملکہ پیدا کرنا ہوتا ہے خود ان علوم کا استحضار نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَضْبَانُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ الْيَوْمَ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ وَنَحْنُ نَرَى أَنَّ جِبْرِئِيلَ مَعَهُ. قُلْتُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى أَنْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا حَدِيثِي عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ فَلَا تُبَدِّلْ عَلَيْنَا سَوَاتِنَا فَأَعْفُ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ. (رواه أبو يعلى قال الهيثمي ورجاله رجال الصحيح)

انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ پر غصہ کے آثار تھے آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو سوالات کرو گے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا واقعہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دورا بھی قریب ہی گزرا ہے آپ ہماری غلطیوں اور عیوب پر سخت گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگزر فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابو یعلیٰ)

تشریح:- یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے مگر یہاں مسند ابو یعلیٰ کی روایت میں صحابہ کے ان الفاظ کی زیادتی اور ہے ونحن نرى الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فرمان ”تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب دوں

کا“ کی بنیاد یہ نہ تھی کہ نبی کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے اوقات میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی اسی وقت آپ کو سالکین کے سوالات کے جوابات کی اطلاع دیدی جاتی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حِفْظُهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هَوْلَاءِ وَأَنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيَهُ فَأَرَاهُ فَادُّكَّرُهُ كَمَا يَدُّكُّرُ الرَّجُلُ وَجَهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَأَاهُ عَرَفَهُ. (متفق عليه)

وعند ابی داؤد عن ابی سعید الخدری قال قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيئًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدْعُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ حِفْظُهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ. (الحديث)

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کر ڈالے۔ جس نے یاد رکھے، یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے، بھلا دیئے۔ یہ بات میرے یہ سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح یاد آ جاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا رہے اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کے بعد خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ سب آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے، یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے، بھلا دیئے الخ۔

خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيَّ غُنْقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَتْنَ وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةٍ اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ. (رواه الترمذی)

عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک۔ اس وقت میں نے آپ سے سورہ براءت کی یہ آیت بھی سنی۔ اتخذوا احبارہم الخ۔ اس کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خوب سن لو کہ وہ لوگ ان احبار و رہبان کی صریح عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جس چیز کو وہ حلال بتا دیتے اس کو وہ حلال سمجھ لیتے اور جس کو حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے (اسی کو قرآن کریم نے رب ٹھہرانے سے تعبیر کیا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:- حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اسی طرح غیر اللہ کی نافرمانی اطاعت بھی شرک ہے۔

عَنْ النُّورِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (رواه ابن جرير)

نور بن سمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (شرح السنہ)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْمَعُوا لَهُ وَيَطِيعُوهُ فَأَغْضَبُوهُ فِي شَيْءٍ فَقَالَ اجْمَعُوا إِلَيَّ حَطَبًا فَجَمَعُوا لَهُ ثُمَّ قَالَ أَوْقِدُوا نَارًا فَأَوْقِدُوا ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَأْمُرْكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْمَعُوا لِي وَتَطِيعُوا قَالُوا بَلَى قَالَ فَادْخُلُوهَا فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَقَالُوا إِنَّمَا فَرَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوا كَذَلِكَ حَتَّى سَكَنَ غَضَبُهُ فَطَفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوهَا فَأَخْرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا وَقَالَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ. (متفق عليه)

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اور اس نے غصہ میں آ کر حکم دیدیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کروانہوں نے جمع کر دیں اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو دھکا کر ان کے انگارے بنادو، انہوں نے بنا دیئے۔ پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ فرو ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُمَرَ بَلَغَهُ أَنَّ قَوْمًا يَأْتُونَ الشَّجَرَةَ فَيَصْلُونَهَا فَوَعَّلَهُمْ ثُمَّ أَمَرَ بِقَطْعِهَا. (رواه ابن سعد)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ کر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے بیعت لی تھی اس پر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور درخت کے کاٹنے کا حکم دیدیا چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (ابن

تشریح:- صحیح بخاری میں تصریح موجود ہے کہ یہ اصل درخت کچھ دنوں بعد ہی اکثر صحابہ کے ذہنوں سے فراموش ہو چکا

اس کے باوجود لوگ یونہی تخمینی طور پر کسی درخت کے پاس آ کر تبرکاً نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شانِ حزم و احتیاط نے بروقت اس طرف توجہ کی وہ جانتے تھے کہ بعض مرتبہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم آئندہ چل کر ان کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے ان حالات میں ایک مشکوک تبرک کے قائم رکھنے سے یہ بدرجہا بہتر تھا کہ اس مظنہ شرک کو جڑ سے ختم ہی کر دیا جاتا۔ اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کے خلاف تمسک کرنا بھی زیادتی ہے۔ مستند تبرکات اگر اپنی حد پر رکھے جائیں تو بلاشبہ برکات کا موجب ہیں ان کا استیصال بھی بے اعتدالی ہے اور فرضی تبرکات کو عوام کے سامنے ایک تماشہ بنائے رکھنا بھی ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يَقْبَلُ الْحَجَرَ وَيَقُولُ إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا

تَضُرُّ وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ مَا قَبَّلْتُكَ. (متفق علیہ)

عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو حجرِ اسود کو بوسہ دیتے دیکھا وہ بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

تشریح:- یہ پتھر کتنا ہی متبرک پتھر سہی، جنت سے آیا، زمین میں یمین اللہ کہلایا، نہ معلوم کتنے انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام نے اس کو بوسہ دیئے، اور نہ معلوم کیسے کیسے خواص کا وہ حامل بھی ہے۔ مگر ان سب اوصاف کے باوجود وہ نبی عربی (فداہ الی و امی) کے ایک زیر تربیت صحابی کی نظر میں ایک پتھر ہی رہا۔ دیکھو یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جو غیر مستند تبرک کی تو جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نیا معاملہ کرنا پسند نہیں فرماتے جو بڑھ کر آئندہ کسی ادنیٰ فتنہ کا موجب ہو سکے اور پھر یہی وہ ہیں جو ایک مستند پتھر کے سب سے بڑے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ یہ اس کو بوسہ تو دیتے ہیں مگر اس کی بیجا تعظیم کے جذبہ میں نہیں بلکہ رسول عربی کے والہانہ اتباع کے جذبہ میں اور اپنے اسی مجاہدہ انداز میں اپنی زبان سے ایسے توحید الہی سے لبریز کلمات بھی ادا فرماتے جاتے ہیں جن کے بعد امت کے کسی بوسہ دینے والے کی نظر میں اس پتھر میں اتباع رسول کے سوا اور کوئی کشش ہی باقی نہیں رہتی۔

پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ مناسب انداز میں کسی حقیقت کا اظہار تو ہین شمار نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حجرِ اسود ایک بہت بڑا متبرک پتھر ہے، اس کی تقبیل بڑی سعادت اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کے لئے جذاب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس میں نفع و ضرر رسانی کی کوئی ادنیٰ طاقت بھی نہیں ہے اس لئے اس کی ذات سے ان اوصاف کا سلب کرنا ہرگز اس کی توہین شمار نہیں ہو سکتی۔ ہاں ان کلمات کا بلا داعیہ اور بلا سبب یونہی مشغلہ لگائے رکھنا بھی فعلِ عبث ہو گا لیکن یہی اپنے گرد و پیش کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ہوں تو بیشک بر محل اور ضروری بھی ہیں۔

الحمد للہ ”معارف السنۃ“ کی تیسری جلد مکمل ہوئی چوتھی جلد ”کتاب الرسالۃ“ سے شروع ہے۔

مرتبین (السلام)

بِسْمِ اللَّهِ

